

مردِ خُر، غازی، مجاہدِ حق پرست و فضلِ حق
تھا کتابِ تحرّیت کا بے گماں پہلا ورق

باغی چاندستان

مؤلف: مولانا محمد فضلِ حق خیر آبادی

(وفات: ۱۳۷۸ھ جزیرہ اندمان)

مترجم: عبدالشاہد خاں شروانی

(وفات: ۱۳۰۲ھ علی گڑھ)

Printed By: مکتبہ قادریہ لاہور

Presented Online By:

اعلیٰ حضرت نیٹ ورک
Alahazrat Network

For: www.FazleHaq.com



الْثَوَاقِلُ الْهِنْدِيَّةُ

باغی چندستان

مؤلف : مولانا محمد فضل حق خیر آبادی


(وفات : ۱۳۷۸ھ جزیرہ اندمان)

مترجم : عبد الشاہد خاں شروانی

(وفات : ۱۳۰۴ھ علی گڑھ)

مکتبہ قادریہ لاہور

جملہ حقوق محفوظ

- کتاب ۱: الثورة الهندية (بانی ہندوستان)
- تصنیف: علامہ محمد فضل حق خیر آبادی
- ترجمہ و تقدیم: عبدالشامہ خان شروانی
- مقدمہ اور اسکے تعلقات: * * *
- ابتدائیہ اور منیمہ: علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری
- طبع چہارم: الجمع الاسلامی مبارکپور (انڈیا)
- طبع پنجم: جمادی الاخریٰ ۱۴۱۸ھ فرسبہ ۱۹۹۷ء
- قیمت: 

ٹپنے کا پتہ

مکتبہ قادریہ ، داتا دربار مارکیٹ ، لاہور

مردِ جرّ، غازی مجاہدِ حق پرست و فضلِ حق
تھا کتابِ حریت کا بے گناہ پہلا ورق

● جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء میں فرنگی سامراج کے ظلم و بربریت
کے لرزہ خیز واقعات اور خونی داستان،

● مجاہدینِ اسلام کی جلاوطنی، عیس و دھرم، مردوں، عورتوں
اور بچوں کا قتل عام، پھانسیاں اور گالے پانی کی سزا

● سینوں میں چھتی، ترپتی، آزادی کی چنگاری کو ہوا دینے والے
سرکف، سرفروش مجاہد، شہید، تحریکِ آزادیِ مسلمان
محمد فضل حق خیر آبادی کے بے مثال علمی، ادبی اور مجاہدانہ
کارنامے،

● سلسلہ خیر آبادی کے جلیل القدر علماء کے مفصل حالات
زندگی۔

● علامہ محمد فضل حق خیر آبادی کے مقدمہ اور اس کے متعلقات
کی تفصیل پر مشتمل نیا ضمیمہ۔

وہ امام فلسفہ وہ تازہ شش علم و سخن

از جناب امیر البیان کسہروردی

وہ امام فلسفہ وہ تازہ شش علم و سخن
موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر ہنستا رہا
زندگی اس کی سر راہ سوز و ساز عشقِ مہدی
دیوِ متباد اس سے لرزہ بر اندامِ حق
سامراجی طاقتوں کا توڑ کر زورِ جنوں
اس نے سمجھایا "منیں مہکن نظیرِ مصطفیٰ"
کاتبِ انشا اس کے فتروں سے فرنگی سامراج
وہ خطیبِ حریت، شعلہ نوا، جوشِ آنسو میں
اس کا وہ فرزندِ فاضل، اس کی بچی یادگار
ہند میں روشن کیا جس نے چلارِ فلسفہ
آسمانِ اہل سنت کا درخشاں آفتاب

جس نے زندہ کر دیا تھا قصہ دار و رسن
اللہ اللہ جنگِ آزادی کے سحر کا بانگین
دانشِ حکمت میں حاصلِ تلامذہ سے طریقِ فن
اس کی شمشیر نگہ سے کاہتا صحتِ اہرن
اس نے پیدا کی مہدی آزادی کی ہرول میں لگن
گوشتا ہے آج تک یہ نعرہ باطلِ ششک
اس کے نعروں سے ہوئے بیدار شیرانِ وطن
جامعِ دہلی کو گر متا رہا جس کا سخن
عاشقِ میرِ عرب، عبدِ خدا سے ذوالمنن
پیکرِ علم و ہنر، ظلمت میں شمعِ تبسم
ہند کے ظلمت کدوں پر چور بہ جیلوہ لگن

مردِ حر، فاضل، مجاہدِ حق پرست، فضلِ حق

تھا کتابِ حریت کا بے گماں پسلا و ق

(رضائے مصطفیٰ، ۹، قمر ۱۳۸۰ء)

(اضافہ از ناشر)

سے مدار محمد سید الحق خیر آبادی۔

فهرست

صفحه	مضامین
۷	حزب آغاز از کاش
۳۹	مقدمه از مؤلف
۵۸	تعارف از ابراهیم کلام آزاد
	سوانح حیات علامه فضل‌حق خیرآبادی
۵۹	تقسیم
۶۶	ولادت و نسب
۷۲	تعلیم و تربیت
۷۷	فطانت و ذکاوت
۷۹	درس و تدریس
۸۰	علازمت
۸۵	سبک‌دستی
۹۱	شاعری و مرثیه‌نگاری
۱۰۳	سلسله تلمذ
۱۰۷	تصانیف
۱۱۳	بحث و مناظره
۱۲۷	بیت
۱۲۹	اخلاق و عادات

۱۳۲	سیاست
۱۶۳	اصناف
۱۶۴	تلازمه
	ضمیمہ (سلسلہ تلازمہ)
۱۹۰	حیات شمس العلماء مولانا محمد عبدالحق خیرآبادی
۱۸۷	بدرالفضل مولانا حکیم سید برکات احمد ٹونگی
۲۰۲	علامہ الہند مولانا مصین الدین الاعمیری
۲۲۱	مؤلف کتاب محمد عبدالشاید خاں شروانی
۲۴۵	لکس نامہ گرامی مولانا علامہ فضل حق خیرآبادی
	الشورۃ الهندیہ
۲۵۱	ساد
۲۹۹	تصبیہ ہمزہ
۳۱۴	تصبیہ دالیم
۳۲۸	عبارت انتقام
	تتمہ باغی ہندوستان (سلسلہ خلاصہ)
۳۳۱	مولانا فضل امام کی ایک غیر مطبوع تصنیف کا تعارف (از ناشر)
۳۳۳	حجۃ العصر مولانا ہدایت اللہ خان جونپوری
۳۳۵	صدر الشریعہ مولانا محمد امجد علی اعظمی (مصحف بہا بشریت)
۳۴۴	فتیۃ العصر مولانا یار محمد بست دیاوی
۳۴۸	رئیس الشکین مولانا سلیمان اشرف بہاری
۳۶۰	تلازمہ مولانا عبدالحق خیرآبادی

حرفِ آغاز

اسلاف کے زہی کارناموں کو منظرِ عام پر لانے کی کوشش کسی بھی قوم کی زندگی کی علامت سمجھی جاسکتی ہے، اسی سے قوتِ عمل میں اضافہ ہوتا ہے اور منہمکہ معلقوں میں تحریک کی برقی رو دوڑ جاتی ہے۔ غیر مصنف مؤلفین اور اہلِ قلم نے نہ صرف اپنے اکابر کے جوئے سپے کارناموں کو پورے زور شور سے پھیلایا بلکہ اکابرِ اہل سنت کے قابلِ فخر کردار کو مشتبہ اور داغدار بنانے کے لئے زورِ قلم صرف کیا۔ حیرت ہے کہ مخالفین کے ایک طرف جارحانہ حملوں کے باوجود ہمیں مجاہدینِ اہلسنت کی حمایت اور دفاع کی توفیق نصیب نہ ہوئی، ضرورت ہے کہ اہلِ علم و قلم حضرات کا بورق قائم کیا جائے جو ماحول کی ضروریات کے مطابق نظریہ پر پیش کرے اور کمالِ تحقیق و جستجو کے بعد عائدینِ اہلسنت کی عالمانہ اور مجاہدانہ خدمات جلیلہ سے عوام و خواص کو روشناس کرائے۔

لہذا الحمد کہ مکتبہ قادریہ لاہور نے سراپا افلاک، اہلِ علم و فکر حضرات کی سرپرستی میں کام شروع کر دیا ہے، انشاء اللہ العزیز مستقبلِ قریب میں ایسا شریح پر پیش کرنے کی کوشش کی جائے گی جس سے علمی، اعتقادی، مذہبی اور تاریخی ضرورت پوری ہو جائے۔ اس سلسلے کی ابتدائی کڑی، فاضلِ انکسار علامہ فضل حق خیر آبادی کی حیات پر سب سے پہلے مسودہ کتاب ”باغی ہندوستان“ پیش خدمت ہے۔ امید ہے کہ علمی معلقوں میں یہ کتاب پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھی جائے گی اور اربابِ بصیرت اپنے مفید مشوروں سے جاری راہنمائی فرمائیں گے۔

علم و فضل | موافق و مخالفت اس بات پر متفق ہیں کہ علامہ محمد فضل حق خیر آبادی کشورِ علم کے تاجدار اور دورِ آخر میں منطق و فلسفہ کے مسلم الثبوت امام تھے۔ تیرہ سال کی عمر میں اس نے ورکے تمام مرقد و جہ علم سے فارغ ہو کر مسندِ تدریس کو زینت بخشی، حافظ اس غصہ کا تھا کہ چار ماہ اور کچھ دنوں میں قرآن پاک حفظ کر لیا، اور علم و فضل میں وہ مقام حاصل کیا جہاں تک معاصرین میں سے کوئی نہ پہنچ سکا،

سرستید کہتے ہیں۔

”جمع علوم و فنون میں یکساں روزگار میں اور منطق و حکمت کی تو گویا انہیں کی فکر و حالی نے بنا ڈالی ہے۔ علمائے عصر قبل فضائے دہر کو کیا طاقت ہے کہ اس سرگردہ اہل کمال کے حضور میں بساط مناظرہ آراستہ کر سکیں۔ بارہا دیکھا گیا کہ جو لوگ آپ کو یگانہ فہم سمجھتے تھے جب ان کی زبان سے ایک حرف سنا، دعوائے کمال کو فراموش کر کے نسبت شاگردی کو اپنا فخر سمجھنے لگے۔“

منشی محمد جعفر تنہا فیری لکھتے ہیں :

”مولوی فضل حق معقولی خیر آبادی جو اس زمانے میں حاکم اعلیٰ شہر دہلی کے سرشتہ دار اور علم منطق کے پتے اور افلاطون و سقراط و بقراط کی غلطیوں کی تصحیح کرنے والے تھے۔“

علامہ محمد فضل حق خیر آبادی معقول و منقول میں تجرنا مثل ہونے کے ساتھ ساتھ با کمال شاعر بھی تھے۔ عربی میں چار ہزار اشعار آپ سے یادگار ہیں۔ علامہ کے کلام کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں یا تو مردہ کون و مکان سنی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مدت و شفا ہے یا کفار اور بد مذہبوں کی مذمت۔ مولانا کا بلند پایہ کلام اس لائق ہے کہ اسے عربی ادب کے نصاب میں شامل کیا جائے۔ مولانا محمد الدین لکھتے ہیں :-

”قصائد غزلیہ آپ کے امر القیس اور لبید کے قصائد پر فوقیت رکھتے ہیں، نظم و نثر میں آپ کو اس قدر مہارت تھی کہ بلا مبالغہ شاید سلف و خلف میں چند آدمی آپ کے ہم پلہ ہونے ہوں گے۔“

مولانا فضل حق اور غالب
”مردانہ غالب دہوی جن کی نظر میں بڑے بڑے شعرا بھی نہ پڑتے تھے، متعجب و حیرت میں علامہ فضل حق خیر آبادی سے صرف شش سوہ کرتے تھے بلکہ ان کی اصلاح کو بدیب خاطر قبول بھی کرتے تھے، علامہ جی کے ایما پر غالب نے مشکل پسندی کو ترک کیا تھا، مولانا

طے سرسید : مقدمات سرسید احمد خان دوم (مطبوعہ مجلس ترقی ادب لاہور) ص ۱۴۸

علامہ محمد جعفر تنہا فیری : حیات سید احمد شہید (سوانح احمدی) مطبوعہ نقشبندیہ اکیڈمی کراچی، ص ۳۰۴

علامہ محمد الدین مولانا : روحانۃ الادب، ص ۱۴۸

انہی حیات کے مطابق موجودہ دیوان غالب، علامہ اور مرزا غانی بی کا انتخاب ہے۔ علامہ نے صرف غالب کی ادبی رہنمائی کی بلکہ اقتصادی مشکلات حل کرنے میں بھی مرزا غالب کی حتی الوسع امداد فرمائی۔ علامہ کے احسانات کا اثر غالب کے دل پر بہت گہرا تھا جس کا اندازہ مرزا غالب کی تحریرات سے بآسانی لگایا جاسکتا ہے۔ علامہ کی شہادت کے بعد غالب نے شیخ بیگم احمد کو ایک خط لکھا جس میں علامہ سے گہری عقیدت کی عکاسی اور روحانی درد و کرب کا نمایاں اظہار ہے، دیکھتے ہیں:-

* خیر ایجاد و نکوین مولانا فضل حق ایسا دوست مرعے، غالب نیم مردہ، نیم جاں رہ جائے۔

موتے ہیں آرزو میں مرنے کی موت آتی ہے پر نہیں آتی
اُٹھے آتی تھی حال دل پہ ہنسی اب کسی بات پر نہیں آتی
شیخ محمد اکرام، غالب پرستی میں یہاں تک کر گئے،
”یہ صبح ہے کہ مولوی فضل حق کی محبت سے انہیں (مرزا غالب کو) فائدہ ہوا
لیکن ادب اور حکمت کی جن بندیوں پر مرزا اپنے دہاں فضل حق یا شیفتہ کیسے ساتھ
دے سکتے تھے“۔

پروفیسر یوسف سلیم چشتی نے اس کا سختی سے نوٹس لیا ہے اور واضح الفاظ میں شیخ اکرام کی غلط فہمی کی نشاندہی کی، چنانچہ لکھتے ہیں:-

* اب شیخ محمد اکرام (ایم۔ اے، سابق آئی سی ایس، حال سی ایس پی) کو کوئی کیونکر سمجھا سکتا ہے کہ ادب و حکمت کی جن بندیوں پر مولانا فضل حق خیر آبادی پہنچے، غالب ان کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے، ان کی حیثیت مولانا کے سامنے فضل و محبت سے زیادہ نہیں ہے۔

چرچہ بہت خاک را با عالم پاک

”بجز شخص نمود اور ثبوت میں بھی امتیاز نہ کر سکے اسے خاتم الملک مولانا فضل حق مرحوم

لے: ڈاکٹر سید پرویز، غالب نام آدم، ص ۱۹۳، جواہر ماہنامہ اردو سے نقلی، جی ٹیو، ۲۷ دسمبر ۱۹۷۰ء۔
علامہ محمد اکرام، بی بی سی، یکم فروری، ص ۵۲۔

پرفضیت دینا شیخ صاحب ہی کا حوصلہ ہے۔ اگر اکرام صاحب مولانا کا حاشیہ برقی قاضی کے
 پڑھو دیکھتے تو اس جسارت کا ارتکاب ہرگز نہ کرتے۔ سچ تو یہ ہے کہ :
 ”جب تک فضل حق شامل نہ ہو انسان مولانا فضل حق کے
 مرتبہ سے آگاہ نہیں ہو سکتا۔“ لے

مرزا حیرت کی غلط بیانی

حاشیہ قاضی کی بات انگنی تو بقول نامہ سیٹا پوری مشہور منکر حقائق ”مرزا حیرت دہلوی
 کا چھوڑا ہوا ایک شگوفہ بھی نہ مٹتا ہو، دیکھتے ہیں :

”مولوی امیر احمد صاحب مرحوم نے مولوی فضل حق صاحب کی تصانیف (حواشی ضما
 وغیرہ پر تیرہ سو اعتراض کئے ہیں اور اس رسالہ کا نام تیرہ صدی رکھا ہے، مولوی
 تسلی صاحب نعمانی نے ان کثیر التعداد اعتراضوں کا جواب دینا چاہا تھا مگر بن نہ پڑا،
 یہ درست ہے کہ بعض علماء نے حاشیہ قاضی کچھ اعتراض کئے تھے لیکن علامہ نے ان
 اعتراضات کو درخور اعتنا نہیں سمجھا۔ مولوی محمد قاسم نانوتوی (مصنف تہذیب اناس) لکھتے ہیں :-
 ”مولانا فضل حق صاحب مرحوم و مغفور کے حاشیہ قاضی پر بعض فضلاء وقت نے
 کچھ اعتراض کیے تھے، مولانا نے دیکھا اور لوگ امیدوار تحریر جواب تھے پر آپ
 نے کچھ نہ لکھا اور یہ فرمایا کہ اس کے جواب بھی قاضی کے حاشیہ ہی میں
 ہیں۔“ تے

لیکن تیرہ صدی والا مفروضہ محض مرزا حیرت کی اعتراض ہے۔
 اس مسئلے میں پروفیسر محمد ایوب قادری کا ایک مکتوب پوری طرح حقیقت حال کو بے نقاب
 کرتا ہے، وہ لکھتے ہیں :

”میں نے کتاب حیات طیبہ (سوانح شاہ اسماعیل شہید) دیکھی اور

ملاحظہ فرمائی، پروفیسر، مقدمہ رشید دلیوان غائب، ص ۱۶۱، ۱۶۲ -

مرزا حیرت دہلوی : حاشیہ حیات طیبہ مطبوعہ لاہور ص ۱۰۰ -

محمد قاسم نانوتوی : مناظرہ طیبہ مطبوعہ دہلی پریس سادہ ص ۷۷ -

مرزا حیرت کا وہ حوالہ اور نوٹ دیکھا، اس سلسلہ میں عرض ہے کہ میری نظر سے دو تیرہ صدی رسالہ گزرا اور نہ ہی اس حوالہ کے سوا میں نے اس رسالہ کا کہیں دوسری جگہ ذکر یا حوالہ دیکھا بلکہ مرزا نے اس کے مرتب سید احمد راجپوری اور مولف امیر احمد (عاشق) قتلار دئے ہیں۔ میں ان دونوں شخصیتوں سے بھی ناواقف ہوں اور نہ ہی یہ حوالہ کہیں نظر سے گزرا کہ علامہ شبلی مرحوم نے اس رسالہ کی جواب دہی کی کوشش کی۔

تذکرہ کالان راجپور میرے سامنے ہے اس میں سید احمد یا امیر احمد کوئی ایسے صاحب نہیں ہیں جو تیرہ صدی رسالہ کے مرتب یا مولف ہوں، حیات شبلی کو بھی دیکھا، وہاں بھی علامہ شبلی کے حال میں کوئی ایسا ذکر نہیں ہے کہ انہوں نے تیرہ صدی رسالہ کے جواب کھنے کی کوشش کی۔

میری رائے ہے کہ مرزا حیرت کی یہ سب ذہنی اختراعات ہیں، مرزا حیرت نے حیات طیبہ میں چند اور کتابوں مثلاً سیرِ دہلی، تذکرہ مشہیر دہلی اور تواریخِ علامہ دہلی کے بھی حوالے دئے ہیں، میرے خیال سے ان کتابوں کا بھی خارج میں کوئی وجود نہیں ہے۔

ویسے بھی مرزا کی یہ کتاب تاریخی مافذ کے اعتبار سے بہت کمزور ہے اسی طرح امیرالروایات بھی میرے خیال سے غیر مستند مافذ ہے۔ اس میں بھی اکثر ناقابل اعتبار روایتیں جمع کر دی گئی ہیں ۛ ۛ

تلا پڑھ

علامہ محمد فضل حق خیر آبادی عظیمی کے بعد پندرہ ملازمت ابتداء دہلی میں

- ۸۔ مولانا واجد بخش پنجابی (تذکرہ ملائے مال از محمد ادریس بخاری ص ۸۵)
- ۹۔ مولانا ستید یاد علی سہروردی (ایضاً ص ۹۹)
- ۱۰۔ نواب یوسف علی خان رامپوری (ہاشمی ہندوستان ص ۴۲)
- ۱۱۔ نواب کلب علی خان رامپوری (" " ص ۴۵)
- ۱۲۔ مولانا محمد احسن گیلانی، جہاں محمد مولانا منظر احسن گیلانی، متوفی ۱۳۰۱ھ/۱۸۸۳ء
(نذر بہ الخواطر جلد ہفتم، از حکیم عبدالحی لکھنوی ص ۴۰۸)
- ۱۳۔ مولانا نور احمد دہلوی متوفی ۱۳۰۱ھ/۱۸۸۴ء (تذکرہ ملائے مال سنت، از شہ
محمد احمد قادری ص ۵۱)
- ۱۴۔ مولانا نور الحسن کاندھلوی متوفی ۱۲۸۵ھ/۹-۱۸۶۸ء (حاشیہ تذکرہ ملائے ہند،
اردو، ص ۲۶۸)

تحریر یک زادی ۱۸۵۷ء کے عوامل

علامہ محمد فضل حق خیر آبادی صاحب العقیدہ مسلمان اور بیدار دل و دماغ کے مالک تھے انہوں نے قیام و بقی کے دوران اور اس کے بعد، گہری نظر سے ماحول کا جائزہ لیا اور اس نتیجے پر پہنچے کہ سفید چمڑی والے سیاہ بطن انگریز مسلمانوں کو معاشی طور پر مفلوج کر کے ان کی دینی حقیقت و غیرت ختم کر دینا چاہتے ہیں۔ ذیل میں علامہ کے ایک ہاتھ لکھی مکتوب کا ترجمہ پیش کیا جاتا ہے جس میں انگریزی حکومت کے اوجھے جھکٹوں کو کسی قدر تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ یہ مکتوب غالباً خانہ ان منلیہ کے آخری تاجدار بہادر شاہ در شاہ عفر کے نام ہے، اس سے اندازہ ہوسکے گا کہ اس وقت کا ایک عالم دین حالات حاضرہ سے کس قدر ناخبر اور اقتصادیات پر کتنی گہری نظر رکھتا تھا، علامہ فرماتے ہیں:

اس ملک کے باشندے خواہ وہ ہندو ہوں یا مسلمان، ان میں کچھ کسان اور کاشت کار ہیں، کچھ روزگار پیشہ، کچھ تاجر اور اہل حرفہ، کچھ لوگ لانڈلر اور روزنیہ دار ہیں، کچھ کی معاشی شخص در پوزہ گری پر ہے۔

میاں کے باشندے مسلمان بیشتر اور ہندو کمتر ایسے ہیں جو اپنا اصلی وطن ترک

کر کے کسی زمانے میں یہاں آکر آباد ہوئے جب تک ہندوستان کی حکومت ہارٹ ہوں اور راجاؤں کے تصرف میں رہی اس ملک کے باشندوں کو معیشت کی کوئی تنگی نہ تھی کیونکہ ہر قسم کی سرکاری خدمات خواہ وہ سپاہ..... کی نوکری ہو یا دوسری خدمات اس ملک کے باشندوں کے واسطے نقص تھیں اور یہاں کے باشندوں میں ہر شخص اپنے حوصلے اور ریاست کے موافق تجارت، حرفہ، سپاہ یا مناصب میں اپنا روزگار پالیتا تھا۔

مگر جب سے انگریزوں کی عہداری ہوئی ہے اس وقت سے بدلتی معاش کی تنگی اور روزگار کا فقدان اس حد تک بڑھ گیا ہے کہ عوام کی حالت تباہ ہو گئی ہے کیونکہ انگریز سرکار کے زمانے میں معاش کے سارے وسائل مفقود ہیں اور روزگار کے دروازے بند ہو گئے ہیں سوائے معدود چند لوگوں کے جنہیں عدالت، دیوانی، کلکٹری، فوجداری پرمٹ، تھانہ تحصیل کے عملے میں معمولی سی تنخواہ کی نوکری مل جاتی ہے، وہ بھی اب دفاتر کے تبدیل ہونے اور سرکاری کام کا ڈھانچہ بدل جانے کے بعد ایسا نظر آ رہا ہے کہ ان لوگوں سے چھین جائے گی۔

چنانچہ اس شر کے باشندوں کا حال اور یہاں کے تاجروں کی کیفیت یہ ہے کہ سرکار انگریز نے تجارت کے سارے گڑ اپنے قبضے میں رکھے ہیں اور تمام اجناس مثلاً کپڑا، سوت، برتن، گھوڑے اور دوسرے مویشی وغیرہ ملک آنگلستان سے لاتے ہیں اور اس ملک کے ہر ہر شہر اور گاؤں میں فروخت کر کے خود نفع کھاتے ہیں اور یہاں کے باشندوں کو نفع اندوزی کا کوئی موقع نہیں دیتے، اس لئے یہاں ملک کے تاجر اپنے پیشوں سے دستبردار ہو گئے ہیں۔

اور صاف داروں کا حال یہ ہے کہ سندھ اور سندھ کے قوانین

کی دوسے اگرچہ انگریز سرکار نے عہد و پیمان کئے تھے کہ ساری
لاخاجی زمینیں جو یکم جنوری ۱۸۰۱ء اور یکم جنوری ۱۸۰۳ء سے پہلے
لاخاجی دار کے تصرف میں ہوگی، چاہے وہ ان کی سند رکھتا ہو یا نہ رکھتا
ہو، اور خواہ ان کے واجب کو عطا کا اختیار ہو یا نہ ہو، ایسی زمینوں
کو ضبط نہ کیا جائے گا مگر اب بغیر کسی تحقیقات کے ہر ضلع میں معافیاں
ضبط کر لی گئی ہیں اور معافی داروں کے لئے کوئی وجہ معاش باقی نہیں
چھوڑی۔

اور کسانوں کا یہ حال ہے کہ ان پر اتنے محامل واجب کر دئے
گئے ہیں کہ ان میں ادا کرنے کی سکت نہیں ہے، ان کی بے استطاعتی اور
بے مقدری خود دفتر کلکٹر کے ریکارڈ سے ظاہر ہو جاتی ہے۔ پس جب کسی
کے لئے اس ملک میں روزگار باقی نہ رہا تو اب اہل حرفہ کس کے لئے کام
کریں جو ان کا پیٹے بھرے، اور جب سارے ہی لوگ تنگی معاش میں
جبت ہوں تو بیک مینگے کو کون خیرات دے، یہ فقر سی کیفیت
رمایائے ہندوستان کی معاشی تنگی کی ہے۔

اور ملاوٹ بھان آباد کی رمایا کا اقتصاد ہی حال بطور اجمال یہ ہے
کہ ابتدائے عمل سرکار انگریزی میں جو ڈل، دیول، بتین، و نچت گروہ و ساکھ
و فیروز آباد و ڈیگ و بھوناہا و سانگھس و بھنر و سونی پت و گوہاڑو
جرستھ و کھرکھوہ و روہنگ و مہم و ہانسی و حصار، یہ سارے پر گئے جاگیر
میں تھے اور جاگیرداروں کی سرکار میں ہزار ہا آدمی فوج، انتظامیہ اور شاگرد پیشہ
کی خدمات پر مامور تھے، ان میں اکثر دیات معافی کے تھے، اب یہ سب پر گئے
اور دیات و ارضیات سرکار انگریز نے ضبط کر لی ہیں اور لاکھوں کسان
یک فٹ ہے روزگار ہو گئے اور تمام میں روزگار معاف کی طرح ناپید ہو گیا،

سیکڑوں بیوائیں اور محتاج اپنی روزی کا دار و مدار چرخہ کاتنے، رسیاں
بٹنے یا چٹکی پیسنے پر موقوف کئے ہوئے تھے۔ اب رسیاں کی تجارت سرکار
نے اپنے ہاتھ میں لے لی ہے اور ہاتھ کی چٹکیوں کی جگہ پن پکتیاں لگ گئی
ہیں، تو یہ ذریعہ معاش بھی جاتا رہا۔ اسی طرح اہل حرفہ اور ماہر کار عوام کی
بلقانہی کے باعث نفع اندوزی سے محروم ہو گئے اور جو کچھ سرمایہ ان کے
پاس تھا کھاپی کر باہر کر دیا اور اپنے دیرائے نکال دیئے۔

ان ساری دشواریوں کے باوجود سرچارلس شکٹ بسا در کی پیشی
سے علم ہوا کہ ہم غریب ”زرچکیداری“ ادا کریں اگرچہ کہیں سلاطین کے
زمانے میں یہ رسم نہیں ہوئی مگر ”حکم حاکم مرگ مغایات“ سمجھ کر اسے بھی
قبول کیا اور اب تک ادا کرتے رہے۔ اب ڈسٹرک بمسٹرٹ کا نیا حکم آیا ہے
جس میں انہوں نے ہر گلی کوچہ میں پھاٹک تعمیر کرنے کا حکم دیا ہے جس کا فائدہ
وہ پہلے کچھ تھا نہ آئندہ ہو سکتا ہے۔ ہم غریبوں نے فائدہ کشی کی مصیبت جھیل کر
سامان گروئی رکھ کر یا بچ کھڑک کر ہزار ہا روپیہ خرچ کیا اور اس حکم کی تعمیل
بھی کر دی اب ان کو تعمیر پھاٹکوں کے کھنڈے اور بند ہونے کے اوقات یا
چوکیدار کے تساہل سے ہم لوگوں کو آٹے دن تکلیف کا سامنا ہے مگر اسے بھی
جھیل لیا۔ اس خبر کے علاوہ اب صاحب بمسٹرٹ بسا در نے ہر محلہ میں پانچ
پانچ بچوں کے مقرر کرنے کا حکم دیا ہے۔“

اس طویل مگر مکمل مکتوب سے پتہ چلتا ہے کہ انگریزی حکومت نے اہل ہند
کو بے بس اور لاچار بنانے کے لئے کیا کیا حربے اختیار کئے اور مجبور انسانوں کو کس طرح
بے دست و پا بنایا۔ علامہ کے نزدیک تحریک آزادی ۱۸۵۷ء کے یہی عوامل تھے جن کی بنیاد پر

محمد بن کفن بر دوش میدانِ عمل میں نکل آئے تھے۔ علامہ نے اپنی داستانِ میری میں بڑے اختصار اور جامعیت سے ان عوامل کی نشاندہی کی ہے، فرماتے ہیں:-

۱۔ انگریزوں نے بچوں کو اپنا دین اور اپنی زبان سکھانے کے لئے جگہ جگہ اسکول کھولے اور دینی مدارس کو ختم کرنے کے لئے پوری کوشش کی،

۲۔ ملک کی تمام پیداوار خرید کر نفع کی قیمت اور سپلائی پر اجارہ داری قائم کر لی اس سے ان کا مقصد یہ تھا کہ مسلمان فدا ہماری دست نگر ہو جائے اور بے چون و چرا ہمارے احکام کی تعمیل کرے۔

۳۔ مسلمانوں کو فتنہ کرانے سے روکنے اور پردہ نشین خواتین کا پردہ ختم کرنے کی کوشش کی۔

۴۔ مسلمانوں کو سڑکی سپردی والے اور ہندوؤں کو گائے کی چربی والے کارتوس دے گئے جو مسلمانوں کے کاٹنے پڑتے تھے۔ ان کی نظر میں اپنی حکومت کو مستحکم بنانے کا یہی طریقہ تھا کہ مذہبی اختلافات ختم کر کے تمام رعایا کو قسب کفر والحاد پر متفق کر دیا جائے۔ لہ

علامہ فضل حق کا تحریر کیا آزاد ی میں حصہ

اس تجزیے کے پیش نظر کون سا ایسا مسلمان ہوگا جو انگریزوں سے متنفر اور بیزار نہیں ہوگا، یہی وجہ تھی کہ علامہ کے دل کے کسی گوشے میں انگریزوں سے محبت اور ہمدردی کے لئے کوئی جگہ نہ تھی بلکہ علامہ "قصاصۃ فتنۃ الہند" میں تو یہاں لکھ فرماتے ہیں:-

"نصرتِ آئی سے ثابت ہے کہ ان کی محبت کفر ہے، کسی حق پرست

انسان کو اس میں شبہ نہیں ہو سکتا، نصارے سے محبت کس طرح جائز ہو سکتی
ہے جب کہ یہ لوگ اہلسن ذات اقدس (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے
دشمن ہیں جن کے طفیل ارض و سما پیدا کئے گئے؟ ۱

جنگ آزادی کی ابتدا مئی ۱۸۵۷ء میں ہوئی اس وقت علامہ فضل حق خاں دہلی
اور میں مقیم تھے، انہیں خاص طور پر دہلی سے بلایا گیا۔ علامہ کے اپنے الفاظ یہ ہیں:-

واذھان فی دھلی حشر من حیالی
واھلی و مع ذلک کنت مدعو اوکان
الفلاح و الافلاح من جودا و الفرج و الفرح
مظنونا ۲

”چونکہ دہلی میں میرے بہت سارے اہل و عیال تھے اس کے باوجود

مجھے بلایا بھی گیا تھا لہذا کیا بی و کامرانی کی قوی امید تھی؟“

یہ امر تو باغی ہندوستان کے مطالعہ سے واضح ہو جائے گا کہ بہادر شاہ غفر
کے عہد کے ساتھ گورنر مرہٹہ تھے اس لئے قرین بنیاس یہی ہے کہ صلاح مشورہ کئے
انہوں نے ہی علامہ کو بلایا ہوگا۔

اُس دور کے روزناموں سے پتہ چلتا ہے کہ علامہ شریک دربار ہوتے رہے
اور اپنے مشوروں سے راہنمائی کرتے رہے۔ اس زمانے کی پوری تفصیل دروز ناموں
سے ملتی ہے اور مذہبی علامہ نے اسے تسلیم کیا، صرف اشارات ملتے ہیں مثلاً ایک جگہ
علامہ فرماتے ہیں:-

واشریت الی الناس بما اقتضیٰ رافی و قضیٰ بہ

۱۔ حضرت علی بن خیربادی، علامہ، قصائد مکتبہ الہند میں ۲۴۸۔

۲۔ ایضاً، النورۃ الہندیہ، ص ۷۸۔

عقلی فلو یا شمر و اسما اشرت۔

اپنی عقل اور فہم کے مطابق لوگوں کو اپنی رائے اور مشورہ سے آگاہ کیا لیکن انہوں نے میرا مشورہ قبول کیا اور نہ میری بات مانی۔

ظاہر ہے کہ علامہ ایسا مفکر صحیح راستے اور فکر صائب ہی سے راہنمائی کر سکتا تھا اور یہ بھی مسلم ہے کہ میدان جنگ میں لڑنے والی فوج وہ کام نہیں کر سکتی جو ایک دانشور کی راہنمائی کر سکتی ہے۔
دوسری جگہ فرماتے ہیں :-

”میں بیٹھے والوں کو لڑائی میں برابر آگے جھعات رہا اور لڑائی شروع ہو جانے پر خود بٹھارہا۔۔۔۔۔ میں اپنی مستی کی وجہ سے ایسے موقع پر باز رہا، یہ میں نے بڑا جرم کیا جب نیک بہت حضرات نے مجھے شہادت کے لئے پکارا تو میں حاضر نہ ہوا یا میں شہادت سے محروم رہا جبکہ معذرت مندوں نے جام شہادت نوش کیا۔“

اس آفتاب سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ علامہ کو صرف اس بات کا فہم تھا کہ وہ عمل جہاد میں حصہ لیکر جام شہادت نوش نہ کر سکے ورنہ وہ ترغیب جہاد اور فکری راہنمائی میں کسی سے پیچھے نہ تھے۔ امیری اور ملا وطنی کی موت نے شوق شہادت بھی پورا کر دیا، یہ بات بھی قابل غور ہے کہ علامہ دہلی سے اپنے اہل و عیال کو لے کر چلتے نہیں بنے بلکہ انگریزوں کے تسلط کے بعد بھی پانچ دن تک وہیں بٹھرے رہے۔ اگر علامہ کو تحریک

ملہ ایفٹ ۱ ص ۳۷۸

ملہ محمد فضل حق خیر آبادی، علامہ ۱، قصائد فقہ السنہ، ص ۳۵۶

آزادی سے کوئی تعلق نہ ہوتا تو اتنی دیر وہاں ٹھہرنے کی کوئی وجہ نہ تھی ورنہ فوراً کسی اور جگہ چلے جانا چاہئے تھا۔

سورہ اتفاق کہ منظم تیاری نہ ہونے اور اپنوں کی غمخیزی اور غفلت کی وجہ سے انگریز دہلی پر مستط ہو گئے اور جی بھر کر خونریزی کی، اس دوران علامہ پانچ دن بھر کے پیاسے دہلی میں رہے، پھر اہل و عیال سمیت پچھتے چھپاتے خیر آباد پہنچ گئے، سقوطِ محفل کے باوجود اودھ کی ملکہ حضرت محل نے کمال جرأت و ہمت کا مظاہرہ کیا، بھاگ کر آنے والے فوجیوں کو پست و دی اور شامی علاقے میں اپنے ساتھیوں کے ہمراہ قیام پذیر ہو گئیں، افواج کو علاقے کا انتظام کرنے اور دریا کے گھاٹوں پر حفاظت کے لئے مصیبت کر دیا اور انہیں حکم دیا کہ اگر دشمن اس طرف رخ کرے تو اس کا ڈٹ کر مقابلہ کیا جائے۔ علامہ اس جگہ بھی مشیرِ خاص کے طور پر شریک ہوئے۔

علامہ پر قائم کردہ مقدمہ کی رپورٹ میں لکھا ہے،

”یہ بات ان ایام میں عام طور پر مشہور تھی کہ چند آدمی بیگم (حضرت محل) کے مشیرانِ خاص ہیں، بانی فوج میں ان کی ”اربد شورے“ کے نام سے شہرت تھی بلکہ کسی بھی انہیں ”پکھری پارمینٹ“ کے نام سے بھی پکارا جاتا تھا اس شورے میں لازم (علامہ فضل حق) بہت مستند تھا۔“

فیصلے میں یہ بھی لکھا ہے :-

”وہ خطرناک ترین آدمی ہے جو کسی وقت بھی بے حد

نقصان پہنچا سکتا ہے، اس لئے انصاف اور امنِ عامہ کا
 تقاضا ہے کہ اسے ملک بدر کر دیا جائے۔^۱ لے
 علامہ پر الزام قائم کیا گیا کہ انہوں نے بیگم حضرت محسن کے مشیر ہونے کی
 حیثیت سے بوندی میں دو ایسے شخصوں کے قتل کا فتوے دیا تھا جو انگریز کے
 وفادار تھے، چنانچہ ان میں سے ایک شخص عبدالکیم نے بیان دیتے ہوئے

کہا کہ

”مجھے مٹو خاں اور مولوی فضل حق کے سامنے پیش کیا
 گیا، مٹو خاں نے مولانا فضل حق سے دریافت کیا
 کہ میرے ساتھ کیا سلوک کیا جائے؟ مولانا نے
 فتوے دیا کہ یہ شخص فرنگیوں کا ملازم ہے اس نے
 سزائے موت کا مستحق ہے۔“^۲

خود مقدمہ نے صیح صورتِ حال کا انکشاف ان الفاظ میں کیا ہے۔^۳
 ”میری چلی ایسے دو مرتبہ، جھکڑا، تہ خواہ افراد عبدالکیم
 اور مرتضیٰ حسین (لے کھائی جو مجھ سے قرآن کی حکم آیت
 میں مضامین دہ کرتے تھے جن کو کہہ کر نصیحت کا دست بھی نہڑتی ہے
 وہ دونوں نصیحت کی ثروت و جنت پر جتر تھے انہوں نے مرتبہ کہہ کر ایمان

سے بدل لیا تھا؟“

علامہ فضل حق خیر آبادی نے اپنی تحریرات میں اپنے مجاہدانہ کارناموں کو اجاگر

۱۔ ایضاً ص ۱۶۔

۲۔ ایضاً ص ۲۰۔

۳۔ محمد فضل حق خیر آبادی، علامہ، الشوریۃ المدنیہ، ص ۴۱۷۔

کرنے کی کوشش نہیں کی، یہ انگ بات ہے کہ رضا ایش رٹہ کوئی بات آگئی ہو،
 بوندی میں بیگم حضرت محل کے شیر جوئے کی حیثیت سے اپنی کاروائی کا ایش رٹہ بھی
 ذکر نہیں کیا جب کہ قیام دہلی کے بارے میں کئی باتیں کہ گئے ہیں۔ اس سے
 معلوم ہوتا ہے کہ ان کی سرگرمیاں بوندی کی نسبت دہلی میں زیادہ تھیں۔
 مسٹر جارج کیمل جو ڈیشنل کمشنر اودھ اور میجر بارو قائم مقام
 کمشنر خیر آباد نے ۴ مارچ ۱۸۵۹ء کو فیصلہ صادر کرتے ہوئے لکھا:-

”بغوات شروع ہونے کے وقت وہ آلہ میں ملازم
 تھا، یہاں سے دیرہ دانستہ دہلی آیا اور اس کے
 بعد وہ باغیوں اور بغاوت کے قدیم بہ قدم چلتا رہا
 ایسے شخص کو سخت ترین سزا دینا چاہئے اور اسے
 خاص طور پر ہندوستان سے خارج کر دینا چاہئے۔“
 اپنیوں اور کوششوں کے باوجود جلا وطنی کا فیصلہ سہاں رہا اور عسکر
 کو کلکتہ سے فارگوین نامی جہاز میں سوار کر کے انڈیمان بھیج دیا گیا
 یہ جہاز ۸ اکتوبر ۱۸۵۹ء کو پورٹ بلیر پہنچا۔

فتوحات

علامہ فضل حق خیر آبادی جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کے نامور مجاہد تھے۔
 یہ وہ تاریخی حقیقت ہے جسے رد نہیں کیا جاسکتا، ایک عرصہ تک

۱۔ ماہنامہ تحریک دہلی : ص ۱۷۔

۲۔ ایضاً : ص ۲۰۔

ان کے فتوئے جہاد میں شریک ہونے کو بغیر کسی اختلاف کے تسلیم کیا جاتا رہا ہے قریباً
 جس سے بھی علامہ کا ذکر کیا ہے اس فتوے کا ضرور ذکر کیا ہے۔ مثلاً عبدالرشید شاہ شروانی
 نے "باغی ہندوستان" ص ۱۵۶، مولوی حسین احمد مدنی نے "نقش حیات" جلد دوم
 ص ۴۶، مفتی نظام اللہ شہابی نے "الیت انڈیا کمپنی اور باغی علامہ" ص ۳۷، غلام رسول مہر
 نے "امشادہ سوستانوں کے مجاہد" ص ۲۰۶، پروفیسر محمد ایوب قادیانی نے
 "مولانا فیض احمد بدایونی" ص ۲۲۰، ڈاکٹر سید عبداللہ نے اپنے ایک مضمون
 "مولانا فضل حق خیر آبادی — سراپا فضل، سراپا حق، سراپا خیر" (مہنت روزہ زندگی
 (اذان حق) شمارہ ۱۳ نومبر ۱۹۷۷ء) میں، مولانا عبد السلام ندوی نے "ملکائے اسلام"
 جلد دوم ص ۳۳۲ میں اور مولانا ریاست علی نے "ماہنامہ معارف اہل علم گدھ" (اکتوبر ۱۹۷۲ء)
 ص ۳۱۲ میں وغیرہ وغیرہ،

لیکن ہندی قریب میں جنس وگوں نے علامہ کے فتوئے جہاد کا انکار
 کیا ہے اور کہا ہے کہ علامہ کا دہلی آگاہ ۱۷ اگست ۱۹۵۷ء سے پہلے ثابت
 نہیں جب کہ فتوئے جہاد جولائی ۱۹۵۷ء کی ابتدا یا وسط میں جاری کیا
 گیا تھا۔ نیز صادق الاخبار، دہلی مورخہ ۲۶ جولائی ۱۹۵۷ء میں بحوالہ
 اخبار انصاف دہلی جو فتویٰ شائع ہوا تھا اس میں علامہ کے دستخط نہیں ہیں۔
 حالانکہ اس دور کے تاریخی روزناموں سے ۱۷ اگست ۱۹۵۷ء کو علامہ کی
 بسا و شاہ ظفر کے دربار میں موجودگی کا ثبوت ملتا ہے۔ اس سے یہ یقین کیے
 پیدا ہو گیا کہ علامہ اس سے پہلے دہلی میں نہیں تھے۔ پھر اپنے دعوے کو ثابت
 کرنے کیلئے مخالفین کو یہ بھی ثابت کرنا پڑے گا کہ دہلی سے صرف ایک ہی فتویٰ
 جاری ہوا تھا جس کی نقل صادق الاخبار میں چھپی تھی۔

علامہ کے مخالفین کا تعصب

علامہ فضل حق خیر آبادی کے ساتھ یہ ٹریجڈی ہوئی کہ اول تو ان کی حیات پر بہت کم کام کیا گیا، اور جو کچھ کیا گیا وہ بلا تحقیق سنی سنا کی باتوں پر مشتمل تھا۔ بہت سی غلط روایات ان سے منسوب کر دی گئیں جیسا کہ ”ہاشمی ہندوستان“ کے جستہ جستہ حواشی سے معلوم ہوگا،

دوسری طرف بعض مؤرخین نے مذہبی مخالفت کی بنا پر ان پر ایک جملے کئے اور ان کے ہندو دار کو جس طرح کرسنہ میں کوئی کرسنہ اٹھا رکھی، جناب غلام سیتا پوری نے بجا کہلے :

”مولانا فضل حق خیر آبادی گذشتہ القابلی صدی کا وہ بد نصیب کردار ہے جسے دشمنوں سے زیادہ دوستوں نے نقصان پہنچایا، انگریز اور ان کے جوا خواہ تو مولانا سے اس لئے ناراض تھے کہ انھیں ہندوستان کے سلسلہ میں کسی نہ کسی منہج سے ان کا نام آگیا تھا لیکن پھر مولانا کا ایک پروپیگنڈہ سٹ گر وپ ”مولانا سے اس لئے بیزار تھا کہ وہ ان کے مذہبی نظریات کے خلاف عالمانہ مباحثہ کر چکے تھے، یہ بادلت رطلی مباحثے کوئی ذاتی اور عامیانه جنگ نہیں تھی جس کا سہارا لے کر مولانا خیر آبادی کے خلاف ایک مستقل محاذ قائم کر دیا جاتا لیکن ہوا کچھ ایسا ہی :

مولانا کے اکثر سیرت نگاروں نے نادانستہ نہیں دانستہ مولانا کی مدح اس انداز سے کی کہ خود ”مدح“ اور

”ہجو بلوغ“ سرگزیاں ہو گئے چیت نچ اس کا قیہ یہ فلکاک
 آج جب رسیڑج اور تحقیق کی نگاہیں تارینخ کے ان اوراق
 تک پہنچیں تو دنیا ہی بدلی ہوئی نظر آئی۔ ۱۷

مولانا امتیاز علی عرشی رامپوری کا ایک مقالہ ”مولانا فضل حق خیر آبادی
 اور ۱۸۵۷ء کا فتوائے جہاد“ ماہنامہ تحریکِ دہلی میں اگست ۱۹۵۷ء میں
 شائع ہوا جس میں انہوں نے علامہ کے فتوائے جہاد جاری کرنے، رنج کے سامنے
 اقرا و جبرم کرنے اور رنج کے بادلِ ہوائیہ میں دوام کا فیصلہ کرنے کا تنقیدی
 جائزہ لیا، اس ضمن میں انہوں نے نواب یوسف علی خاں دانی رامپور کے نام علامہ
 کا ایک مکتوب نقل کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا پر تین الزامات اٹم
 کئے گئے تھے :

- ۱۔ نواب خاں بہادر خاں غیرۃً حافظِ رحمت خاں بہادر نے جب
 انگریزوں کے خلاف بریلی میں بغاوت کی تو مولانا نے ان کا ساتھ دیا
 اور ان کی طرف سے نفیست پہلی پھیت کا کام انجام دیا۔
- ۲۔ جب انگریزوں نے بریلی فتح کر لی تو مولانا یہاں سے بھاگ کر
 اودھ پہنچے اور خاں علی خاں کی طرف سے ریاستِ مسمدی کے چکھو دار
 (منظلم) مقرر ہوئے۔

۳۔ مولانا نے اس کے بعد ایک باغی لشکر کی کمان اپنے ہاتھ میں لی۔ ۱۸
 اس مکتوب کو تسلیم کر لیا جائے تو ماننا پڑے گا کہ علامہ کا تحریکِ
 آزادی سے کوئی تعلق نہ تھا بلکہ ایک دوسرے شخص فضل حق ث جہانپوری کے

۱۷۔ نامہ سیتا پوری ، غالب نام آدم، ص ۱۹۹، ۱۹۷۱ء، ص ۱۰۔

۱۸۔ امتیاز علی عرشی رامپوری ، ماہنامہ تحریکِ دہلی، اگست ۱۹۵۷ء

شعبے میں انہیں اسیری اور جلا وطنی کے مصائب برداشت کرنے پڑے جیسا کہ مولانا عرشی نے یہی تاثر دینے کی کوشش کی ہے، اس سلسلے میں چند امور قابل توجہ ہیں۔

۱۔ علامہ فضل حق خیر آبادی کا جنگ آزادی میں حصہ لینا مسلمات سے ہے لہذا اسے جھٹلانے کے لئے اس مکتوب کا عکس شائع کرنا ضروری تھا۔

۲۔ جناب مالک رام نے علامہ کے مقدمے کی کاروائی مابین تحریک دہلی کے شمارہ جون ۱۹۶۰ء میں شائع کردی ہے اس کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ علامہ پر مذکورہ بالا الزامات میں سے کوئی الزام بھی قائم نہیں کیا گیا بلکہ جزیروں کے بیانات سے ثابت ہونے والے الزامات کی بناء پر ان کی جلا وطنی کا حکم صادر کیا گیا جن کا تعلق بولڈی (ادوہ) کے ساتھ تھا، بریلی یا محمدی کے واقعات سے نہ تھا، الثورة الهندیہ سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے جیسا کہ عنقریب آئے گا۔

۳۔ مولانا عرشی نے علامہ کے شریک فتوے نہ ہونے کے ضمن میں کہا ہے۔

”مولانا نے عمار زہاد اور احمد اجتہاد کے فتوے دینے

کا تو ذکر کیا ہے مگر اپنا حوالہ بالکل نہیں دیا، اس

سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اگر وہ شریک فتوے بھی ہوتے

تو ہبیا کو آگے چل کر (ص ۳۷ پر) درباب حکومت

کو اپنے مشورے دینے کا تذکرہ فرماتے ہیں یہاں بھی

فتوے کی طرف کچھ نہ کچھ اشارہ ضرور کرتے۔“

یہ حرج یہاں بھی کہا جاسکتا ہے کہ اگر علامہ تحریک آزادی سے

علیحدہ ہوتے اور ان کے خلاف تمام کاروائی صلیب اشتباہ کی وجہ سے جوئی ہوتی تو علامہ اپنی نجی خودنوشت السورة النسيئة میں ضرور اپنی ”بے گنہی“ کا تذکرہ کرتے حالانکہ انہوں نے ایسا نہیں کیا بلکہ انہوں نے قید و بند کی دو وجہیں بیان کی ہیں :-

(۱) ”انگریزوں کو اس بات کا علم تھا کہ میں ایمان و اسلام میں راسخ العقیدہ ہوں اور مذہم وقت ہونے کی حیثیت سے شہرت رکھتا ہوں، مجھے سزا دینے کا مقصد یہ تھا کہ علم دین کے آثار کو صفات کتب سے بھی مٹا دیا جائے۔“

(۲) حاکم نعرانی کے سامنے دو مرتبہ، سخت دل دشمنوں (عبدالکیم اور مرتضیٰ حسین) نے چٹائی کھائی، وہ دونوں میر سے ساتھ قرآن پاک کی اس آیت مبارکہ کے بارے میں جھگڑا کرتے تھے جس کا حکم یہ ہے کہ نصار نے کا دوست بھی نعرانی ہے اور ان دونوں کو نصار نے کی دوستی پر اصرار تھا چنانچہ انہوں نے ایمان کے بدلے گنہگار بنا لیا۔“

۳۔ علامہ کا اشتباہ کی بنا پر اسیر ہونا اس اعتبار سے بھی محلِ نظر ہے کہ علامہ کوئی معمولی آدمی نہ تھے، دعوتِ دنیویہ میں مست از عددوں پر فائز رہے تھے، مسٹر جانج کیمل اور مسٹر باروس نے اپنے فیصلے میں لکھا :

”ایک زمانے میں وہ خود بھی سرکاری ملازمت ترک کر کے

ادوہ، رام پور، اور وغیرہ متفرد و بی ریاستوں میں معقول

عددوں پر مست از رہا ہے۔ اس کی ہمیشہ بہت شہرت رہی ہے

جن گواہوں نے اسے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا وہ بھی مولوی

فضل حق کا نام اکثر سنتے آتے تھے ۱۷

بلکہ یہ بھی لکھا کہ :

"اُس نے مقدسے کے دوران ایک موقع پر یہ صفائی پیش کی تھی کہ اودھ میں دو مشہور فضل حق ہیں لیکن یہ بات صاف ہوگئی کہ وہ دوسرا شخص افضل حق شاہجہانپوری (ضلع بریلی) کا تحصیلدار رہا ہے اور پچھلے دنوں چکلا دار اور باغیوں کا سرغنہ رہا ہے، لیکن ظم تو کسی صاحبِ سیف رہا ہی نہیں بلکہ اُس کی جیٹھ صاحب رائے و مشورہ کی حیثیت سے شہرت رہی ہے" ۱۸

جناب ڈاکٹر محمد ریاض اپنے ایک مضمون میں مالک رام پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

مولوی فضل حق اتنا مسکین آدمی نہیں تھا کہ اسے کسی دوسرے شخص کے برے میں عمر قید کی سزا دی جاتی اور اس کا کوئی پرہیز حال نہ ہوتا۔ شاید انہیں (مالک رام وغیرہ کو) یہ معلوم نہیں کہ اس کا چھوٹا بھائی سردار فضل الرحمن ریاست پٹیالہ کا وزیر تھا اور نواب والا جاہ بہادر آف کوناٹک اس کا عزیزِ قریب تھا اور نواب سید برکت علی خاں بہادر جو انگریز سرکار میں بڑا مقتدر تھا، اس کا بھانجہ تھا، کیا یہ سب حضرات اسے سنگدل ہو گئے تھے کہ اپنے خاص اشارت و غمان کے ایک بزرگ کو بے گناہ ثابت کرنے کے لئے استعمال نہیں کر سکتے تھے ؟ ۱۹

انگریز حکومت اگر چاہتی تو مقدمہ چلائے بغیر قتل کر کوئی بھی سزا دے سکتی تھی لیکن اس نے

۱۷ ماہنامہ تحریکِ دہلی، شمارہ جون ۱۹۶۰ء، ص ۱۷

۱۸ ایضاً : ص ۱۷

۱۹ محمد ریاض ڈاکٹر : جنگ آزادی ۱۸۵۷ء، لاہور، مئی ۱۹۶۹ء، ص ۵۰۔

ایں نہیں کیا بلکہ تحقیق و تعقیب کے بعد عامہ کردہ الزامات کے ثابت ہو جانے اور اثباتِ صاف ہو جانے پر فیصد صادر کیا، ان امور کی بنا پر مولانا عرشی کے نقل کردہ مکتوب کا اہمیت مشکوک ہو جاتی ہے۔

۵۔ مولانا عرشی راجپوری نے فتوائے جہاد پر رکشہ ڈالتے ہوئے لکھا ہے:-

”اس وقت کے حالات کو بظہرِ غائر دیکھا جائے تو یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ دستخط کرنے والوں میں کچھ اہل علم ایسے بھی تھے جو دول و جان سے انگریزی تسلط کے خلاف تھے اور انگریزوں کے خلاف جنگ کو مذہباً ضروری جانتے تھے اس لئے انہوں نے یہ فتوے مرتب کیا اور اپنے اختیار اور رضا مندی سے دستخط کئے، بقیہ نے مجبوراً توثیق کی، شکست کے بعد جان بچانے کی صورت بھی ایک تدبیر تھی کہ جبر کی پناہ لی جائے، اس بنا پر جس سے باز پرس ہوئی اس نے اپنی مجبوری کا اظہار کیا“

اگر مولانا عرشی کے نقل کردہ مکتوب کو تسلیم ہی کیا جائے تو کیا یہ ممکن نہیں کہ مصلحہ نے بھی جان بچانے کے لئے یہ تدبیر اختیار کی ہو کہ فضل حق دو ہیں، تمہارے پاس کیا ثبوت ہے کہ جسے مجرم گردانا جا رہا ہے وہ میں ہی ہوں؟

حافظ الملک حافظ رحمت خاں شہید کے پورے نواب خان بہادر درخان شہید جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء کے متاز مجاہدین میں شمار ہوتے ہیں، جناب سید مصطفیٰ علی بریلوی اپنی تالیف ”نواب خان بہادر درخان شہید“ (طبع آل پاکستان ایکویشنز کانسٹریٹس کراچی) میں ان کے مجاہدہ کارناموں کا تفصیلی جائزہ پیش کیا ہے اور تفصیلاً بیان کیا ہے کہ نواب خان بہادر درخان نے کس طرح افواج کو منظم کیا اور کس طرح انگریزی افواج کے مقابلہ اور شجاعت دی اور کیونکر گرفتار ہو کر تختہ دار پر چڑھائے گئے،

لیکن چونکہ بہادر شہید پر مقدمہ چلایا گیا تو انہوں نے جنگِ آزادی سے اپنی

برائے کا اظہار کیا، جناب نادیم سینا پوری نے لاہور کے قدیم اخبار کوہ نور کی فائی سے نواب خان بہادر شہید کے مقدمہ کا ایک حصہ نقل کیا ہے، نواب صاحب نے اپنے بیان میں کہا ہے :-

”جب تک فوج ہائی، بریلی میں رہی، کسی نے اطاعت نہیں کی اور میرے پاس فوج نہ تھی کہ ان کو شرارت سے باز رکھتا، میں نے کسی صاحب بہادر کے بارے جانے کا حکم نہیں دیا بلکہ میں نے ملک کو مضبوطی کی پوریشوں سے بچانے کے واسطے کوششیں کیں، میں بیکس تھا اور انتظام شہریروں کا ذکر مکا، امنوں نے میرے حکم کو نہیں مانا بلکہ دسے سب مرضی خود (پر) کار بند رہے۔ مجھ کو معلوم ہے کہ ایک اشتہار بھی در باب قتل صاحبان انگریزی کے جاری ہوا تھا۔ دسے کہتے تھے کہ فرنگی اب نہیں آویں گے، جب میں نے آمد آمد انگریزوں کی سنی تو میں فوراً بریلی سے نکل گیا اور فوج انگریزی سے صحت آرا نہیں ہوا“ ملے

کیا نواب صاحب کے بارے میں بھی یہ کہا جائے گا کہ امنوں نے پہلی جنگ آزادی میں کوئی حصہ نہیں لیا؟ اور اگر یہ کہا جائے کہ نواب خان بہادر شہید نے اپنی جان بچانے کی خاطر یہ بیان دیا تھا تو قلمدار کے بارے میں یہی توجیہ کیوں قابل قبول نہیں ہو سکتی؟

۶۔ مولانا رشید احمد گنگوہی کو بھی تحریک آزادی ۱۸۵۷ء کے مجاہدین میں شمار کیا جاتا ہے، اگرچہ اس بارے میں مستند مواد دستیاب نہیں ہو سکا لیکن ان کے معتقدین جو شیخ الحدیث کی بنا پر انہیں صفت مجاہدین میں شامل کرنے پر تضرع ہیں، مولانا غلام رسول مہر کہتے ہیں :-

”ان بزرگوں (مولانا رشید احمد گنگوہی یا مولانا محمد قاسم نانوتوی) نے بھی ۱۸۵۷ء کے مجاہد آزادی میں حصہ لیا تھا، افسوس کہ صحیح تفصیلات تک معلوم نہ ہو سکیں“ ملے

جہاں تک ان کے سوانح نگار مولانا عاشق الہی میرٹھی کا بیان ہے اس سے قطع
 یہ پتہ نہیں چلتا کہ مولانا لنگوہی جنگ آزادی میں شریک تھے بلکہ ان کے بیان سے تو "خیر خواہ بکر"
 ہوا معلوم ہوتا ہے۔ مولانا عاشق الہی جنگ آزادی کا نقشہ پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

"بد نصیب، خاناں برہاد بسا در شاہ ظفر بادشاہ دہلی کا وہ بلاخیز
 سماں تھا جس میں کار تروسوں پر چربی پیسنے کی جھوٹی افواہ اڑی اور غدر پرا
 کرنے کے چپے کھلے مجمعوں میں چپے شروع ہوئے تھے، تباہ ہونیوالی
 رعایا کی نعمت تقدیر نے ان کو جو کچھ سمجھایا اس کا انہوں نے تہجد کیا
 اور ان کی نسل دیکھ رہی ہے جن کے سروں پر موت کھیل رہی تھی
 انہوں نے کہنی کے امن و عافیت کا زمانہ قدر کی نظر سے نہ دیکھا اور
 اپنی رحمدل گورنمنٹ کے سامنے بناوت کا علم قائم کیا" ۱۔

"تحریک آزادی کا دور گزر گیا تو بعض لوگوں نے کسی خاصیت کی بنا پر مولانا
 لنگوہی اور مولانا نانوتوی کے "باغی" ہونے کی غبری کر دی، مولانا عاشق الہی کے الفاظ
 یہ ہیں :-

"جب بناوت و فساد کا قصہ فرو ہوا اور رحمدل گورنمنٹ کی حکومت
 نے دوبارہ غلبہ پاکر باغیوں کی سرکوبی شروع کی تو جن بزدل مفسدوں
 کو سوائے اس کے اپنی، ہائی کا کوئی چارہ نہ تھا کہ جھوٹی سچی تہمتوں اور
 غبری کے پیشے سے سرکاری خیر خواہ اپنے کو ظاہر کریں، انہوں نے اپنا
 رنگ جمایا اور ان گوشہ نشین حضرات پر بھی بناوت کا الزام لگا دیا ۲۔
 حالانکہ واقعہ یہ تھا کہ :

"یہ حضرات حقیقتاً بے گناہ تھے مگر دشمنوں کی یادہ گوئی نے ان کو
 باغی و مفسد و مجرم و سرکاری خطاوار ٹھہرا رکھا تھا اس لئے گرفتاری کی تلاش

تھی مگر حق تعالیٰ کی خضاعت بر سر تھی اس لئے کوئی اتخاع نہ آئی اور مصیبت کا آپ
حضرت اپنی مہربان سرکار کے دلی خیر خواہ تھے تا زیست خیر خواہ ہی ثابت رہے۔
ان دنوں خوف و ہراس کی ہر شہر شخص کے دگ و پے میں سرایت کئے ہوئے تھے مگر انگریز
کو معلوم ہو گیا تھا کہ ان کا نام بھی قابلِ اتخاع مجرموں کی فہرست میں درج ہو چکا ہے لیکن ان کی حالت
یہ تھی کہ :-

”آپ کو ہر استقلال بنے ہوئے خدا کے حکم پر رضی تھے اور مجھے ہوئے تھے کہ
میں جب حقیقت میں سرکار کا فرمانبردار رہا ہوں تو مجھ سے التزامت میرا بال
بھی ہیکانہ ہوگا اور اگر مارا بھی گیا تو سرکار مالک ہے اسے اختیار ہے،
جو چاہے کرے۔“

ایک دفعہ مولانا گنگوہی، مولانا نانوتوی، حضرت حاجی ادا داد اللہ مہاجر مکی اور حافظہ صاحب
بارہے تھے کہ باغیوں کا سامنا ہو گیا، پھر کیا ہوا، مولانا عاشق الہی کی زبانی سنئے :
یہ نبرد آزما جیسا اپنی سرکار کے محنت باغیوں کے سامنے سے بھاگنے یا ہٹ
جانے والا نہ تھا، اس لئے اٹل پناہ کی طرح پراچھا کر ڈٹ گیا اور سرکار پر چلتا رہا
کے لئے عیار ہو گیا۔“

مولانا گنگوہی کو مظفر خاں کی عدالت میں پیش کیا گیا اور پوچھا گیا کہ تم نے مسندوں کا ساتھ دیا

لے عاشق الحق بیرعلی، تذکرۃ الارشید جلد دوم، ص ۷۷۔ لے ایضاً : ص ۸۰۔

لے ایضاً : ص ۷۷، (نوٹ) مولانا نے ۱۲۷۰ھ دیوبند کو ہادیث ثابت کرنے کے لئے اس مہارت کی جیسے جی کہ ہے
قولتے ہیں تہا آدمی سرکار کے بیٹوں کے اعتقاد سے خطاطی پیدا ہو، یہاں سرکار سے مراد خود حضرت حاجی صاحب ہیں اور مقابلان
لوگوں سے تھا جو انگریزوں کے مفاد پر سرکارت تھے۔ یہی حق کروں کہ میری دانے اور میرا اثر ہے اور میں اسے قلمی دلا
پر کیا جیتا ہوں، نہیں کوئی کہ مسند و جرم کے پیش نہ کرنا بات حق (۱۲۷۰ھ کے مہادیہ ص ۲۵۲)۔

ہیں اس تو جی میں سوائے خزانہ اعتدال کے اور کچھ دکھائی نہیں آیا، جس طرح کوڑا، قلعہ، اور پھر جیسے قرار دے رہے ہیں چوری
جیسے دہا ہے کہ لوگوں سے جیسے میں خود حاجی صاحب بھی شریک تھے جو بیڑی مراد نایر علی اپنی سرکار کے محنت باغیوں کے سامنے
سے بھاگنے یا ہٹ جانے والا نہ تھا، تو کیا حضرت حاجی صاحب اپنی سرکار کو آپ لے؟ فی الصوب ! اشراف قادی

اور فساد کیا تو انہوں نے کہا، "ہمارا کام فساد نہیں، زہم مفسدوں کے ساتھی" تحقیق کے بعد ثابت ہوا کہ انہیں بناوٹ سے کوئی تعلق نہیں تو رہا کر دئے گئے۔

علامہ فضل حق خیر آبادی اور نواب خان بہادر خان کے بارے میں تو کہا جاسکتا ہے کہ انہوں نے ظالم و جابر ماحکم کے سامنے، جان بچانے کی خاطر ایسی باتیں کہہ دیں جن سے پتہ چلتا تھا کہ ان کا تحریک دہلی سے کوئی تعلق نہیں لیکن مولانا لنگوٹی تو ظالم حاکم کے سامنے نہیں بلکہ اپنی جگہ پر کھڑے ہیں۔ اگر مارا بھی گیا تو سرکار مالک ہے، ایسے ارشادات کے باوجود اگر مولانا لنگوٹی مجاہدین میں شامل ہیں تو علامہ فضل حق خیر آبادی کا کیا قصور ہے کہ انہیں یکم قلم تحریک سے بغیر تعلق قرار دیا جائے؟

مولانا لنگوٹی بے قصور ثابت ہونے تک چوداہ قید میں رہے، مولانا نانوتوی کے گرفتار ہونے کی نوبت ہی نہ آئی لیکن علامہ خیر آبادی کے جلا وطن ہونے اور غریب وطنی کی حالت میں دنیا میں یہ حال تھا میں کے شک ہو سکتا ہے، ان کا جلاوطنی کے کسی قسم کا تعلق ثابت نہ بھی ہو تو ان کے شہید ہونے میں کوئی شک نہیں کیونکہ وہ ایک ظالم حکومت کے جوہر تشدد کا تختہ مشق بنے اور جلا وطنی میں مالک حقیقی کے دربار میں حاضر ہو گئے۔

غالب کے مشہور ملحق مالک رام نے علامہ فضل حق خیر آبادی کے مقدمہ کا فیصلہ اپنے مضمون میں "ہمارا تحریک" دہلی جون ۱۹۶۰ء میں پیش کیا ہے اور اس بناء پر کہ علامہ فوتائے دہلی میں شامل نہیں ہوئے کیونکہ اس وقت دہلی میں موجود ہی نہ تھے اور انہوں نے ایک موقع پر یہ بیان دیا تھا کہ دوسرے شخص کے شبہ کی بناء پر میرے خلاف کارروائی کی جا رہی ہے، یہ نظریہ قائم کر لیا کہ

"مولانا فضل حق مرحوم نے ۱۸۵۷ء کی تحریک میں واقعی کوئی حصہ نہیں لیا تھا

انہوں نے اس سے پہلے لوگوں کو جرتعلقین بھی کی ہو اور اس کی

طرف انہوں نے ایک جگہ اشارہ بھی کیا ہے لیکن جب یہ ہنگام شروع ہوا تو

وہ علامہ اس سے الگ تھلگ رہے، انہوں نے پہلو سے اس میں شریک ہوئے

دعویٰ کا ذریعہ، انہوں نے ذکر کی فتویٰ لکھا نہ غور اٹھائی؟" ۱

تفصیل سابی کو کافی سمجھتے ہوئے اس جگہ جناب نادم سینا پوری کی ایک عبارت نقل کرنے پر اکتفا کیا جاتا ہے، وہ رقمطراز ہیں :-

”آج کی نئی دیرسزج و تحقیق نے مقلدانہ زاویہ نگاہ سے کم، ابرادی اور جوبالی نقطہ نظر سے زیادہ اس بات سے انکار کیا ہے کہ مولانا خیرآبادی نے اس جنگ آزادی میں کسی قسم کا حصہ لیا ہے۔ اس سلسلہ میں کئی مضامین پیش آچکے ہیں جن کی ماضلانہ اور مقلدانہ بصیرت افروزی کے اعتراف کے باوجود میں اپنے آپ کو اس زاویہ نگاہ سے متفق نہیں کر سکا۔“
جیسا کہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں علامہ فضل حق خیرآبادی کے عبادت گزار ناموں کا حصہ زیادہ مستند و نامد علامہ کا عربی رسالہ الثورة الهندیہ اور قصائد قصائد الهند میں جناب نادم سینا پوری انہیں مشکوک قرار دیا ہے چنانچہ لکھتے ہیں :-

”جس زمانے میں گوئرا اور فیصل کے کلمے ہوئے یہ منتشر پچھے شمس العلماء ہونوی عبدالحق کو پہنچے تو اس زمانے میں وہ اپنے بوڑھے باپ کی رہائی کے لئے کوشاں تھے اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ یہ منتشر پچھے ایک سیاسی قیدی کے ساتھ صحیح و سلیک حالت میں جزارانہ زمان سے ہندوستان کے ساحل تک پہنچ گئے تو بھی یہ بات قرین قیاس نہیں ہے کہ ان کی ترتیبی تدوین کے وقت شمس العلماء ہونوی عبدالحق اپنے اس بات کو نظر انداز کر دیا ہو کہ یہ اوراق اگر حکومت ہند تک پہنچ گئے تو مولانا کی رہائی و دشواری میں نہیں محال ہو جائے گی۔ ایسی صورت میں اس کا قوی امکان ہے کہ ان کتابوں میں کچھ نہ کچھ تحریف ضرور کی گئی، وہ تحریف یا ترمیم یا جھٹکا کیا تھا؟ اس کے اسے میں قطعی طور پر تو کوئی بات کہی نہیں جاسکتی لیکن روایت بالذکر رسالہ و قصائد مختلف پرزوں پر کوئی نہ سے لکھے ہوئے تھے، کی روشنی میں انہیں کلیۃ مولانا کی تصنیف سمجھنا ایک حل طلب مہم ضرور ہے۔“

پروفیسر محمد ایوب قادری نے اس روایت کی تردید کی ہے کہ رسالہ اور قصائد گو کہ سے مختلف پڑوں پر لکھے ہوئے تھے کیونکہ جزائر اندمیان اور نیکو بار میں ذکر قائم ہو چکا تھا۔ اسکول کھل چکا تھا، ہدایتی کاروائیاں جاری تھیں، وہاں کے انگریز حکام کی اجازت سے تصنیف و تالیف کا کام جاری تھا تو پھر کرکے سے لکھنے کا کیا قرینہ؟ اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے نامہ صیتا پوری کی تشلیک کا محاسبہ کیا ہے، ذیل میں اس کا خلاصہ پیش کیا جاتا ہے:-

- (۱) داخلی یا خارجی شراہد پیش کئے بغیر محض عن تجہیں سے قصائد کو مشکوک قرار دینا درست نہیں ہے۔
 - (۲) مولانا مفتی عنایت احمد کا کوروی انڈیان سے رہا ہو کر آئے تو اپنے ساتھ اپنی تین کتابیں لائے جن میں سے توارنچ حبیب اللہ اور علم الصیغہ شائع ہو کر مقبول عام ہوئیں۔ جب یہ تین کتابیں بمقامت پہنچ گئیں تو رسالہ اور قصائد کے پہنچنے سے کیا مانع تھا؟
 - (۳) ۱۲۷۷ھ میں مفتی عنایت احمد کا کوروی رہا ہو کر آئے، ایک دو ماہ بعد رسالہ اور قصائد ملوث کو پہنچے ہوں گے، ۱۲ صفر ۱۲۷۸ھ کو مولانا فضل حق کا وصال ہو جاتا ہے، اس لئے یہ بات قرین قیاس ہے کہ مولانا عبدالحق نے علامہ کے وصال کے بعد رسالہ و قصائد کی طرف توجہ دی ہوگی لہذا علامہ کی رہائی کے لئے کوشش ان کی حریب سے مانع نہ ہوتی ہوگی۔
 - (۴) یہ رسالہ اور قصائد مولانا عبدالحق کی زندگی میں شائع نہیں ہوئے لہذا حکومت کے خوف کی بنا پر تحریف و ترمیم کی ضرورت ہی نہیں پڑی۔
 - (۵) اس رسالہ و قصائد میں حکومت بڑھانے پر سخت تنقید کی گئی ہے، اگر حکومت کے خوف سے ترمیم کی گئی ہوتی تو بے ہمتی ہو جاتا۔
- آخند خاتم افکار، مجدد جلیل مولانا فضل حق خیر آبادی نے ایک سال نومبر ۱۹۷۱ء جزیرہ انڈیان میں سیاسی قیدی رہ کر ۱۲ صفر ۲۰ اگست ۱۹۷۸ء/ ۱۲۸۶ھ کو چام شہادت نوش کیا، مرحوم اللہ تعالیٰ وارضاه

علامہ محمد ایوب قادری، "جزائر اندمیان و نیکو بار میں مسلمانوں کی علمی خدمات" سرگامی اردو، جنوری ۱۹۶۸ء، ص ۶۳، ۶۴۔

لکھ، نامہ صیتا پوری، غائب نام آدم، ص ۱۱۱

خان بہادر سپہ سوار حسن سعود نے تاریخ وفات لکھی :
 باطل تھے حضرت فضل حق کردیا نیزنگ نے جینا مال
 اندھ من کو لے گئی قید فرنگ ہو گیا آخر وہیں پہ انتقال
 سال ہے سعود تبے ہادی بہتہ
 فضل حق خیر آبادی باکمال ! ۱۸

مولانا محمد سعید حسرت (م ۱۳۰۲ھ) مرید مولانا نذیر محمد دہلوی خلیفہ سید احمد بریلوی نے عربی
 میں قطعہ تاریخ لکھا :

قد توفی الالہ فضل الحق عالما جیذا ہلا ریب
 ان نفاہ الولاء من بلدہ بجناہ فلیس من عیب
 قال تاریخہ ، لا درجہ فضل حق "ہوائف الغیب
 ۱۲ ۱۸

(ورایض) مادہ مذکورہ کی فارسی میں تعین کی ہے :
 مولوی فضل حق جو برملت کرد جنتی گشت ، نیست ریب
 گفت تاریخ "اذا ذکر کسہ فضل حق" سرکش نب مرا ۱۸

شاہ اسماعیل دہلوی کی تحریک

مولانا عبد اللہ بدخشاں شروانی ، علامہ فضل حق کے سلسلہ نقانہ میں ہونے کی وجہ سے مقام
 سے گرا لگاؤ رکھتے ہیں ، اس کے ساتھ شاہ اسماعیل دہلوی جن کے غلات علامہ نے تمام عمر
 علمی اور قلبی جب دیکھا ، اسے بھی نیا و منداد تعلق خاطر رکھتے ہیں ، علامہ کے مسلک کو ترجیح دینے
 کے ساتھ چاہتے ہیں کہ شاہ اسماعیل کا دامن عقیدت بھی ہاتھ سے نہ چھوٹے ، اسی لئے انہوں نے

جا بجا یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ ان حضرات کا اختلاف صواب کرام کے مشابہت کی طرح تھا اور یہ اختلاف علمی اور فروعی نوعیت کا حامل تھا حالانکہ فریقین کی تصانیف کے مطالعہ سے ہر انصاف پسند اس نتیجے پر پہنچے گا کہ یہ اختلاف صرف علمی تھیں بلکہ اصولی اور اعتقادی تھا اور ایسے اختلاف کے ہوتے ہوئے ہر دو فریق کو حق پر نہیں کہا جاسکتا۔ مولانا عبد اللہ بدایونی کہ شاہ اسماعیل نے علواً و ارتقاً سے کام لیا اور تقویۃ الایمان میں ان امور کو جو شرک خفی تھے شرک جلی لکھ دیا اور ان تحریرات سے متوقع شور و شرکے بارے میں یہ کہہ کر دل کو تسلی دے لی کہ :

”گو اس سے شور و شرک ہوگی مگر توقع ہے کہ ظہور و کبر و تکبر ہو جائے گا“

تقویۃ الایمان کا منظر عام پڑتا تھا کہ واقعی زبردست اختلاف پیدا ہو گیا اور سوادِ عظیم اہل سنت کی طرف سے بیسیوں کتابیں اس کے رد میں لکھی گئیں۔ اس کتاب نے اختلاف و انتشار کا ایسا دروازہ کھولا کہ ”شورش بھی ہوئی“ ”لڑائی بھڑائی“ ”سبھی ٹکڑ ٹکڑ ہو گئے“ کا ماحول شاید صحیح قیامت تک نہ ملے۔ مولوی اسماعیل دہلوی نے تقویۃ الایمان میں شفاعت کی تین قسمیں بیان کیں (۱) شفاعت و جہالت (۲) شفاعت جہت (۳) شفاعت بالاذن، اور پہلی دو قسموں کا جبری شد و مد سے انکار کیا کسی نے یہ عبادت نقل کر کے مدافعتِ حق خیراً وادی کی خدمت میں استفسار پیش کیا اور پوچھا یہ کلام حق ہے یا باطل؟ اس میں سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شانِ اقدس کا استغناء ہے یا نہیں؟ اور اس کے قائل کا کیا حکم ہے؟ علامہ نے اس کے جواب میں ایک جملہ کتاب تحقیقِ ائمتہ فی ابطالِ الطغویٰ کی طرح ڈالی اور اسے چار مقامات پر تقسیم کیا، آخر کتاب میں قائل کا حکم بیان کرتے ہوئے فرمایا :

”جواب سوالِ ثانی اس بات پر کہ قائل اس کلام از روئے شرع مبین

بلاشبہ کافر و بدعتی ہے۔ ہرگز مومن و مسلمان نیست و حکم از شرعاً

قتل و تکلیف است۔“ ۷

۷۔ عبد اللہ بن عباس شروانی : ہاشمی ہندوستان، ص ۱۱۵

۸۔ حکایت اولیاء : (۱) درویش شوش کا نیا ایمیشن، ص ۱۱۵ دارالانشاعت کراچی، ص ۱۰۴

۹۔ تفسیر کبیر، ص ۱۱۵ دارالانشاء، فضل رسول قادری قدس سرہ، مطبوعہ مکتبہ ضریح لاہور، حاشیہ ص ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰

تجربہ تیسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ اس بے فائدہ کلام کا قائل اگر دوسرے شریعت کا فرو
 بردین ہے ہرگز مومن اور مسلمان نہیں ہے اس کا شرعی حکم قتل اور تکفیر ہے۔
 اگر ایمان و کفر دونوں برحق ہو سکتے ہیں تو مقرر اور مولوی اسماعیل دہلوی دونوں برحق ہو سکتے ہیں
 و دُونَ ذَلِكَ النِّقَاشُ !

علامہ کا یہ نظریہ وقتی نہیں تھا بلکہ بحالتِ امیری اندیمان جاتے ہوئے اپنے مشاگرد مولانا
 قندر علی زہیری کو خاص طور پر نصیحت کی کہ جس تقویۃ الایمان کا بالاعتقاد نہیں کر سکا اس نے یہ کام تم
 سر انجام دینا۔ ایسے حالات میں یہ کس طرح مان لیا جائے کہ علامہ نے ایک موقع پر فرمایا :
 ” میں اور مولوی اسماعیل پر تبرا کروں ؟ یہ نہیں ہو سکتا، جو کچھ مجھ سے ہو چکا ہے

وہ بھی ہو سکتے، سکھائے سے ہوا تھا اور اب تو وہ بھی نہیں ہو سکتا۔“
 ” اور جب مولوی اسماعیل دہلوی کی شہادت کی خبر پہنچی تو سناٹے کے عالم میں کئی گھنٹے خاموش بیٹھے
 روتے رہے اور اس کے بعد فرمایا کہ اسماعیل کو جہم مولوی نہیں جاتے تھے بلکہ وہ امتِ ممدیہ کا حکیم
 تھا، کوئی شے نہ تھی جس کی کیفیت اور قیمت اس کے ذہن میں نہ ہو، امام باری نے اگر حاصل کیا
 تو وہ درچراغ کھاکر اور اسماعیل نے معنی اپنی قابلیت اور استعدادِ خدا داد سے۔“
 ایسی خوب ختم حکایات کو خوش عقیدگی کا تقیر ہی قرار دیا جا سکتا ہے ورنہ حقیقت
 سے انہیں دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔

اس بحث میں مولوی اسماعیل دہلوی نے یہ بھی کہہ دیا :
 ” اس شہنشاہ کی تو یہ شان ہے کہ ایک آن میں ایک حکم لگنے سے چاہے تو
 کروڑوں نی اور دلی اور جن اور قرشتہ، جبریلی اور محمد علی احمد علی و
 سلم کے برابر پیدا کر دے۔“

ملفوظ علی تھانوی، مولوی : حکایاتِ اولیاء، طبع کراچی، ص ۳۹

ملفوظ حسین ہمدانی : المیۃ البدعات، طبع کراچی، ص ۱۰۰

ملفوظ دہلوی : تقویۃ الایمان، ص ۳۶

عقلم نے اس پر گرفت کی اور فرمایا :

”باید دانست کہ اس کلام تمام کاذب و دروغ و گزاف

بے فروغ است“ ۱۔

اور شرح و بسط سے اس پر تنقید کی اور بتایا کہ اوصاف کا علم میں حضرت خاتم النبیین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نظیر بالذات ناممکن ہے۔ اس کا جواب دینے کی کوشش کی گئی تو علامہ نے افسانہ نظیر ایسی معتاد کتاب مسمیٰ جواب تک لاجواب ہے۔

علامہ ارشد القادری مدظلہ (حال بریڈ فورڈ) نے اپنی قابل قدر کتاب زلزلہ میں علامہ دیوبند کا فکری تضاد جس حسن و خوبی سے بیان کیا ہے، لائق داد ہے۔ اس میں انہوں نے تقریرت الایمان و غیرہ کتب سے ایسے حوالے پیش کئے ہیں کہ جن سے سرورِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تصرف اور علم غیب کے انکار کا پتہ چلتا ہے۔ دوسری طرف دیوبندی شریعہ پر ایسے افسانے پیش کئے ہیں جن میں اکابر دیوبند کے علوم غیبیہ اور شان تصرف کو نمایاں کر کے بیان کیا ہے۔ زلزلہ کی وقعت کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ مولانا حامد عثمانی نے ہندو بھلائی دیوبند میں تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے :

”ہمارے نزدیک ہاں چھڑانے کی ایک ہی راہ ہے کہ یا تو تقویت الایمان اور فتاویٰ رشیدیہ اور فتاویٰ اعدا دیہ اور حفظ الایمان جیسی کتابوں کو چرما ہے پر رکھ کر آگ بکھادی جائے اور صاف اعلان کر دیا جائے کہ ان کے مندرجات قرآن و سنت کے خلاف ہیں اور ہم دیوبندیوں کے مسیح عقائد ارواحِ شیطانیہ اور سوامی قاسمی اور اشرف مسوامی جیسی کتابوں سے معلوم کرنے چاہئیں یا پھر ان مؤخر الذکر کتابوں کے بارے میں اعلان فرمایا جائے کہ یہ تو محض قصے کہانیوں کی کتاب ہیں جس جو مطلب و یا مس سے بھری ہوئی

ہیں اور ہمارے صحیح عقائد وہی ہیں جو اول الذکر کتابوں میں مندرج ہیں۔

مولوی اسماعیل اور سیدنا صوبہ سرحد میں

مولانا عبداللہ پشروانی نے باہمی سندھوستان میں جا بجا مولوی اسماعیل دہلوی کے جہاد بلا کو کا ذکر کیا ہے اس نے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ صوبہ سرحد کی کاروائی کا مختصر جائزہ پیش کر دیا جائے۔
مولانا کشید احمد گنگوہی کا بیان ہے کہ :

”سید صاحب نے پہلا جہاد یا محمد خاں حاکم پاکستان سے کیا تھا۔^۱ اس جہاد کا نتیجہ خاطر خواہ نکلا، پشت اور کوٹ قبضے میں آگئے۔ سید مراد علی خاں شہید ہو چکی درہند (ہزارہ) لکھتے ہیں۔“

”راویان معتبرہ چشم دیدہ نقل کرتے ہیں کہ ۸۳۰ھ میں خلیفہ سید احمد سرگروہ وہاں بیان نے یا محمد حاکم پشاور کو کوٹ، برادر دوست محمد خاں والی کابل کو پشت گری لشکر غازیاب شکست دی اور ملک پشاور کو کوٹ پر قبضہ کر کے اپنے مقامات مقرر کئے اور بہ لقب سید بادشاہ مشہور ہوا۔“^۲
اس کے بعد مستحق خاں دکن جہاد اور چل قوم کے سرلہ خاں وغیرہ سید صاحب کے مدد پر آئے لیکن اپنے دور کے مشہور باجمت سردار پانڈہ خاں نے بیعت نہ کی، سید صاحب اور مولوی اسماعیل دہلوی نے بمقام عشقہ ان سے ملاقات کی اور بیعت کی دعوت دی لیکن وہ تیار نہ ہوئے۔ اسی اثنا میں سردار پانڈہ خاں کا چھوٹا بھائی سردار مدد خاں سید صاحب سے بیعت ہوا اور بتایا کہ میرا بھائی میرا بانی دشمن ہے، میں اس کے ہاتھوں بہت پریشان ہوں، سید صاحب نے اسے تسلی دی اور پانڈہ خاں پر کفر کا فتوے لگا دیا (اس نے کہ وہ بیعت نہیں ہوا تھا) اور اس سے جہاد کرنے

۱۔ ذلزلہ، بحوالہ نقی، مطبوعہ نعلین منا، پورٹا سندھی، لاہور، جون ۱۹۷۲ء) ص ۱۸۷-۱۸۸

۲۔ عاشق امین بریلوی : تذکرۃ الشہداء جلد دوم، ص ۲۷۰

۳۔ مراد علی سید : تاریخ تلواریں (مطبوعہ کوئٹہ، لاہور ۱۹۷۱ء) ص ۷۴۔

کے لئے چننا سے موضع کیرمڑی پہنچ گئے۔ پانیدہ خاں کو پتہ چلا تو وہ بھی مقابل اگر صفت اگلا ہو گیا
سنت کشت دشمن کے بعد پانیدہ خاں کو شکست ہو گئی اور وہ جان بچا کر موضع پانڈی سے ہوتا ہوا
موضع شمشہو (علاقہ اگرور) چلا گیا۔

سردار پانیدہ خاں اس سے پہلے بھی سکھوں سے ٹکرائے جیکتا تھا اور اس کے بعد بھی ان
سے برسرِ پیکار رہا، لیکن اس وقت اسے اپنی حفاظت کی بھی صورت نظر آئی کہ ہری سنگھ
سے امداد کی اپیل کی جائے جو اس وقت مانسہرہ میں مقیم تھا۔ ہری سنگھ نے امداد دینے کے لئے
یہ شرط عائد کر دی کہ تمہیں اپنا دلکا جمانا دھال بطور ضمانت میرے پر و کرنا ہو گا تا کہ تم میرے
علاقہ کوئی کاروائی نہ کر سکو، پانیدہ خاں نے اس شرط کو منظور کر لیا اور سکھوں کی دو لاکھ
فوج لے کر پھنڈہ کی طرف روانہ ہوا۔ دریائے سرن کے راستے پر سید صاحب کے بھائی مولوی
احمد علی اور اس کے ساتھیوں نے مزاحمت کی۔ میدان کا رزار گرم ہوا، بے شمار سکھ مارے گئے
مولوی احمد علی اور (چند ایک کے سوا) ان کے تمام ساتھی مارے گئے۔ اس کے علاوہ موضع
چھڑائی میں مقابلہ ہوا اور سید صاحب کے رفقاء کو شکست غاش ہوئی، اس کے بعد سید
صاحب پختیار چلے گئے۔

اس طرح پانیدہ خاں کی جان بھی چم گئی اور علاقہ بھی خالی ہو گیا لیکن ہری سنگھ نے
حسبِ عہدہ اس کا دلکا جمانا دواپس نہ کیا۔ وہ چاہتا تھا کہ پانیدہ خاں خود آکر اپنے بیٹے کی
رہائی کے لئے التبا کرے لیکن پانیدہ خاں کسی صورت میں بھی طاعت پر آمادہ نہ ہوا کیونکہ اس
کے باپ کی وصیت تھی کہ کسی حاکم سے نہ ملنا۔ اسی سلسلے میں اسے سکھوں سے نبرد آزما ہونا پڑا اور
جائگس معرکے ہوئے، ہری سنگھ نے جہانزاد کو تحریک سکھوں کے پاس لاہور پہنچا دیا جہاں سے
سات سال بعد اس کی واپس ہوئی تھی اس جگہ یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ سردار پانیدہ خاں تمام
عمر سکھوں سے برسرِ پیکار رہا اور بالآخر ۱۲۵۷ھ/۱۸۴۰ء میں فوت ہوا۔
اس تفصیل سے یہ واضح ہو گیا کہ سید صاحب لائوں سے بھی شمشیر کھینچتے ہوئے رہے اور انہیں

جسکو کہ دیا کہ وہ سکھوں کی امداد حاصل کریں اور سرحد میں سید صاحب کی ناکامی کی بڑی وجہ رہا بیاناہ
 عقائد، عیسا اشد اور بات بات پر کفر کے فقرے سے کیونکہ سرحد کے اکثر باشندے بے سبق جنفی،
 دیندار، بہادر اور بغیرت مند تھے، اگر تشدد اور وبا بیت ایسے امور درمیان میں حال نہ ہوتے تو
 شاید سید صاحب کو کبھی ناکامی کا مزہ نہ دیکھنا پڑتا، بلاخدا مولوی اسماعیل دہلوی اور سید صاحب
 ۱۲۳۶ھ/۱۸۳۱ء میں قندھار کوٹ کے قریب معرکے میں کام آئے اور عقیدت مندوں نے شہید مشہور
 کر دیا۔ اس میں شگ نہیں کہ سید صاحب نے سرحدی مسلمانوں کے علاوہ سکھوں سے بھی جہاد
 کیا مگر یہ بات ابھی تشنہ تحقیق ہے کہ وہ کسی سکھ کے ہاتھوں مارے گئے یا کسی سرحدی پٹھان کے
 ہاتھوں، سید کہتے ہیں :-

۱۸۲۳ء میں وہابیوں نے پہاڑوں میں جا کر قیام کیا اور انہوں نے اس بات
 کا قصد کیا کہ سکھوں پر ہم لوگ جہاد کریں اور شہید ہوں لیکن چونکہ پہاڑی قریبی ان
 کے عقائد کے مخالف تھے اس لئے وہ وہابی ان پہاڑیوں کو ہرگز اس بات پر راضی نہ
 کر سکے کہ وہ ان کچھ سائل کو بھی اچھا سمجھتے،

مگر چونکہ وہ سکھوں کے جو روستہ سے نہایت تنگ تھے اس سبب وہ وہابیوں
 کے اس منصوبہ میں بھی شریک ہو گئے کہ سکھوں پر حملہ کیا جاوے اور آخر کار وہابیوں
 اور پہاڑیوں نے متفق ہو کر سکھوں پر حملہ بھی کیا لیکن چونکہ یہ قوم مذہبی مخالفت میں نہایت
 سخت ہے اس سبب سے اس قوم نے اخیر میں وہابیوں سے دغا کر کے سکھوں
 سے اتفاق کر لیا اور مولوی محمد اسماعیل کو سید احمد صاحب کو شہید کیا، ۱۸
 جناب یوسف جہاں جن کا کہنا ہے کہ میرے جد اجد سکھوں کے خلاف لڑتے ہوئے
 شہید ہو گئے، لکھتے ہیں :-

”اسمیں شہید جیسے لوگ مرے کفن ہانڈھ کر لوگوں کو سکھوں کے عذاب سے نجات دینے
 آئے اور مسلمانوں کے ہاتھوں ہی سے شہید ہو کر فانی حقیقی سے جا ملے۔“

سید صاحب کی تحریک کا پس منظر معلوم کرنے کے لئے مولانا حسین احمد دیوبندی کی عبارت : ایک آئینہ سلفیہ، وہ لکھتے ہیں :-

”سید صاحب کا اصل مقصد چونکہ ہندوستان سے انگریزی تسلط اور اقتدار کا قلع قمع کرنا تھا جس کے باعث ہندو اور مسلمان دونوں ہی پریشان تھے اس بنا پر آپ نے اپنے ساتھ ہندوؤں کو بھی شرکت کی دعوت دی اور صاف صاف انہیں بتا دیا کہ آپ کا واحد مقصد ملک سے برہمنی لوگوں کا اقتدار ختم کرنا ہے اس کے بعد حکومت کس کی ہوگی؟ بس سے آپ کو غرض نہیں ہے، جو لوگ حکومت کے اہل ہوں گے، ہندو یا مسلمان یا دونوں وہ حکومت کریں گے“۔

مولانا غلام عثمانی نے ماہنامہ تجلی دیوبند میں اس پر یوں تبصرو کیا ہے :

”کوئی شک نہیں اگر استبدادِ محترم حضرت مہدی کے ارشادِ گواہی کو درست مان لیا جائے تو حضرت اسماعیل کی شہادت منس فسادِ دین ہوتی ہے۔ مادی پریشانیوں کو رفع کرنے کے لئے غیر ملکی حکومت کے فائدے کی کوشش کرنا، ذرا بھی مقدس نصب العین نہیں اس نصب العین میں کافر و مومن سب یکساں ہیں، اس طرح کی کوشش کے دوران مارا جانا اس شہادت سے بھلا کیا تعلق رکھے گا جو اسلام کی ایک معزز ترین اور مخصوص اصطلاح ہے اور اس طرح کی کوششوں کے نتیجہ میں قید و بند کی مصیبتیں اٹھانا اجراءِ آخرت کا موجب کیوں ہوگا؟“۔

وضع احادیث | سید صاحب کے مریدین کو حقیقت میں اس قدر ایمانی بنا دیا گیا تھا کہ وہ ہر جائز اور ناجائز طریقے سے سید صاحب کی مدح و ثنا کرنے کے شوگر ہو گئے تھے۔ یہ سلسلہ یہاں تک پہنچا کہ من گھڑت روایات کو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرنے میں بھی کوئی چمکی بہت محسوس نہیں کرتے تھے، مشہور اہل حدیث مولانا عنایت اللہ خاں مولانا غلام رسول خاں کے نام ایک مکتوب میں لکھتے ہیں :-

”آپ (سوری فضل الہی) نے اس جماعت کا شائع کردہ رسالہ بنام خلاصہ مجھے دکھایا جس میں یہ حدیث تھی ”کذا مضت الف و ما تان و اربعون سنت بعث اللہ المہدی فیہا یوم علی یدہ خلق کثیر شریفینیب اللہ تعالیٰ فیہم تذون الی دین ابا تمسوا لہن اتباع کتاب اللہ و سنت منیبہ“

ترجمہ: ۱۲۴۰ھ کو گزرنے پر اللہ تعالیٰ مہدی کو بھیجے گا جس کے ہاتھوں پر خلق کثیر جمعیت ہوگی پھر اللہ تعالیٰ اسے غائب کر دے گا تو لوگ اپنے آپ کو کے دین کی طرف لوٹ جائیں گے مولائے کتاب و سنت کے متبعین کے۔“

چونکہ اس وقت لاہور پر سکھ حکمران تھے اس نے روایت سابقہ پر اکتفا نہ کرتے ہوئے ایک روایت میں یہ بھی بڑھا دیا :- ”فیقتل کفر لاهور“

مولانا غایت شہزادی حال گجرات نے اس روایت کے پہرے میں کچھ اس طرح انہما خیال کیا ہے :- ”یہ روایت کسی حدیث کی کتاب میں بھی نہیں دیکھی جہر جو ذخیرہ مومنوعات کے نام سے ظاہر کریم نے جمع فرمایا ہے یہ روایت اس میں بھی نہیں معلوم ہوتا ہے کہ سید صاحب کی کتاب کے بعد اسے وضع کیا گیا ہے؟“

مولانا ابوالکلام آزادؒ اس وقت لاہور میں تھے مولانا ابوالکلام آزادؒ کی طرح سرائی میں بھی بڑے سچے کام لیب ہے اور آزاد کو مولائے مہدی کی حیثیت سے پیش کرنے کی کوشش کی ہے حالانکہ مولانا فضل حق خیر آبادی نے جو نظریہ ابتداء قائم کیا تھا حمایت اس پر قائم رہے جبکہ مولانا آزادؒ ابتداء میں بڑے زور سے مسلمانوں کی انفرادیت کا پرچار کرتے اور فرمایا کرتے تھے،

”مسلمانوں کیلئے اس سے بڑا کوئی شرم انگیز سوال نہیں ہو سکتا کہ وہ دوسروں کی پڑھائی تعلیموں کے آگے جنگ کرنا راستہ پیدا کریں، ان کو کسی جماعت میں شامل ہو چکی ہوتی نہیں وہ خود دنیا کو اپنی راہ پر چلانے والے ہیں اور صدیوں تک چلا چکے ہیں۔۔۔۔۔ وہ خدا کی جماعت ہیں اور خدا کی غیرت اس کو کبھی گوارا نہیں کر سکتی کہ اس کی کچھ کشتی پر

نے حمایت نہ کرے، مسائبہ ص ۱۷۶ (جنوری ۱۹۶۹ء) ص ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱

چکے داؤں کے سرفروں کے آگے جھکیں گے

اور یہ بھی فرمایا :

”ہم تو خود مسلمانوں کی وجہ سے غلطی سمجھتے ہیں کہ ہمیشہ انہوں نے اپنے سامنے در آتے
ہی دیکھے ہیں یا گورنمنٹ پر اعتماد اور یا ہندوؤں اور کانگریس کی شرکت ؟“
لیکن خود مولانا آزاد ایک طرف شاہ برطانیہ کی ہجو شمس کے موقع پر یوں قصیدہ خواں نظر آتے ہیں :-
ہوئی لندن میں از خصل الہی نہایت شان سے جب تاج پوشی
کسا آئناؤں نے بڑھ کر ادب سے مبارک شاہ کو اب ہماچوشی سے
اسی موقع پر ایک طویل قصیدے کے آخر میں یوں دعا گو ہیں :-

دستم دعا کنوں بر آرم کا سے رب قدیر کردگارم
باشد بر ادب قیام شاہی با صولت و رعب عز و جاہی
دوسری جانب جب ہندو نوازی کا دور شروع ہوا تو بڑے زور سے مسلمانوں کو کانگریس
میں شریک ہونے کی تلقین کی چنانچہ ایک بیان میں کہا :
”مسلمانوں کو اپنے حقوق کے تحفظات کے لئے گورنمنٹ برطانیہ کی طرف نہیں
دیکھنا چاہیے انہیں بادارانہ من (ہندوؤں کی طرف دیکھنا چاہئے) ان سے
بدگمان نہیں رہنا چاہئے بلکہ حق و راجح کانگریس میں شریک ہوجانا چاہئے
کانگریس کے ہاتھوں میں ان کے حقوق بالکل محفوظ ہیں“

علامہ ابراہیل سنت نے جب نہیں ہندو مسلم اتحاد کی خرابیوں سے مطلع کیا تو وقتی اقرار کے باوجود
اپنی روش میں تبدیلی پیدا نہ کی جس کی کچھ تفصیل تدریس میں پیش کی جا رہی ہے، ایک وقت وہ تعجب لگوا
آتا دہریہ کی پوری قوت اسلامیہ کو جیم واحد قرار دیتے تھے اور ایک وہ وقت بھی آیا کہ مشرقی اور مغربی
پاکستان کی وحدت کو صیغہ نہیں ملتے تھے بلکہ یہاں تک کہہ گئے :
”یہ کہنا کہ مذہبی ہم آہنگی ان علاقوں کو جو جبراً فیائی ماقصد دی، لسانی اور تمدنی طور پر

شعبہ جیب احمد چوہدری، تحریک پاکستان، شریعتیہ تنظیم، علامہ، ص ۲۱۱، بھارت روزنامہ اسد اللہ، شعبہ جیب احمد، ۱۹۴۳ء اور
شعبہ جیب احمد، شریعتیہ تنظیم، علامہ، ص ۲۱۱، شعبہ جیب احمد، ۱۹۴۳ء
شعبہ جیب احمد چوہدری، تحریک پاکستان، شریعتیہ تنظیم، علامہ، ص ۲۱۱، بھارت روزنامہ اسد اللہ، شعبہ جیب احمد، ۱۹۴۳ء

فلفٹ میں متحد کر سکتی ہے۔ لوگوں کے ساتھ سب سے بڑا فریب ہے: یہ صحیح ہے کہ اسلام نے ایک ایسے معاشرے کی تشکیل کی کوشش کی جو نسلی، لسانی، اقتصادی اور سیاسی حدود سے بالاتر ہو گیا۔ تاریخ نے ثابت کر دیا کہ پہلے چند قرون یا زیادہ سے زیادہ پہلی صدی کے بعد اسلام صرف اسلام کی بنا پر تمام مسلم ممالک کو ایک اسٹیٹ میں منسلک کرنے میں ناکام رہا۔

میں اقتباس کو چڑھ کر کہے ساتھ کہنا چاہتا ہے کہ مولانا آزاد کے دل و دماغ پر گاندھی پرستی کا بہت بڑا غلبہ رہا۔ اس کا وہ صرف ہمارے نام مسلمان رہ گئے تھے۔ وہ وہ اس طرح ہے، دھڑک جو کہ اسلام کو ناکام قرار دینے کی جرات دے کر تھے، اگر انہی آدمی نے پہنچ کر تھا:

کاٹھن میں کے مولوی کی کیا پوچھتے ہو کیا ہے
گاندھی کی پاسی کا عربی میں ترجمہ ہے

مولانا آزاد نظریہ پاکستان کے ان فیاضین میں سے تھے جنہوں نے کبھی کبھی اس نظریہ کو دل سے قبول نہیں کیا، انتخاب صدارت کے بعد صاف لفظوں میں اعلان کیا:

"جناب کا یہ نظریہ کہ ہندوستان میں (ہندو اور مسلمان) دو جدا گانہ اقوام ہیں غلط فہمی پر مبنی ہے، میں اس بات میں ان سے متفق نہیں ہوں۔"

میں احمد جعفری کہتے ہیں:

منظر عام پر وہ (ابراہیم گلام) اس طرح ابھرے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا زہر ان کی زبان پر تھا لیکن سی، آر، و، اس کی رفاقت گاندھی کی نیا زمندی، موتی مال کی دوستی اور جوہر سے تعلق غلطی نہیں اتنا بدل دیا کہ وہ مسلمانوں کے حق خود ارادیت کے قائل نہیں تھے۔۔۔۔۔ آخر میں جب جواہر لال نہرو گاندھی تک چاروں نامیاء ہند یعنی معاذ اللہ پاکستان تسلیم کر لینے پر مجبور ہو گئے، مولانا صاحب بھی اپنے رفیقوں سے دینی طور پر متفق نہ ہو سکے۔۔۔۔۔ تحریک پاکستان کے راستے میں جو سنگ گرا جانی

تھے۔ ان میں ایک مولانا (ابراہیم) بھی تھے، انہوں نے ہر موقع پر پاکستان کے تصور اور مطالبے کی مخالفت کی ہے۔

کچھ نئی ہندوستان کے بارے میں

مولانا عبد الشاہ شروانی نے پیش نظر کتب لکھ کر ملکی دنیا میں جذباتی ماحول پیدا کیا ہے۔ اس کتاب کے مطالعہ سے مصنف کی درست فطری، علمی، کمرائی، سلامتی، بیان اور عقائد فضل حق خیر آبادی سے وابستہ عقیدت کا پتہ چلتا ہے۔ جو ان کے شکر گزار ہیں کہ انہوں نے اہستہ کے اہل میل و ملائم حریت و ملائم فضل حق خیر آبادی کے علمی، ادبی اور مجاہدہ کارنامے کتابی شکل میں مرتب کر کے لافانی بنا دیا ہے۔ باقی ہندوستان کو نظر انداز کر کے علحدہ پرکونی تحقیقی مقالہ یا کتاب نہیں لکھی جاسکتی۔

مولانا عبد الشاہ شروانی نے سب سے پہلے ترکیہ گناہی کی مستند دستاویز جہاد و آزادی کے سرور عقائد فضل حق خیر آبادی کی تصنیف لطیف الشورۃ السندیہ اور قصائد قند السد کو اردو ترجمہ و تفسیر مفید کے ساتھ ۱۹۴۴ء میں شائع کروا کر ملکی دنیا میں شعور کرا، بعد ازاں سالہا و قصائد کا ایسی ترجمہ و تفسیر لکھائی کتاب بہار شاہ فخر اور ان کا عہد میں شامل کر دیا۔ پھر علامہ مہر علی مظہر (چشتی شریف) نے کتاب کو اردو شاہ فخر سے الثورۃ السندیہ کا ترجمہ اپنی کتاب دیوبندی مذہب کے علمی محاسبہ میں شامل کر دیا۔ اسکے علاوہ مولانا علامہ مہر علی مظہر نے الثورۃ السندیہ پر السیاقیت المہر کے نام سے عربی میں حاشیہ لکھ کر ۱۹۶۰ء میں شائع کیا جس میں کتاب کے علاوہ کثیر تعداد میں محال منت کے حالات قلمبند کئے ہیں۔

مولانا عبد الشاہ شروانی انڈین نیشنل کانگریس سے تعلق اور مولانا آزاد سے عقیدت کی بنا پر ایسی باتیں کہہ گئے ہیں جو فطریہ پاکستان کے مخالف اور مولانا آزاد کی جہاد و آزادی میں سرکاری پشت میں بعض جگہ قائد اعظم پر بھی ہم سے بغیر من کی گئی ہے۔ مولانا ریاست علی ندوی، باقی ہندوستان پر قبو کرتے ہوئے کھتے ہیں: "اس میں بہت سی ایسی نفسیاتی آگئی ہیں جن کا تسلیات فضل حق سے، کچھ زیادہ نہ تھا۔" اسی طرح انہوں نے اپنے حالات بیان کرتے ہوئے پاکستان صفحات صرف کر دیے ہیں۔ جو نا تو یہ

باسمہ سبحانہ

”مازہ خواہی داشتن گردانمائے سینہ را
گاہے گاہے باز خواں این قصہ پارسینہ را“

آٹھ دس برس ہوئے میں دارالخیر اجمیر میں مقیم اور حضرت الاستاذ علامہ الہند مولانا معین الدین اجمیری مرحوم و مغفور سے کسب علوم میں مشغول تھا۔ مولانا تلامذہ کی تعلیم کے ساتھ تربیت کا بھی پورا خیال فرماتے تھے۔ اکثر مصیبتوں میں جہاد و حریت کی تلقین اور شبات و استقلال کا درس بھی رہتا تھا۔ حضرت علامہ فضل حق خیر آبادی کا ذکر خیر پڑے والہانہ انداز میں تھا۔ علامہ خیر آبادی مولانا کمر وادوا استاد بھی تھے اور جادہ آزادی کے رہبر حضرت بھی۔ علامہ کا جس طرح علمی فضل و کمال تسلیم تھا اسی طرح انقلاب ۱۸۵۷ء میں عزم و شبات منرب المثل تھا۔ مولانا جہاں درس گاہ میں بیٹھ کر علامہ کے منطقیانہ و فلسفیانہ حقائق و نکات بیان فرماتے تھے وہیں دوسری مصیبتوں میں اپنے اساتذہ و اسلاف سے سنے ہوئے شرم و واقعات انقلاب اور علامہ کے کارہائے نمایاں کا تذکرہ بھی کرتے رہتے تھے۔

مجھ پر غیر معمولی شفقت تھی۔ سبغہ و حضرت میں بیشتر ساتھ رہتا۔ جمعیتہ العلماء نے ہند مجلس احرار اسلام ہند اور دوسرے حریت پسند اداروں کے اجلاسوں میں بھی مصیبت کا شرف اکثر حاصل رہتا تھا۔ اس فیض صحبت نے مجھ جیسے غاندھائی رجعت پسند کو تھوڑے ہی دن میں پورا ”پانی“ بنا دیا تھا۔ ۱۹۳۸ء میں فلسطین سے متعلق چند تقریروں پر حکومت لاہور نے مجھے گرفتار کر کے مقدمہ چلا دیا۔ مولانا عیسیٰ تھے۔ کرم بے پایاں نے پریشانی میں مبتلا کر دیا۔ خدا نے ایک سال بعد اس مصیبت سے جس پر ہزار راختیں قربان ہوں، نجات دی تو مولانا نے خوش ہو کر ”ساکہ غدیریہ“ عنایت فرمایا۔

یہ رسالہ علامہ خیر آبادی نے جزیرہ انڈمان میں بحالت مجبوری لکھا تھا۔ انقباض ۱۳۵۸ھ کے المناک حادثات حکومتِ مسقط کے عزائم اور اپنی تباہی و بربادی کا اپنے مخصوص انداز میں نقشہ کھینچنا ہے جب حضرت مولانا مفتی عنایت احمد کا کوردی استاذ مولانا طیف اللہ علیگڑھی، ایک نگرینا قسریٰ نرائش پر تعلیم البدان کا ترجمہ کر کے ۱۳۷۷ھ میں رہائی پا کر عازمِ ہندوستان ہوئے تو یہ رسالہ علامہ نے اپنے غلف الرشید مولانا عبدالحی خیر آبادی کے پاس مختلف کاغذ کے پرزوں اور کپڑوں پر کوئٹہ وغیرہ سے لکھ کر بھیج دیا تھا اسی رسالہ میں قصائد فقہانہ لکھ بھی تھے۔ مولانا عبدالحق نے بڑی محنت و کاوش سے اسے مرتب کیا اور چند مخلصین و معتقدین نے اس کی نقلیں حوزہ جہاں بنا کر اپنے پاس رکھیں۔

اس طرح اس کے نسخے خاص خاص حضرات کے پاس محفوظ ہو گئے حکومت کے خوف سے کسی نے اس کے عام کرنے کی کوشش کی نہ کوئی چھپوانے کی جرأت کر سکا۔ مولانا اجیری نے کئی بار ارادہ اشاعت کیا لیکن کل امر مرہوٹ باوقات کے مطابق بایہ تکمیل کو نہ پہنچ سکا۔

یہ موجود نسخہ مولانا نے اپنے قلم سے استاذ محترم مولانا حکیم برکات احمد بہاری ٹوکی کے نسخے سے بزمِ مذاہبِ علمی خوش خط نقل کیا تھا جو اشی پر جا بجا اہل لغات بھی کر دیا گیا ہے۔ اس رسالے میں دو عربی قصائد فقہانہ لکھ بھی ہیں جو ۱۳۷۶ھ میں رسالہ کے ساتھ انہیں واقعات پر مشتمل لکھے گئے ہیں ایک قصیدہ ہمزہ اور دوسرا دالیہ ہے۔

تکمیلِ درسیات اور مولانا اجیری کی وفات کے بعد میں ۱۹۳۰ء میں وطنِ ماروت چلا آیا اور دارالعلوم حافظیہ سعیدیہ دادول ضلع علیگڑھ میں تدریسی خدمات ادا کیں اور وفات میں پھنس گیا۔ ۱۹۴۵ء فروری ۱۹۴۵ء کو بجوئی تحصیل اترولی ضلع علیگڑھ میں کسان کا نفرنس بڑے اعلیٰ پیمانہ پر منعقد ہوئی۔

ہندوستان کے مشہور میڈرمان کا لکھنؤ کیونٹ، ڈاکٹر کنور محمد شرف مدہ جلاں تھے۔ کانفرنس سے فارغ ہو کر سابقہ تعلقات کی بنا پر غریب خانہ ہادی منزل بھروی ضلع علیگڑھ پر قیام پذیر ہوئے۔ میرے مختصرے کتاب خانہ کا شاہانہ روز جائزہ لیتے رہے

رسالہ غدیہ بھی ہاتھ میں لگایا۔ دیکھا اور دیکھتے چلے گئے۔ عبارت کی فصاحت و بلاغت مضمون کی روانی و سلاست پر وہ جرتے جاتے تھے۔ جب زیادہ لطف آتا تھا یا متاثر کر لیا کوئی جملہ آتا تھا تو جھوم جھوم کر بلند آواز سے مجھ سے کہنے لگتے تھے۔ شب کی مجلس میں جہاں سیاست ماضیہ اور ملکی معاملات پر گفتگو رہی ڈاکٹر صاحب نے اس رسالہ کے ترجمہ کی بھی پرزور طریقہ پر خوش و خرم نظر کی۔ ایسا معلوم ہوا کہ کسی نے بھولا ہوا سبق یاد دلادیا۔ آتش شوق کی دہلی ہوئی چنگاری بجھ گئی۔ میں نے اولین فرصت میں ترجمہ کرنے کا وعدہ کر لیا۔ کچھ عرصہ بعد ڈاکٹر صاحب نے مجھ سے پھر یاد دہانی کی۔ اسی زمانے میں موصوف نے اپنے دوست سید محمد ٹوکی میجر مسلم یونیورسٹی اسکول علیگڑھ کو بھی اس کے متعلق لکھا۔ ٹوکی صاحب نے بروقت ملاقات مجھے اس طرف متوجہ کیا۔

اسی درمیان میں سید الطاف علی شہنشاہ آل بیلہ ایجوکیشنل کانفرنس سے ملاقات ہوئی اور یہ بھی حسن اتفاق تھا کہ سید صاحب نے سب سے پہلی علمی خدمت اسی رسالہ کے ترجمہ کی میرے پرہیز کی اب تو اسے تائبہ فیضی بھی سمجھنا پڑا اور خدا کا نام لے کر اس بار گراں کو اٹھانے کا عزم مصمم کر لیا۔

ایکے بان سے دوسری زبان میں ترجمہ کرنا کتنا دشوار امر ہے خصوصاً جب کہ ترجمہ با محاورہ بھی ہو اور الفاظ کے معانی نظر انداز نہ ہوں اس پہلو پر یہ کہ صاحب فضل و کمال اور مسلم ادیب کی وہ تحریر بھی علامہ کی درجنوں معرکہ آرا تصانیف میں ہر تصنیف میں علمی و ادبی کمال پر دے طور پر جلوہ گر ہے اس رسالہ کی اہمیت یوں بڑھ گئی ہے کہ خوفناک مصائب اور الم انگیز حالات میں لکھا گیا ہے شاہانہ خلعت کے بجائے فقیرانہ لباس میں ملوکیس فضا آزا دی کی جگہ جزیرہ اشدمان میں مجوس اعرار و احباب سے دوڑنا اور اس پر مجبور و مقہور۔ پھر بھی ادبیت کی پاشنی پوری طرح علاوت دینے اور فصاحت و بلاغت کی پوششک بیز ہے۔

۲۷ ستمبر ۱۹۳۷ء کو دہلی جانا ہوا۔ امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد کی خدمت میں حاضری ہوئی۔ میں نے رسالہ کے ترجمہ کا ذکر کیا تو نہ صرف کلمات ہمت افزائی فرمائے بلکہ وقت کی اہم ترین ضرورت بھی بتائی۔ یہ بھی فرمایا کہ ۱۹۳۱ء میں مولانا معین الدین اجیری مرحوم نے یہ رسالہ

میں نے اس رسالہ کے ترجمہ کے سلسلے میں کتاب غناء حبیب گنج اور لش لا شیری مسلم لوئیورسٹی کے نسخوں سے بھی مدد لی ہے۔ ایک نسخہ مولانا براہیت اللہ خاں جو نپوری شاگرد رشید علاؤ الدین کی ہادی کے دست مبارک کا کٹھا ہوا بھی دستیاب ہو گیا تھا۔ یہ نسخہ مولانا سید سلیمان اشرف مرحوم سابق صدر رضیات مسلم لوئیورسٹی (شاگرد مولانا جو نپوری) کی دوسری مخصوص کتابوں کے ساتھ حبیب گنج پہنچ گیا تھا۔ کتابت کے لحاظ سے دوسرے نسخوں سے قدیم اور صحیح ثابت ہوا۔

ترجمہ کرنے اور امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد کی سند قبول حاصل ہو جانے کے بعد خیال ہوا کہ اس نعت سے دوسروں کو بھی متنبہ ہونے کا موقع دیا جائے۔ مگر می مولوی مجید حسن صاحب مالک اخبار مدینہ بجنور سے حسب مشورہ مولانا آزاد کو رجوع کیا گیا۔ موصوف نے میری آواز پر ہدایت لیکر ہند فرمائی اور مدد و ح کے خلف الصدق عزیز مرحوم سعید اختر بجنوری نے سچم نقضے بھی شائع کر دیے۔

دو ادراجہ حریت کی اشاعت کے لئے آزاد پریس اور مجاہد مالک مطبع کی ضرورت تھی وہ خدا نے پوری کی۔ اب ایک سرحد باقی تھا اور وہ یہ کہ علامہ جیسے صاحب فضل و کمال اور بطل جلیل کے رسالہ "الثورة الهندیہ" پر مقدمہ یا پیش لفظ لکھنے والا بھی انہیں جیسا لگتا روزگار محقق اور جاوید لگا راویہ شمسوار رشید حریت اور مجاہد اعظم ہونا چاہئے۔ چاروں طرف لنگاہیں دوڑائیں۔ پیشوائے اعظم امام الہند مولانا آزاد کے سوا ان اوصاف سے متصف کوئی دوسرا نظر نہ آیا۔

ایک طرف مولانا کی ہنگامہ ریز سیاسی مصروفیت کے ساتھ خرابی صحت دوسری جانب اس معاملہ کی اہمیت و ضرورت، ادھر اپنی علمی مائیگی و بے بضاعتی، ادھر علم و فضل کی فراوانی و مہر گیری عقل و دل میں کشمکش پیدا ہوئی۔ شوقِ قدم آگے بڑھتا تھا اور عقل و امن پکڑتی تھی۔ جذبہ خاطر قلندرانہ جزاؤں دلاتا تھا اور ہوش و خرد راہ کے نشیب و فراز دکھاتے تھے۔ آخر ۱۲ جون ۱۹۴۶ء کو یہ امتحان کا وقت آئی گیا۔ دہلی پہنچ کر شاہی دربار میں حاضری ہوئی۔ ڈرتے ڈرتے حرف بہ مذاہبان پڑایا۔ حسب معمول خندہ پیشانی کے ساتھ تبسمِ راز میں شرف

پذیرائی بخش گیا۔

وزارتی مشن لندن کی موجودگی کی وجہ سے کثرتِ کار اور هجومِ افکار کے پیشِ نظر اسی اقرار پر اکتفا کرتے ہوئے واپس آگیا۔ اس درمیان میں منتظرِ موقع رہا کہ ذرا بھی سکون میسر آئے تو یاد دہانی کروں مگر کوئی موقع ہاتھ نہ آیا۔ عارضی حکومت کی ترتیب کے سلسلے میں مولانا کا نزول بمبائل دہلی ہوا تو ۳۰ اگست ۱۹۴۶ء کو خدمتِ والا میں حاضر ہوا۔ ایک گھنٹہ کی تفصیلی گفتگو میں یاد دہانی کی بھی نوبت آئی۔ اذراہِ شفقت بزرگانہ فوراً آمادگی ظاہر فرمائی اور دوسرے دن صبح کو مختصر شحاتِ قلم عطا کرنے کا وعدہ فرمایا۔

میں جتنا بھی شکریہ گزار ہوں کم ہے کہ وقتِ موعود پر حسبِ وعدہ دو صفحے اپنے قلم سے تحریر کر کے عنایت فرمائے۔ یہ دو صفحے میرے نزدیک دو سو صفحات سے بھی زیادہ وزنی ہیں مولانا کے دو گزیر بھیجی اس زمانے کی بڑی سے بڑی سند قبول ہے۔ میں نے یہ سوتھ کر کہ ”غبارِ خاطر“ اور ”کاروانِ خیال“ نے مولانا آزا اور نواب صدر یار جنگ بہادر کو سالوں کے بعد کہا کر دکھایا ہے نواب صاحب کو لکھا کہ آپ بھی ہمارے ترجمہ کے متعلق کچھ لکھ دیں موصوف نے جواب دیا کہ مولانا کے کچھ تحریر کر دینے کے بعد کسی کے لکھنے کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی دہلی بہت کافی سبکدوش ہے۔

قدیر گوہر شاہ فائدہ یا ہراندہ جوہری

ہم سب کی خوش نصیبی ہے کہ ہندوستان میں اس دو نقطہ الحال میں ایسی گڑھی ہستی موجود ہے۔
گوہرے کز دو کون بیرونِ است میتواں یافت در خستہ زانہ رسا
شاید نظیری نیشاپوری نے مولانا ہی کے لئے کہا تھا ہے

در آستانِ پاپ و بال ہمارے سید ہر جا رسید سایہ دولت زما رسید

پہلے میں نے سوچا تھا کہ وہ باچہ میں علامہ خیر آبادی کی مختصر سوانح حیات کا بھی ذکر کروں گا مگر جب لکھنے بیٹھا تو قلم پر قابو نہ رکھ سکا۔ دوسرے اس وقت تک اس فاضل اہل اور مجاہدِ عظیم کی کوئی سوانح حیات مرتب بھی نہ ہوئی تھی اور یہ خوف بھی اپنی جگہ دامیگر تھا کہ اگر کچھ دن اور اسی طرح پڑا گڑھی پردہِ خفا میں رہی تو اتنے حالات بھی نہ مل سکیں گے جتنے

پیہم جہد و جد اور کوشش و کاوش سے اب دستیاب ہو سکتے ہیں۔

مصر میں جب علامہ کی معرکہ الاراک کتاب ہدیہ سعیدہ چھپی تو مدیر مطبع نے انہیں تاسف کرتے ہوئے لکھا کہ افسوس ہے ایسے فاضل جلیل کے متعلق ہمیں اتنا بھی معلوم نہیں کہ اس مصنف کا تعارف کرا سکتے۔ ان خیالات کے پیش نظر ۸۰ سال کے بعد اس عظیم بار کو اٹھانے کی جرأت کرنا پڑی خوش نصیبی سے مسلسل سات سال ۱۳۵۶ء تک حصول علم کی خاطر خیر آباد میں قیام رہا۔ علامہ کے اہل خاندان سے گھر کا سا واسطہ رہا۔ بزرگوں کی شفقت اور برابر والوں کی عنایت شامل حال رہی۔ وقتاً فوقتاً علامہ کے اور ان کے خلف الرشید مولانا عبدالحق کے حالات و واقعات سنا سنا جوتے رہے۔

شعبان ۱۳۵۶ء کو حضرت الاستاذ علامہ الامام احمد مولانا اجیری کی خدمت میں طالع کی بندی اور نصیب کی فیروزہ بندی نے پہنچا دیا۔ مولانا اجیری سلسلہ خیر آباد کے نہ صرف شاگرد تھے بلکہ عاشق بھی تھے جس ذوق و شوق اور بخود دی وارفٹگی سے ذکر افاضل خیر آباد کرتے تھے سننے والے اور دیکھنے والے ہی اس کی لذت سے واقف ہو سکتے ہیں۔ کافی ذخیرہ معلومات اس دربار سے ہاتھ لگا تھا۔

بسیوں تاریخیں اور وجہوں تذکرے بھی دیکھنے پڑے۔ ہر جگہ نہایت اختصار کے ساتھ علامہ کا ذکر ملا۔ اس میں بھی مرزا اسد اللہ خان غالب کا شکر گزار ہونا پڑے گا کہ موصوف نے بعد وفات بھی حق دوستی ادا کیا۔ غالب کے تقریباً تمام تذکروں میں علامہ کا ذکر بغیر مختلف پہلوؤں سے ملا۔

مجاہد جمیل مولانا اسماعیل شہید کی سوانح حیات لکھنے والوں نے علامہ کے ساتھ بڑا علم روا رکھا۔ رنگ آمیزی اور بہتان طرازی سے بھی دریغ نہ کیا۔ خاص علمی مسائل کے مناظرہ بہت گوفاتی بغض و عناد پر محمول کیا۔ مجھے اس مقام پر ذرا تفصیل سے روشنی ڈانی پڑی۔ علامہ کے حالات کے سلسلے میں مختلف مقامات کو خطوط لکھنا پڑے۔ میں ان تمام دوستوں اور بزرگوں کا شکر گزار ہوں جنہوں نے میری عرضداشت پر تکلیف گوارا کر کے حالات بھیجے۔

سب سے زیادہ مدد و رفیق محترم مولوی سید نجم الحسن ضوی خیر آبادی نے پہنچائی۔

لے، حق کتاب پیش کے طور پر مولانا آزاد کی دشمنی کے لئے لکھے گئے ہیں حقیقت اس کے برعکس ہے۔ اس نثر کی ہیئت معلوم ہو گئے تھے جناب دین محمد سرور چاؤلی کی کتاب "سید امجدیہ کی سچے خوب" میں "ہمدرد مولانا" سے مولوی صفی الرحمن

خیر آباد جیرمی اساتذہ کبیرے شریک درس رہے ہیں۔ علامہ کے خاندان سے قربت بھی رکھتے ہیں۔
 خیر آباد کے مشہور محدث حاجی صفت اللہ کی اولاد امجاد سے ہیں۔ فقیہ موصوف نے خیر آباد کا لاہور پورہ
 کے قلعہ تذکروں سے بھی حالات اخذ کئے۔ محترم القام مولوی بشیر احمد فاروقی رئیس خیر آباد سے بھی مدلی۔
 مولوی صاحب نسبی تجرد اور خاندانی حالات و واقعات کے حافظ ہیں آپ کے والد ماجد نواب
 بشیر احمد فاروقی مرحوم نے خاندانی یادداشتیں مرتب کر دی تھیں۔ یہ نایاب ذخیرہ بھی موصوف ہی
 کے پاس ہے۔ نہ صرف خیر آباد بلکہ ہر گام، گویا سوسائٹی اور کاکوری وغیرہاں جہاں جہاں بھی
 خیر آباد کا سلسلہ نسب ملتا ہے سب کے تفصیلی شجرے موجود ہیں۔

عزیز گرامی مسٹر میر خان خلف اسطحضرت الاساذ مولانا محمد بشیر خان رام پوری
 صدر الدکسین مدرسہ نیا تشریف آباد نے علامہ کے دیوانخانہ کے شکستہ دروازہ کا اندرونی دیواروں
 فوٹو کھینچ کر روانہ کیا اس میں بھی زمین محترم کی کوششوں ہی کو دخل ہے۔ مولوی حکیم غفر الحق نیوہ
 مولانا عبدالحق نے جامدادی کی منجلی کا تفصیلی حال لکھ کر اعانت فرمائی۔ مفتی انعام اللہ شامی کاکڑ آبادی
 کے تذکرہ علامہ گویا سوسائٹیاں ہند سے بھی کافی مدلی۔ موصوف کے مفید شعور سے بھی شاہ
 حال رہے۔ ہندوستان کے مشہور لیڈر عبدالحمید خواجہ بیرسٹر صدر آلی انڈیا مسلم مجلس بہار بشیر الدین
 لاہوری بریلوئی لکھنؤ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ اور نواب مسد ریا جنگ بہار مولانا محمد حبیب الرحمن
 خان شروانی رئیس حبیب گنج ضلع علی گڑھ سے بھی وقتاً فوقتاً حالات پارمینہ اور واقعات گزشتہ

ملک محمد علی شاہ خیر آبادی رحمت اللہ علیہ کی اولاد سے ہیں۔ ان کی شہرت اور مقام ان کے شمار میں رہے۔ انھوں نے عقلی و نقلی میں دینی
 بنیادوں کو دھڑکھڑاتے ہوئے مولوی قطب الدین شمس آبادی تلمیذ قطب الدین شمس سواتی دکن کے قاضی
 سواتی صاحب درس نظامی کے شاگرد اور مشہور رنگ ماحی ہوا اللہ سے ان کے مدد ملے۔ ماسلسلہ تلمیذیں جاری رہا بہت
 سے۔ انھوں نے تپ کے فیض یاب ہوئے۔ شہداء ہیں جی و زیارت کے لئے گئے۔ کافی عرصہ وہاں قیام کیا۔ مشہور محدث وقت شیخ
 محمد طاہر مونی کے سند حدیث حاصل کی۔ وہیں دس دین شریعہ کیا۔ قلم لیا۔ بقادہ ہند سب کے فضل و کمال کا عرصہ کر رہے تھے۔
 اور تعظیم و اکرام سے سزا دیتے تھے۔ ایک جی ماحی شریک درس ہوتا۔ تین دن کرنے کے بعد وطن باؤن پہنچے۔ یہاں پھر پیر سلسلہ
 درس و تلمیذیں جاری کر دیا۔ مگر دس سو قادیان لکھنؤ کو دیا۔ آخر ترک وطن و درس تفسیر و حدیث پر اکتفا کیا۔ یہ صاحب
 شوق سے سیر کر گئے۔ انوار بنایا۔ بروز جمعہ ۱۸ اردی قمر ۱۳۵۰ھ کی تیس سال کی عمر میں وفات پائی۔ قلعہ کاکڑ
 خانہ ۱۲۱۰ھ میں ہے۔

محکم دلائل و حجت اللہ کے ہر دو عالم عادل و تقیست !
 قدر و کثرت من کد کثرت ! زور و قسم صدر و شہین پخت
 (۱۰ ذی الحجہ ۱۳۵۰ھ) مستند و فاضل و مدبر و مدبر

پہ گنگوڑی جس سے کافی مواد مہیا ہوا۔ میں ان حضرات کا بھی صمیم قلب سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔
میں اس پر بھی فخر کے بغیر نہیں رہ سکتا کہ ۲۰ اگست ۱۹۳۶ء کو جب مولانا آزاد کی وفات
میں پرمیت خراجہ صاحب موصوفہ حاضری ہوئی تو مولانا نے نصف گھنٹہ اس سوانح حیات کو
ملاحظہ کرنے میں صرف فرمایا اور کلماتِ تحسین سے نوازا۔ میں اپنی اس انجیز سعی کو مجاہدِ اعظم علیہ السلام
حضرت الاستاذ مولانا محمد معین الدین اجیری رحمۃ اللہ علیہ کے نام نامی سے منسوب و معنون کرتا
ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ باری تعالیٰ مولانا اجیری اور علامہ خیر آبادی کا ثبات و استقلال ہم
سب وابستگانِ دامن کو بھی عطا فرمائے۔ آمین۔
میں نے رسالہ وقتِ قائد کے متعلق کچھ نہیں لکھا ”مشکِ آنست کہ خود ہوید
رہ کہ عطار بگریہ“ پر عمل کیا ہے۔

اس رسالہ کے دیکھنے سے اس وقت کے ہولناک حالات کا نقشہ سامنے آجاتا ہے
اور نصاریٰ کے خوفناک عزائم کا پتہ چلتا ہے کہ کس طرح ہندوستان کی رعایا کے گلے میں ٹہنی غلامی
اور اضرت کو پٹہ ڈالنے کی کوششیں ہو رہی تھیں اور علماء مجاہدین کا ایسے موقع پر اعلانِ جہاد
کس قدر بد وقت اور ضروری تھا۔ علامہ خیر آبادی کا وجہ ۱۲۷۵ھ میں باطل قوتوں کے
سامنے یہ اعلانِ حق ہمیشہ آپ زور سے لکھا جاتا رہے گا :

”وہ فتویٰ صحیح ہے میرا لکھا ہوا ہے۔ اور آج اس وقت بھی میری رہی ہے“

ان جہلوں کے بعد عدالت سے صبرِ دامِ بے پروا کے شوق کی سزا خندہ پیشانی سے سن کر
راہی جزیرۂ اندمان ہوئے اور ۱۲ صفر ۱۲۷۶ھ مطابق ۱۸۶۱ء کو سفرِ آخرت فرمایا رحمۃ اللہ
علیہ مرحمتِ واسعۃ کملۃ۔

بعد وفات تربت ماور میں مجھ !

در سینہ ہائے مردم عارف مزار ما

محمد عبد الشاہد خاں شروانی

اورینٹلٹ لٹن لائبریری مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

جمعہ ۲۳ رمضان المبارک ۱۳۶۵ھ
۲۰ اگست ۱۹۴۶ء

از امام السنہ مولانا ابوالکلام محی الدین احمد آزاد مدظلہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مولانا فضل حق رحمۃ اللہ علیہ کا یہ رسالہ اہل علم میں متداول تھا لیکن بالکل اس کی طباعت کا سہرا نہ ہو سکا۔ ”غدر“ ۵۷ء کی بربادیوں کے بعد لوگوں کی جبتیں اس دو چہرست ہو گئی تھیں کہ اس قسم کی تحریکات کی اشاعت کا کسی کو دم و گمان بھی نہیں ہو سکتا تھا۔ خود مولانا کے خاندان نے اس کی اشاعت مصمت کے خلاف سمجھی اور جن لوگوں کے پاس اس کی نقلیں تھیں وہ بھی اس کی نمائش امتیاد کے خلاف سمجھتے تھے۔ آج ہم اس رسالہ کا مطالعہ کرتے ہیں تو اس میں کوئی بات ایسی نہیں پاتے جسے سیاسی حیثیت سے خطرناک تصور کیا جائے لیکن اس زمانے کا حال دوسرا تھا۔

”غدر“ کے حوادث کا ذکر اور پھر ایسے شخص کی زبانی جسے بھرم بنانا تو مدۃ العمر قید کی سزا دی گئی تھی زیادہ سے زیادہ خطرناک بات یقین کی جاتی تھی۔

والد مرحوم نے معقولات کی تکمیل مولانا مرحوم کی خدمت میں کی تھی اس لئے ان کی مصنفات اور حالات سے خاص علاقہ رکھتے تھے۔

مولانا کے فرزند مولانا عبدالحق مرحوم نے یہ رسالہ خود اپنے قلم سے نقل کر کے والد مرحوم کو مکہ معظمہ بھیجا تھا چنانچہ وہ میرے کتب خانہ میں موجود ہے۔

مولوی عبداللہ صاحب شرفی نے جب مجھ سے اس رسالہ کی تصحیح و اشاعت کے بارے میں ذکر کیا تو مجھے نہایت خوشی ہوئی۔

اب ان کی کوشش سے نہ صرف اصل رسالہ پہلی مرتبہ شائع ہو رہا ہے بلکہ اس کا اردو ترجمہ بھی ہوتا ہو گیا ہے۔ ترجمہ میں نے مختلف مقامات سے دیکھا سلیس اور شگفتہ عبارت میں کیا گیا ہے اور اصل کی نفی رعایت کے ساتھ اسلوب بیان کی شگفتگی اور روانی بھی ملحوظ رکھی گئی ہے۔

امید ہے کہ عزیز موصوف کی یہ سعی مشکور ہوگی اور رسالہ عام طور پر مقبول ہوگا۔

ابوالکلام

دہلی ۳۱ اگست ۱۹۴۶ء

حامداً و مصلیاً و مسلماً

ہندوستان جنت نشان جہاں اپنی زرخیزی، صنعت و حرفت اور غام پیداوار کی وجہ سے ہمیشہ سے ایک خاص شہرت کا مالک رہا ہے وہیں اہل فضل و کمال کا گہوارہ بھی بنا رہا ہے۔ فلاسفہ و حکماء ہند کی خدمت میں استفادہ کے لئے دوسرے ملکوں سے محقق آتے رہے ہیں۔ سکندر ذوالقمرین کے حملہ ہندوستان اور رائے فور بادشاہ ہند پر فتح پانے کے بعد ہندوستان نے سکندر کے مقرر کردہ حاکم کو قتل کر کے رائے دہلی کو اپنا بادشاہ بنا لیا تھا۔ اس بادشاہ نے اس احسان کا بدلہ دیا پر ظلم و ستم سے دیا کسی کی اتنی مجال نہ تھی کہ بادشاہ کو نصیحت کر سکے یا کوئی بھیج مشورہ دے سکے۔ پندت حکیم ہید پافلسفی نے اپنے شاگردوں کو جمع کر کے اس اہم مسئلہ پر رائے طلب کی۔ بالآخر تجویز کے ماتحت ایک کتاب لکھی گئی جس میں جانوروں کی زبان سے عدل و انصاف کے قصے تحریر کئے گئے اور اس حیل سے غلطی سے باز رکھنے کی کوشش کی گئی۔ اس کتاب کی نقل کے لئے نرشیرواں عادل شاہ فارس نے اپنے مشیر خاص حکیم ہزدیہ کو ہندوستان بھیجا اور اس کی نقل کرا کے فارسی میں ترجمہ کرایا۔ یہ کتاب اب کھید و دمنہ کے نام سے مشہور ہے۔ اس کا ترجمہ فارسی، یونانی، عبرانی، ترکی عربی، اردو اور دوسری مشہور زبانوں میں ہو چکا ہے۔ عربی زبان میں فارسی سے عبداللہ بن المقفع انطیب الفارسی مصاحب ابو جعفر المنصور العباسی خلیفہ عباسی خلیفہ ثانی نے سب سے پہلے ترجمہ کیا۔ قدیم زمانے میں جب کیشاں ہان چین و ترک و فارس و روم کو علی الترتیب ملک الناکس، ملک السہل، ملک الملک اور ملک الرجال کہا جاتا تھا ہندوستان کو معدن حکمت اور اس کے بادشاہ کو ملک الحکمت کے بادقت لقب سے یاد کیا جاتا تھا۔

فلسفہ و حکمت میں اہل ہند اپنی مستقل رائے رکھتے تھے۔ ہندوستان کی قدیم ہندو منطق کی بنیاد گوتم رشی نے علاوہ تیرہت (درجہ نگہ بہار) میں ڈالی تھی جو نیلے شاستر کے نام سے مشہور ہے۔

بہن و امراء ہند کی صاحبان علم و فضل کی قدردانیاں تاریخی کتب کی ورق گردانی اور
جس پر دنیوی کی عانیان و مددگاروں سے معلوم ہو سکتی ہیں۔

اٹھویں صدی عیسوی اور پہلی صدی ہجری سے ہی مسلمانوں کے قدم اس ملک میں چرنا
شروع ہوئے ان کے ساتھ ان کے متداول علوم نے بھی اپنی جگہ بنا کر شروع کی۔

اموی خلیفہ ولید بن عبد الملک کے دور خلافت ۹۲ھ مطابق ۷۱۲ء میں محمد بن قاسم
ثقفی اشارہ سارنوجوان نے سندھ پر قبضہ کیا ۹۵ھ میں قنوج کے سائی موٹی۔ اس طرح خلفاء
امویہ و عباسیہ کی فتوحات پنجویں صدی ہجری تک دیر باپور تک پہنچ چکی تھیں۔ چوتھی صدی
کے آخر میں سلطان غزنوی کے حملے شروع ہوئے۔ ۴۱۷ھ میں خلیفہ القادر باللہ
عباسی کے حکام سے سندھ چھین لیا۔ ۵۸۲ھ میں سلطان شہاب الدین غوری نے غزنویوں
کو گرفتار کر کے دہلی کو دار السلطنت قرار دیا اور سارے ملک ہند پر قبضہ جمایا ۸۵۷/۸۵۸ھ
تک مسلمانوں کی ۶۹۰ برس مسلسل حکومت رہی۔ باضابطہ اور بے ضابطہ ۷۶ بادشاہ ہوئے۔
آخری تاجدار بہادر شاہ ظفر تھے لے

بر دور میں علماء و اولیاء آستے رہے۔ ظاہری سلطنت کی طرح باطنی حکومت بھی
اپنا کام کرتی رہی۔ ابو جعفر یحییٰ بن زید السعدی البصری المتوفی ۱۶۰ھ شاگرد امام الاولیاء
حسن بصری سندھ ہی میں وفات کے بعد دفن ہوئے۔ یہ بزرگ سفیان ثوری اور کعب
داستاد امام شافعی کے استاد تھے۔ ان کے علاوہ علی بن عثمان الجعفری المتوفی ۲۶۵ھ شہر
یوسف کردیزی بہ شیخ فخر الدین رنجانی خواجہ معین الدین چشتی منجری اجیری المتوفی ۶۳۳ھ
شیخ ابو زکریا ابو محمد بہاؤ الدین بغدادی متوفی ۶۶۱ھ وغیرہم اپنے علوم و معارف سے
اہل ہند کو مستفیض فرماتے رہے۔

مذہبی علوم اسلام کی طرح صیقل شدہ فنون یونانی بھی مسلمانوں ہی کے ذریعے پہنچے۔
اور اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ منطق و فلسفہ کو اس بلند مقام تک مسلمان علماء نے
ہی پہنچایا۔ یوں تو منطق ایک فطری علم ہے کسی مقصد پر دلیل و برہان پیش کرنا، قیاس کر کے
قیبہ نکالنا، افکار و مہنہ کو خطا سے بچانا، اسی کا نام منطق ہے اور معمولی سمجھ کا آدمی بھی اسی کی
تلفہ بہ ہندوستان

کوشش کرتا ہے۔ اس علم کا باضابطہ انحصار سب سے پہلے حضرت ادریس علیہ السلام سے ہوا۔
مخالفین کو عاجز و ساکت کرنے کے لئے بطور معجزہ اس کا استعمال کیا گیا۔

پہر ان علوم کو یونانیوں نے اپنایا۔ یونان میں بڑے بڑے کے یہ پانچ مشہور فلسفی گذرے ہیں۔
۱۔ بندکریس ۵۰۰ قبل مسیح زمانہ داؤد علیہ السلام میں گزر چکا ہے حضرت لقمان سے علم حکمت حاصل کرنے کے بعد یونان واپس آگیا۔

۲۔ فیثاغورس اصحابِ سلیمان علیہ السلام کا شاگرد ہے۔

۳۔ سقراط فیثاغورس کا شاگرد ہے۔ بتوں کی پرستش سے مخلوق کو روکنے اور دلائل کے ساتھ غائب و احد کی طرف توجہ دلانے پر بادشاہ وقت نے قید کر کے زہر دلادیا۔

۴۔ افلاطون یہ بھی فیثاغورس کا شاگرد اور غاندان اہل علم سے ہے۔ سقراط کی موجودگی میں گنہگار رہا اس کے بعد چپکا اور خوب چپکا۔

۵۔ ارسطاطالیس۔ نفع و خوش کامیابی ہے اور صاحب المنطق کے لقب سے مشہور ہے۔
غائب حکما، یونان کہا جاتا ہے اور بعد کے سارے فلاسفہ اسی کے رہن منت اور خوش چین ہیں۔

ان پانچ کے بعد دوسرے درجہ پر تالیس اعلیٰ صاحب فیثاغورس، ذمیقرمیس، ڈاکسنوڈاس، آپ
ارسطو کی کتابوں کے شارح ہونے کی حیثیت سے ۹ فلسفی مشہور ہیں یہ سب متفکر
تھے مجتہد تھے۔ ثاؤڈورس، امپطرس، بیس، یحییٰ، طریقی، اسکندریہ، اٹونیوس، بلیتیس،
شاہاؤں، فروریوس، ثاسٹیوس، افرودیسی (اسکندر)، ان میں آخر الذکر تینوں شارح
اونچے درجہ کے مالک ہیں۔

یونان میں مخصوص فنون کے کمال بھی بڑے بڑے نامور گذرے ہیں۔ بقراط و جالینوس
طبعیات و طب میں، اقلیدس ہندس میں، ارسطیدس علم الدوا میں، بطلمیوس اور پتولمیس
کبھی علم المناظر و نجوم میں اپنی نظیر آپ نہ تھے۔ ہر ایک اپنے فن میں لیگاتہ روزگار تھا۔ آج بھی ان
سب کے نام زبانِ نزد خواص اہل علم میں۔

مسلمان بادشاہوں میں سب سے پہلے عباسیہ خاندان کے خلیفہ ثمانی ابو جعفر المنصور عبد اللہ بن محمد بن علی بن عبد اللہ بن العباس علم فقہ کے ساتھ علم فلسفہ و منطق و ہیئت کو بھی حاصل کیا اس کے کاتب عبد اللہ بن المنعم الخطیب الفارسی مترجم کلیل و دمنہ نے ارسطو کی تین کتابوں کا طیفور یا س، یارٹی ارمیا س اور ارنوٹو طیکا کا عربی میں ترجمہ کر کے منطق کے لقب سے شہرت حاصل کی۔

ارسطو سے لیکر خلافت عباسیہ تک گیارہ صدیاں گزریں مگر محض علوم فلسفہ کی کوئی ترقی نہ ہو سکی۔ گویا بازار مسرور چڑھ چکا تھا۔ ساتواں خلیفہ عباسی مامون الرشید جب ۱۹۸ھ میں تخت خلافت پر بیٹھا تو اپنے ذوق کی بنا پر فنون کی طرف متوجہ ہوا قیصر روم کو لکھا۔ وہاں سے ارسطو کی کتابوں کا ڈھیر آگیا۔ وزیر جمال الدین قسطنطینی اخبار الحکام میں لکھتے ہیں:

ولما سیرت الکتاب فی الامون ترجمہ ارسطو کی کتابیں ارمون کے کتاب خانہ
جاء بعضها تاما وبعضها ناقصا جو مامون کے پاس پہنچیں ان میں بعض مکمل
فالناقص منها ناقص الح اور بعض ناقص تھیں جو ناقص تھیں وہ اب
الآن تک ناقص ہیں۔

مامون الرشید نے صفین بن اسحاق الکندی اور ثمانیہ بن قرہ وغیرہ کا عربی ترجمہ کا حکم دیا۔ اس طرح شروع تیسری صدی ہجری میں مسلمانوں نے کلمۃ الحکمۃ حوالۃ المؤمنین اور وجدہا فہو احق بہا پر عمل پیرا ہو کر اپنی دراشت سمجھتے ہوئے اب کتاب کے ساتھ ان علوم کو چمکایا۔ چوتھی صدی ہجری میں شافعیہ منصور بن نوح سامانی کی درجست پر حکیم ابو نصر فارابی نے ان کی ترمیم و تہذیب کر کے معلم ثانی کا لقب پایا اور فلسفہ ارسطو میں بہتارت پیدا کر کے تقریباً دو درجن تصانیف لکیں جو سلطان سعود کے زمانے تک اصفہان کے کتب خانہ صوان الحکمتہ کی زینت بنی رہیں۔ سلطان سعود نے شیخ رئیس ابو علی بن سینا المتوفی ۴۲۸ھ ۱۰۳۷ء کو اپنا وزیر بنا کر تصانیف فارابی سے اقتباس کرا کے کتابیں لکھوائیں۔ اتفاق سے کتب خانہ نذر آتش ہو گیا تو ابن سینا محافظ علوم بن گیا۔ اب جو کچھ ہے اسی کی صفت کا

شہ ہے۔

ابو محمد بن احمد ناسی وزیر عبدالرحمن مستظہر باللہ محمد زکریا رازی صاحب مدد تصانیف
المتوفی ۳۲۰/۴۹۳۲ (محمد منصور بن اسماعیل سامانی) نے بھی چوتھی صدی ہجری میں اس پودے
کو پروان چڑھانے میں کسر دھار کی۔ آخر الذکر نے فلسفہ ارسطو کی وہجیاں فضائے آسمانی میں
اڑائیں اور اعتراضات و شبہات کا بے پناہ ذخیرہ کتابوں میں چھوڑا۔

پانچویں صدی ہجری اور اس کے بعد امام ابو حامد محمد الغزالی المتوفی ۵۰۵ھ علامہ ابن
رشد المتوفی ۱۱۹۸ھ، امام فخر الدین رازی المتوفی ۶۰۶ھ، ابن تیمیہ الحارثی المتوفی ۷۲۸ھ/۱۳۲۷ھ
نجم الدین نجفی، ابن سہلان اور افضل الدین غزنوی وغیرہم نے ان فنون میں نئی نئی باریکیاں پیدا
کیں۔ اجتہادات کئے۔ آخر الذکر کی کتابیں دو سو سال تک داخل نصاب رہیں۔ علامہ
ابن خلدون نے وعلى صعبه معتمد المشارقة لهذا العهد
”اس کی کتابوں کو اس عہد کے علماء مشرق کا اعتماد حاصل ہے“ لکھ کر سند اہمیت
عطا کر دی ہے۔

شیخ الاشراق شہاب الدین سہروردی نے مشائیر (تبعین ارسطاطالیس) کے
معتقدات پر مغرب کاری لگا کر نئے باب کا اضافہ کیا۔

نصیر الدین محقق طوسی، قطب الدین رازی، صدر الدین شیرازی، قاضی جمال محقق دہلوی،
علامہ محمد بن محمد صاحب شمس بازہ و فرائد وغیرہم نے اس فن کو چار چاند لگائے۔ یوں تو شاہان اسلام
کی قدرا فرمایوں نے اطراف و اکناف عالم کے مشاہیر و فضلاء کو ہندوستان کی طرف متوجہ
کر دیا تھا لیکن سلاطین ہند کے عہد میں عرب و عجم کے اہل فضل و کمال کا یہ ملک مسکن بن گیا۔
حضرت امیر خسرو نے یکے بعد دیگرے سات بادشاہوں کے دربار میں اعزاز
حاصل کیا۔ مختلف افتاد بات دیکھے مگر ہندوستان سے منہ موڑا۔

شعرا میں نظیری نیشاپوری، ملک نئی، عرفی شیرازی، غلامی، غزالی مشہور، عالمی
شیرازی، حکیم مہدائی، غنی کشمیری۔

اطباء میں حکیم بنیا، حکیم علی، حکیم الملک گیلانی، حکیم عین الملک شیرازی، حکیم ابوالفتح
گیلانی، حکیم ہام گیلانی، مسیح الملک شیرازی۔

کتاب میں شیریں قلم، ذرین قلم، بغت قلم۔
علمائے شیخ حسین موصلی، مولانا فتح اللہ شیرازی المتوفی ۹۹۷ھ، مولانا میر اسماعیل
 میر علم ہروی المتوفی ۱۰۶۱ھ، میرزا ہروی المتوفی ۱۱۱۱ھ، مولانا میر کلان محکم جہانگیر المتوفی ۹۸۳ھ
 مولانا صدر جہاں، مولانا غازی خاں بدخشی وغیرہم۔

ان کے علاوہ دوسرے فنون کے ماہرین نے شاہی درباروں کو رونق بخشی تھی۔ ہندو
 درحقیقت جنت نشان بن گیا تھا۔ علوم و معارف کے دریا بہہ رہے تھے۔ روحانیت کے
 چشمے ابل رہے تھے۔

سلطان بادشاہوں کی قدر دانی کے صرف دو واقعے شہادت کے لئے کافی ہیں۔
 سلطان محمد بن تغلق شاہ نے مولانا معین الدین اعلیٰ دہلوی کو قاضی عضد الدین صاحب محلے قف
 کی خدمت میں شیراز بھیج کر درخواست کی کہ برقیہ پر ہندوستان تشریف لاکر متن مراقف
 کو میرے نام پر معنون کر دیجئے۔ سلطان ابوالفتح والی شیراز کو پتہ چلا تو دوڑا ہوا علامہ قاضی
 کی خدمت میں پہنچ کر عرض پروا نہ ہوا کہ ہر خدمت کے لئے حاضر ہوں۔ تخت سلطنت کی
 خواہش ہو تو دستباز ہونے کو تیار ہوں۔ خدا کے لئے شیراز کو تہنہ بنائیے۔ قاضی صاحب نے
 سلطان کی تواضع و قدر دانی سے متاثر ہو کر رادہ بدل دیا اور سلطان ہی کے نام پر کتاب معنون
 کر کے ہمیشہ کے لئے زندہ جاوید بنا دیا۔

دوسرا واقعہ علامہ میر فتح اللہ شیرازی سے متعلق ہے۔ عادل شاہ بجاپوری نے
 ہزاروں خواہشوں کے ساتھ دکن بلا کر اپنا وکیل مطلق بنایا۔ ۹۹۱ھ میں اکبر بادشاہ نے
 صدر کل بنا کر ۹۹۳ھ میں امین الملک اور عضد الدولہ کے خطاب سے نوازا۔ ہندوستان کے
 مشاہیر علماء ان کے حلقہ درس میں شریک رہے۔ محقق دوانی، صدر شیرازی، میر غیاث الدین
 منصور اور میرزا جان کی تصانیف ہندوستان لاکر داخل نصاب کیں۔ انہی کے زمانے سے
 علوم تعلیم کو شاندار فروغ حاصل ہوا۔ ۹۹۷ھ میں ان کے انتقال پر اکبر بادشاہ کے الفاظ نظر انداز
 نہیں کئے جاسکتے۔ تاثر اکرام میں ہے :-

”پادشاہ از قربت میر بسیار متاسف شد و ہرزبان گزرا نید کہ
میر وکیل و طبیب و منجم ما بود۔ اندازہ سوگواری کرتا نہ شناخت
اگر بدست فرنگ افتا دے و ہنگی خزانہ در برابر خواستے
دیں سو دافراواں سود کر دے۔ واک گرامی لبس ارزاں
خریدے۔“

فیضی گوید کہ

شہنشاہ جہاں را در فاقش سبیز پر تم شد
سکنہ اشک حسرت بخت کا فلاحوں عالم شد

یہی وہ قدر واتی اور عزت افزائی تھی جس کی وجہ سے سارے عالم سے مشاییرِ وقت
پہنچے چلے آ رہے تھے۔ عوام کی یارش ہو رہی تھی۔ علامہ فضل حق کے مورثان اعلیٰ شمس الدین اور بہاؤ الدین
دونوں بھائیوں نے بھی ہندوستان کو رونق بخش کر حمد سے سنبھالے۔

ولادت و نسب

علامہ فضل حق خیر آبادی ۱۲۱۲ھ مطابق ۱۷۹۷ء میں اپنے آبائی وطن خیر آباد خیر آباد میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد ماجد مولانا فضل امام خیر آبادی علما کے عصر میں ممتاز اور علوم عقیدہ کے اعلیٰ درجہ پر سرفراز تھے۔ دارالسلطنت دہلی میں صدر الصدور کے عہدہ بطیبہ پر فائز اور دینی و دنیوی نعمتوں سے مالا مال تھے مولانا کے والد مولانا محمد ارشد ہر گام سے خیر آباد اگر حکومت پذیر ہوئے۔

شجرہ نسب یہ ہے :-

فضل حق بن مولانا فضل امام ابن شیخ محمد ارشد بن حافظ محمد صالح بن عبد الواحد بن عبد الماجد بن قاضی محمد الدین بن قاضی اسماعیل ہرگامی بن قاضی محمد دہلوی بن شیخ آرزائی الدہلوی بن شیخ منصور بن شیخ غفیر الملک بن شیخ سالار شام بن شیخ وجیہ الملک بن شیخ بہادر الدین بن شیر الملک شاہ ایرانی بن شاہ عطاء الملک بن ملک باوشاہ بن حاکم بن عادل بن تاروں بن جرجیس بن احمد تاروں بن محمد شہر بار بن محمدان بن دامان بن جلیوں بن قریش بن سلیمان بن عثمان بن عبداللہ بن محمد بن عبداللہ بن امیر المؤمنین غلیفۃ المسلمین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

اس طرح ۳۳ واسطوں سے غلیفۃ ثانی تک نسب گرامی پہنچتا ہے۔

علامہ کے مورثہ اعلیٰ شیر الملک بن شاہ عطاء الملک ایرانی کے مورثان ایک قطعہ ملک ایران پر قابض و حکمران تھے۔ زوال ریاست پر دولت علم کافی۔ شیر الملک کے دو صاحبزادے بہادر الدین اور شمس الدین ذی علم بزرگ تھے۔ اس وقت ہندوستان قدر دانی علی اردو مشاہیر میں خاص شہرت رکھتا تھا۔ تمام اہل کمال ادھر کھینچ رہے تھے۔ یہ دونوں بھائی

ایران سے دارو بندوستان ہوئے شمس الدین نے مسند افتاء بنگلہ بنیاد حضرت
شاہ ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم محدث دہلوی انہیں کی اولاد سے ملے۔

ہمدان الدین قبة الاسلام بدایوں کے مفتی ہوئے ان کی اولاد میں شیخ ارزانی بدایونی
نامور بزرگ اور اعلیٰ درجہ کے مفتی ہوئے ہیں شیخ عمو الدین بن شیخ ارزانی تحصیل علم کی خاطر
قاضی ہرگام (ضلع سیٹاپورا دودھ) کی خدمت بابرکت میں پہنچے۔ قاضی صاحب نے تحقیق
شرافت و نہایت کے بعد اپنا داماد بنایا۔ قاضی صاحب کے انتقال کے بعد قاضی ہرگام
وہیں شیخ اسماعیل پیدا ہوئے جو اپنے نانا اور والد کے بعد قاضی بنے۔ شیخ سعدی کاوری
کا دختر شہنائی جوئی جن سے قاضی صدر الدین پیدا ہوئے جن کا شمار شافعیہ میں تھا۔

قاضی صاحب کے دو صاحبزادے اور دو صاحبزادیاں ہوئیں۔ ایک صاحبزادے
علامہ ابو الوفاء اورنگ زیب عالمگیر کے تالیق رہے اور فتاویٰ عالمگیری کے مؤلفین میں سے ہیں
بدایہ و مطول و ملامتال پر جاشے کھے۔ ان کی شخصیت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ وہ قطب الدین
شہید سہاروی (والد استاد لکھنؤ) کا لکھنوی فرنگی مہملی، ان سے ملاقات کے
نئے ہرگام پہنچے تھے۔ علامہ علیہ ہمدانی صاحب سلم آپ کے درس میں شریک ہونا چاہتے
تھے۔ آپ کے پاس وقت نہ تھا۔ اس لئے سہاروی جہاں قطب الدین شہید کے شاگرد ہو گئے
دوسرے صاحبزادے ملا عبد الماجد کے قلم۔ علامہ علیہ عبد الماجد فاضل جمیل تھے کافیہ

کی مبسوط شرح اور حاشیہ تفسیر کھجور کھا۔ سید عبد الواحد کرمانی خیر آبادی (استاذ مولانا فضل امام
خیر آبادی) نے کتابت ملا قطب الدین بن قاضی شہاب الدین گویا مومی المتوفی ۱۱۶۰ھ میں یہ
حاشیہ تفسیر دیکھ کر فرمایا کہ "من حواشی ملا۔ برتھو یا تفسیر نرشدہ دیدہ ام بنایت غریب ہے"
دختر قاضی صدر الدین نسل مفتیان گویا موم ہے اسی فائدان کے ایک علمی فرد مفتی انعام
خاں بسا اور گویا مومی مفتی محکمہ قضاۃ بمبئی و معاصر علامہ تھے۔ یہ خاتون مفتی عبید اللہ شہابی برادر بھائی

ملا حاجت شہ ولی اللہ۔ ملا علی ہرگام دختر خودا و مومی ہمدان معروف علامہ تھیں اگرچہ قاضی ہرگام قاضی ہمدان و صاحب
ہرگام نامور محدث ہاں جاہلات یافت و مدفن گردینہ ذکرہ الاشباب مولوی مصطفیٰ علی گویا مومی کے صاحبزادے تھے۔
ملا علی ہمدان کے بعد مولانا فضل امام خیر آبادی کے ذکرہ اشباب۔

موصوف ہرے طباع و ذہین تھے۔ مولانا سید عبدالواجد کرمانی خیرالہدی کے ارشد تلامذہ
 سے تھے علومِ انہدیہ و تعلیمیہ میں سے حاصل کئے اس کے بعد صمد العبدوری کے عہدہ جلیلہ پر
 دہلی جا کر فائز ہوئے۔ تذکرہ علمائے ہند میں ہے :-

شاگرد رشید مولوی سید عبدالواحد خیر آبادی منصب صدر الصدوری ،
شاہجہان آباد از مسکن را نگہ نمی عزت و امتیاز داشت بر میرزا بدرالد
میرزا بدلا جلال خواشی نوشته و در علوم عقیدہ گویے بہت رپودہ آمد تا کہ در آل
قواعد فارسی بیان کردہ و نیز ترجمہ علمائے جوار کائنات تحریر فرمودہ پس مفید مبتدیان
است۔

مولانا شاہ صلاح الدین مصغوی گوپاموی اذہنید رشید مولانا محمد اعظم سندیلوی و سرید و
خلیفہ مولانا شاہ قدرت اللہ مصغی پوری کے مرید تھے۔

مولانا نے بیسیوں مفید و معجزہ آثار کتابیں لکھیں جن مصنفات کا نام اور پتہ معلوم ہو سکا وہ درج کی جاتی ہیں۔ وہ ایک کے سوا سب غیر مطبوعہ ہیں۔ سب سے زیادہ مشہور تصنیف منطق میں مرقات ہے جو تمام مدارس عربیہ میں داخل نصاب ہے میرزا ابدرسالہ میرزا بدر علی صاحب منطق میں مرقات کے تالیف کنندگان میں شمار کئے جاتے ہیں۔

[illegible]

فرمانِ عزامت کے ساتھ مشغلہ تدریس و تصنیف ہمیشہ جاری رکھا۔ مادۂ انعام و تنہیم خدا نے ایسا بخشا تھا کہ ایک بار شریکِ درس ہونے کے بعد طالب علم دوسری طرف کارِ علمی نہ کرتا تھا شاہ غوث علی صاحب جو موصوف کے شاگرد اور صوفی نش بزرگ گزرے ہیں جنہوں نے تمام عمر سیاحت میں بسر کی ان کا بیان تذکرہ غوثیہ میں نظر سے گزرا فرماتے ہیں شاہ عبدالعزیز صاحب شاہ عبدالقادر صاحب اور مولانا فضل امام کی شاگردی کا مجھے فخر حاصل ہے۔ آخر الذکر استاد کی جو شفقت میرے حال پر تھی وہ بیان سے باہر ہے مولانا کے ساتھ دہلی سے پشاور تک تعلیم کی غرض سے میں بھی چلا گیا۔ میری علمائے شاہ سال کی تھی کہ استاد عالم باورانی کو فرصت ہو گئے میں نے بھی تعلیم کو خیر باد کہہ دیا کہ نابینا شفیق و قابلِ استناد اے گانہ فریضوں کا۔

ایک بار جب ہی شاہ صاحب علامہ فضل حق کو ملے اور موصوف نے تعلیم کے نامکمل رہ جانے پر انھیں افسوس کیا تو کہنے لگے :-

”کہہ پڑے عالم ہو جاتے تو کیا ہوتا، زیادہ سے زیادہ آپ جیسے ہوتے۔“

علی قاضی کا اندازہ تو اسی سے کیا جاسکتا ہے کہ ایک جانب شاہ عبدالعزیز اور شاہ عبدالقادر کا ذکر مکملات میں نہج رہا تھا اور دوسری طرف اسی دہلی میں مولانا فضل امام کے معقولات کا سکھ چل رہا تھا۔ طلباء دونوں دریاؤں سے سیراب ہو رہے تھے مفتی محمد الدین خان اُردو، علامہ فضل حق وغیرہ بھی دوسرے علماء کی طرح ہمیشہ ایک جگہ چلتے تھے اور منطق و فلسفہ دوسری جگہ خود علامہ کی ذات گرامی مولانا کی مسلم اثبوت قاضی کی شاہدِ عدلیہ ہے۔

سید احمد خان نے آثار العنادید میں مولانا کا ذکر جس عقیدت مندی سے کیا ہے وہ دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ ابستاد ان صفات و اقباب سے کی ہے :-

”اکل افراد نور انسی، مبطل انوار فیض قدسی، سراپے چہرۂ بین الیقین، کوس اس صفت دوہین، حاجی آغا جبل، پادہ بنتے عتبات، محی مہر علم بانی سہانی انصاف، قدود علمائے خول، حاوی معقول و منقول، بسند اکابر و زکار، مرجع اعالی دادانی ہر دیار، مزاجدان شمع کمال، جامع صفات جلال و جمال، مودد

نفس، دل وابد، مطروح انظار سعادت سرمد، مصداق مضمون تمام اجزا و واسطۃ العقد،
 سلسلہ حکمت اشراقی و مشائی، زبدۃ کرام، اسوۃ عظام، مقتدائے انام مولانا
 مخدوم مولوی فضل امام ادھلہ اللہ تعالیٰ نے جنتہ انیم بلطف الیمین۔
 مولانا روحانیت میں بھی بلند تجربہ کئے تھے۔ آپ کے والد شیخ محمد ارشد فرشتہ سیرت انسان
 تھے۔ مولانا احمد اللہ بن حاجی صفت اللہ محدث خیر آبادی سے بیعت تھے۔ آپ کے ایک صاحبزاد
 عالم جوانی میں فوت ہو گئے باقضاء نو عمری احکام شریعہ کے پابند نہ تھے۔ اس لئے مولوی ارشد
 صاحب کو تشویش رہتی تھی۔ پیر مرشد کی خدمت میں ظہری بے بیعتی ظاہر کی۔ پہرے دعا کی شب میں
 سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی کہ سرور رسالت (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) آپ کے
 بارغ میں (جہاں مرحوم کی قبر تھی) تشریف لائے اور میل کے نیچے دست فرمایا۔ بعد نماز فجر پیر دوسری
 دونوں ایک دوسرے کو مبارکباد دینے روانہ ہوئے۔ راستہ میں دونوں طاقی ہوئے تو ایک
 دوسرے کو بشارت کا حال بتایا۔ وہیں سے دونوں پکے بارغ میں پہنچے تو دیکھا کہ مقام معبود پر
 وضو کا اثر یعنی پانی کی تری موجود تھی۔ ایک عرض کیا کہ لوگ اس جگہ کی زیارت کرتے رہے۔ مولانا
 تقی علی خان بھی مع صاحبزادہ مولانا احمد رضا خان ۱۳۰۹ھ میں اس مقام کی زیارت کے لئے بریلی سے
 خیر آباد پہنچے اور مولانا حسن بخش کے مہمان ہوئے۔ افسوس نہ اب وہ درخت باقی ہے نہ اس جگہ کا
 پتہ چل سکتا ہے۔ مفتی فخر الحسن خیر آبادی جو ان معزز مہمانوں کی زیارت میں شریک رہے تھے حلیہ
 کمر پاس اس بیل کے درخت کی جگہ بتاتے ہیں ظاہر ہے کہ ایسے شفیق باپ نے فضل امام کی تربیت
 میں کیا کسر شاکی ہوگی۔

مولانا نے دہلی میں خراب دیکھا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکان میں فروکش ہوئے ہیں

ملے موصوفت میں پرورجنی دونوں میں بالکل تھے۔ اپنے والد ماجد اور طاکال عہد کے سوا کسی کے نہ آگئے تھے۔ دوسرے ہی صیت تھے۔
 صاحب کرامت اور عالم محمد شفیع تہجد تھے۔ ایک اور وہی کراچی سے بہت لوگ جاگ ہو گئے تھے غرض انہی میں سے ایک صاحبزادہ
 کے وہ خاص حلقہ الہک اپنے گھر لے بیٹھے کی وجہ سے سخت پریشان تھے کہ پڑے پڑے ہوئے تھے۔ کوشش و محنت سے
 موز۔ محاذ انہی ایک ہی رات کو پڑ گئے۔ یہ حال دیکھ کر وقت طاری ہو گئی اس پر کوئی اپنی طرف متقل کر دیا تو خاص صاحب کو تسلی
 دی کہ یہ پریشان نہ ہوں۔ یہ جاس نے اپنے سرے لی۔ مولانا کو گھر پہنچے پہنچے کھانے آدیا اور خدمت پرستی کی تیسرے چوتھے
 روز شہب جس میں دست فروغی۔ والدہ ماجدہ کے پاس مدھون ہوئے۔ درجۃ الشہید (آمد مر)

۱۰ رفلان مکر سے میں اقامت گزریں ہیں تب تو دریافت کر چکے تھے علامہ کو حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں بھیجا۔ شاہ صاحب نے فرمایا کہ ہمارے فرزند اسماعیل مکر سے نکلان نوا اور اس کو بالکل خالی کر دو چنانچہ ایسا ہی کیا گیا خالی ہوتے ہی وہ کھڑا کر گیا۔

یہ چیز سمجھ میں نہ آئی شاہ صاحب سے دریافت کیا گیا کہ یہ تعبیر کیونکر ہوئی فرمایا کہ اس وقت بے اختیار یہ آیت ذہن میں آگئی تھی ان الملوك اذا دخلوا قرية افسدوا ہزاروں تلافی میں سب سے زیادہ نمایاں علامہ فضل حق اور مفتی محمد الدین خاں اردوہ صدر الصدور دہلی ہوئے۔ ۵ ذیقعدہ ۱۲۳۰ھ مطابق ۱۸۲۴ء کو مولانا نے سفر آخرت اختیار کیا۔ مرزا غلام نے حسب ذیل تاریخ وفات لکھی :-

اے دریا قندوز و ارباب فضل
چوں رادت از پی کسب شرف
چہرہ ہستی خراشیدم نخست
کردم سے جنت المادی خسرام
جست سال فوت آں عالی مقام
تا بنا رخسارم گرد و تمام

گفتم اندر سایه لطف نبی
باد آرامشگر فضل امام

(۳۳) اردو ترجمہ تذکرہ علمائے ہند (۳۷)

اعطاء درگاہ مخدوم شیخ سعد الدین خیر آبادی میں اپنے دادا استادمولانا محمد علی صاحب دیوبند کی اسناد
علامہ ابوالواجد کرمانی خیر آبادی کے قریب مدفون ہوئے۔ اب تینوں قبریں شکستہ ہیں۔ ممکن ہے کچھ

شاہ متقی صاحب دہلی میں ۱۲۰۴ھ میں پیدا ہوئے۔ تاریخ ولادت "جماعۃ" ہے۔ باپ دادا کشمیری تھے۔ شاہ عبدالغفور نے شاہ عبدالغفور دہلوی کا تعلق بہتر قرار دے کر فرسید کشمیر میں داخل حق کے ہم دوس اور عمر میں ملازمت کے چند سال جیسے تھے۔ عرفی خاصہ اس کا داد و تحویل دہلوی میں شریعت کے مشافہ فیض و میر نمونہ، جو میر سے کھڑا تھا۔ غالب نے سوغت علی خاں دہلوی راہب و نواب صدر حق حسن خان قزوینی بھولی دہلی اور سرسید کا مورخان خصوصاً مذکور ہے ہیں۔ متقی القالی فی شرح حرمیت لافندہ الزوال دہلی مکتوفہ فی حکم لفظ المکتوفہ اور امور کثیرہ و مستغنیان یادگار ہیں۔ ۱۷۵۰ھ کے ہنگام میں بغاوت کے الزام میں دھرتے تھے۔ مابعد از ضبط ہوئی۔ بعد میں کچھ بھارت آباد ہوئے اور گورنر نشین ہو گئے۔ خوشی جہاد و دستکوں کے سلسلے میں شہادت باجبر ہو گئے۔ انگریزوں کے ہاں چھڑائی۔ ۱۲۴۳ھ اولیٰ ۱۷۵۰ھ میں دہلی ۱۷۶۰ھ اور دہلی شہید ہوئے۔ "جماعۃ و دجلہ" برو" ۱۷۵۰ھ آج ہے۔ سزا غالب علی جوشتی صاحب کے مکتوب میں مذکور ہے۔ اسی سال زین ملک دہم ہوئے۔ سرسید صاحب نے ان کا نام دیا ہے دہلی میں ولادت یافتہ ہیں۔ ان کا تعلق ہے۔ شاہ سید حسین غالب۔ ۱۷۵۰ھ کو ان کا سال ۱۲۴۳ھ میں پیدا ہوا۔ ان کے ولادت ہندو دہلی ۱۷۵۰ھ

حافظ محمد اسلم رحمہ اللہ اپنے اپنے وقت کے صاحب کشف و کرامات بزرگ ہوئے ہیں۔ یہ بزرگانِ کرام شاہِ عمر بھی تھے تصوف و معرفت میں ان کا ڈھباً ہوا کلام اب بھی اوادھ کے قوالوں کو یاد ہے جو اس کے مواقع پر زینتِ محافل بنتا ہے۔ اس وقت بھی حضرت شاہ مقبول میاں صاحب قلندر کی بدولت خیر آباد میں خلقِ فنا ہوا ہے۔

علماء میں پچھلے دور میں سب سے بڑی شخصیت مولانا جی مفتی اللہ محدث خیر آبادی شاگردِ علامہ قطب الدین شمس آبادی کا نذری ہے۔ آپ کے صاحبزادے مولانا احمد اللہ ان کے شاگردِ علامہ عبداللہ خیر آبادی خیر آبادی صاحب فضل و کمال اور دور و نزدیک مشہور تھے۔ علامہ خیر آبادی سے دہلی پہنچے تو ایک سے بڑھ کر ایک بال کمال نظر آیا۔ مفسرین، محدثین، فقہاء، فلاسفہ، اولیاء اور شعرا جس طبقہ پر نگاہ ڈالنے :
 زکدام بنے اسے گل کہ چنین خوش است بریت

زبان پر ہے ساختہ آجائے تھا۔

والد ماجد مولانا فضل امام صدر الصدوق نے مکان کے علاوہ ہاتھی اور پاکی پر بھی دربار آجاتے وقت ساتھ بٹھا کر کس دینا شروع کیا۔ علومِ تہذیب میں مفسر سنی ہی میں اپنا جیسا یاد نہ روٹا بنا دیارِ منقولات کی تحصیل کے لئے دربارِ شہزادہ عبدالقادر اور حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ میں پہنچا یا۔

علامہ فضل حق وہاں بھی ہاتھی پر جاتے تھے مفتی صدر الدین خاں بآزادہ بھی ساتھ جوتے تھے۔ رئیس زادہ ہونے کی وجہ سے کہیں نہ جنگار کتاب ساتھ لے کر پہنچتا تو شاہ صاحب کشف سے مطلع ہو کر اس روز سبق نہ پڑھاتے۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ تعلیم کے ساتھ اس دربار

مطالعہ و صورتِ خوش اکثر ملاحق تھے آپ کا چرنا گود و جنگار پہنچتا ہوا تھا تقریباً سو فرسٹے کر مایہ و داری لسان کیا بھی طرح بکھیرتا تھا۔ مولانا محمد اسلم سنہ ۱۲۸۵ کے دراصل تھا۔ اسے دیکھ کر ہر جہاں انتہا شفقت کرتے تھے بعض کتابیں تو مولانا محمد اسلم کو بھی دے دیتے تھے۔ مولانا محمد اسلم کو بھی دے دیتے تھے۔ مولانا محمد اسلم کو بھی دے دیتے تھے۔

ج ۱۰۰ میں دعت ہوئی۔ ایک سو تیسے کا بیچ و ناست گئی ۱۰

دو تہرہ ہر چاہم عسید

دعویٰ اشد رنگ دودھ

رفت آمد تو ہے از سفر

ہیں نسبت کا بھی پورا لحاظ رہتا تھا۔ علم کی غفلت سکھائی جاتی تھی۔ استاد کی وقعت کے طریقے بتائے جاتے تھے۔ مولوی اکرام اللہ بہ روایت مفتی انعام اللہ گڑھی پور بزرگوار خود مولانا احمد علی خیر آبادی بہ روایت مولانا محمد علی شاگر مولانا عبدالحق خیر آبادی اور مولانا بابر الدین علوی بہ روایت استاد العلماء مولانا لطیف اللہ علیہ رحمۃ اللہ اس کے راوی ہیں کہ ایک روز علامہ اور مفتی صدر الدین خان یہ باتیں کرتے آ رہے تھے کہ اس فاضل کے لوگ علوم دینیہ حدیث فقہ تفسیر وغیرہ کا خوب جانتے ہیں مگر معقولات نہیں جانتے یہ دونوں ابھی شاہ صاحب تک پہنچے بھی نہ تھے کہ شاہ صاحب نے اپنے خادم کو حکم دیا کہ ایک بور یا مسجد سے باہر صحن میں ڈال دو اور ایک مسجد کے اندر بچھا دو اور جب فضل حق اور صدر الدین آئیں تو ان کو وہیں صحن میں بٹھا دینا ان کے آنے پر تشریف لائے اور فرمایا کہ مسیحا آج صبح پڑھانے کو جی نہیں چاہتا البتہ یہ جی چاہتا ہے کہ کچھ معقولوں کی خرافات میں گفتگو ہو۔

یہ دونوں اس میدان کے مروتھے ہی فوراً بولے صبی حضرت کی خوشی شاہ صاحب نے کہا کوئی سسٹو۔ قوی پہلو تم اختیار کرو اور کمزور مجھے دو چنانچہ حصول الاشیاء بانفسہا و باشاہما پڑ گفتگو شروع ہوئی۔

شاہ صاحب نے دلائل سے باشاہما کے قول کو ثابت کر دکھایا۔ بالآخر دونوں کو اعتراف کرنا پڑا کہ شکست تو کھا گئے لیکن یہ شکست روحانیت سے کھائی ہے

ملے جنس ہیکلہ کے نسب چکھنے میں ۲۳ برس میں پیدا ہوئے "جولام" مادہ تاج پڑ پیدائش ہے ہیکلہ کے مشہور والد پانچا حضرت شمس العارفین شاہ جمال کی اولاد سے ہیں۔ مدرسہ کاتب حضرت ابو عبیدہ بن الجراح سے منہ ہے۔ ۱۰۰ برس موطوئے اپنے سفر میں حضرت شمس العارفین کا ذکر کیا ہے۔ ابتدائی استاد وسیعہ و فاضل ملہاں میں تھے مولوی محمد عظیم الشان و مولوی حفیظ اللہ شہید۔ دراستہ مولانا عاتق احمد کا کردار مفتی و صنعت کو مل سے بڑھے۔ شہر کے قبل استاد کے حکمرانی کے سرشت دار ہوئے۔ صدر کے بعد مفتی عاتق اللہ ان بھی دے گئے۔ ہیکلہ آگئے۔ ابتدا میں کابیتوں کے قائم کیا وہ مکتب میں دس مدرسہ پڑ پڑنگی میر کی اسی کے بعد استاد صفی اللہ ان سے واپسی پر مدرسہ فیض عام کا پندرہ میں مدرسہ دوم کر دیا۔ کچھ دن بعد مدرسہ اولی ہو گئے۔ سات برس کا پندرہ برس کے بعد دریا میں مسجد ہیکلہ میں مدرسہ اول ہوئے۔ پچاس روپے شاہجی ہوا۔ ۱۸۵۰ء سے ۱۸۵۳ء تک مسلسل دس روپے۔ ۱۸۵۳ء میں تنہا عدم عقیدہ کے قصیدے میں نام پڑ گیا اسی سے استاد نے نہایت دلی ۱۸۵۵ء میں سات روپے پانچ برس کے استاد اس کے بعد یہ ترقی ہوئی۔ آخر میں ایک چار ترقی خدمات ہو گئے۔ ۱۸۵۳ء مطابق ۱۹۱۶ء کو اس کے ان نوے برس کی فوجیں ہیکلہ میں وفات ہوئی۔ شاہ جمال میں مدفن ہوئے۔ استاد اصطلاح "مادہ تاج" ہے۔

(استاد العلماء و معتمد نواب صدر یازہنگ بہادر)

علیت سے نہیں۔ لاجواب تو ہو گئے لیکن بات وہی ٹھیک ہے جو ہم کہتے ہیں ایہ بڑا معرکہ
 اٹا رہا منسوب ہے علامہ نے عاشقہ کاغذی مبارک میں اس پر مفصل و مدلل غامق فرمائی فرمائی ہے،
 شاہ صاحب نے فرمایا کہ تم یہ نہ سمجھو کہ ہم کو معقول نہیں آتی۔ ہم نے اس کو ناقص اور
 واپس بات سمجھ کر چھوڑ دیا ہے مگر اس نے ہمیں اب تک نہ چھوڑا۔ وہ اب تک ہماری قدم
 بوسی کئے جاتی ہے۔

اس مباحثہ سے شاہ صاحب کا مقصد صرف تنبیہ تھا کہ اساتذہ کی جانب سے وقفی حصول
 علم سے مانع ہوتی ہے۔ استاد اور شاگرد کے درمیان عقیدت، ہی کلابط ہوتا ہے جو افہام و
 استفہام میں معین و مددگار بنتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ اس دور میں کامل کی بجائے ناقص اور
 لائق کے بدلے نالائق افراد کی بسات ہے۔

فطانت و ذہانت

۱۲۲۵ء مطابق ۱۸۰۹ء میں تیرہ سال کی عمر میں تمام درجہ علوم عقیدہ و نقلیہ و الیہ کی تکمیل
 کی چار ماہ اور کچھ روز میں قرآن مجید حفظ کیا۔

تو اتنے سے یہ روایت پہنچی ہے کہ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے جب رشیدیہ
 میں تحفہ اشاعری معتقدانہ انداز میں تحریر فرمائی تو شیعہ میان ہند کی طرح بنی شیعہ ایران میں بھی
 ہیجان پیدا ہوا۔ ایران سے میر باقر داماد صاحب آقائے المبین کے خاندان کا ستر عالم و مجتہد
 اونٹوں پر کتب فریقین بار کر کے شاہ صاحب سے مناظرہ کے لئے دہلی پہنچا۔ خانقاہ میں
 داخل ہونے پر شاہ صاحب نے فریقین میں زبانی ادا فرماتے ہوئے مناسب جگہ قیام کے لئے
 تجویز فرما کر رخت سفر کھلوا یا۔

شام کو فضل حق حاضر ہوئے تو شاہ صاحب کو مصروف مہمان نوازی دیکھ کر
 کیفیت معلوم کی۔ تو بڑی دیر حاضر خدمت رہ کر بعد مغرب مجتہد صاحب کی خدمت میں پہنچے
 مزاج پرسی کے بعد کچھ علمی گفتگو کا سلسلہ شروع کر دیا۔ مجتہد صاحب نے پوچھا :-

سے سب سے سزاوار۔ عہد حاضر نے مادیات کی طرف توجہ دینا شروع کیا ہے جس سے ایک مدت کی ثقافت ختم ہو رہی ہے۔
 محمد رفیع صنی

”میاں صاحبزادے کیا پڑھتے ہو ؟“

عرض کی شرح اشارات، شفاء اور افق المبین وغیرہ دیکھتا ہوں۔ مجتہد صاحب کو بڑی حیرت ہوئی۔ افق المبین کی کسی عبارت کا مطلب پوچھ لیا۔ علامہ نے ایسی مدلل تقریر کی کہ متعذر افسانہ صاحب افق المبین پر کر گئے معزز مہمان نے افسانہ کی جوابدہی کی کوشش کی تو ان کو جان چھڑا نا اور بھی دو بھر ہو گئی۔ جب خوب عاجز کر لیا تو اپنے شبہات کے ایسے انداز میں جوابات دئے کہ تمام ہمارے علماء بھی انگشت بندھا رہ گئے۔

آخر شیخ بھی انجا کر دیا کہ حضرت شاہ صاحب کا ادنیٰ شاگرد اور کشف بردار ہوں اور انہما معذرت کرتے ہوئے رخصت ہوئے۔

علماء بایران نے اندازہ کر لیا کہ اس خانقاہ کے بچوں کے علم و فضل کا جب یہ عالم ہے تو خود شیخ خانقاہ کا کیا حال ہوگا۔

صبح کو جب خیریت طلبی مہمان کے لئے شاہ صاحب نے آدمی بھیجا تو پتہ چلا کہ آخر شب میں دہلی جی سے روانہ ہو چکے ہیں۔

شاہ صاحب کو بڑی حیرت ہوئی۔ سبب ناخوشی مہماناں معلوم کرنے کی کوشش فرمائی تو فضل حق کی کرشمہ ساز یوں کا راز کھلا۔ بلا کر بہت ڈانٹا کہ مہمانوں کے ساتھ ایسا سلوک نہیں کیا جاتا وہ ہم سے گفتگو کرنے آئے تھے ہم خود ان سے ٹھٹھ لیتے۔

حضرت الاستاذ علامۃ الہند مولانا معین الدین الدجیری رامپور کے ایک اعلیٰ عہدیدار جن کا نام منافقہ میں نہیں رہا اس کے متعلق یہ روایت بیان کرتے تھے کہ ان کا قول تھا کہ ”میں اس وجہ سے مسلمان ہوں کہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی اور علامہ فضل حق خیر آبادی مسلمان ہیں۔“

خود کچھ کمال اندک کے کمالات روحانیت، دشمنی الذکر کی ذہانت و فطانت کا سکھ لوگوں کے دلوں پر کیسا جما ہوا تھا۔ ان عہدیدار کے کہنے کا مقصد تھا کہ فضل حق بمبیا دینا طین انسان جس مذہب کو حق سمجھے وہ یقیناً حق ہی ہوگا۔

درس تدریس

ہندو بیرونی ہند سے جو طلبہ مولانا فضل امام سے پڑھنے آئے مولانا کے ارشاد کے مطابق علامہ بھی نہیں پڑھاتے۔ تیرہ برس کی عمر اور سند تدریس پر رولٹی افروزی عجیب سا واقعہ معلوم ہو چکا ہے۔ علامہ درس میں معمول صاحب ریش و بردت تلافیہ اور قدما کی کتابیں زیر درس

(اس سعادت بزورِ بازو نیست

تا نہ بخشہ خدا ہے بخشندہ

ایک طرف یہ بزرگی اور دوسری جانب یہ اعتقاد غلطی کہ ایسے ہی موقع پر ایک چپڑیا اثری ہوئی درس گاہ میں آگئی۔ جب زور پر آئی تو زقند لگا کر اسے پکڑی تو یہ تمام شریک درس طلبہ بے اختیار ہنس پڑے۔

ابتدا تدریس کا زمانہ تھا کہ ایک طالب علم سے جو مولانا سے پڑھنے آیا تھا موصوف نے فرمایا کہ یہاں تم بھی فضل جی کے سبق پڑھو یا کرو۔ وہ آیا غریب آدمی، پر صورت، عورتیادہ، علم کم، ذہن کند۔ یہ ناک جمع، ناز پروردہ، جمال صورت و معنی سے آراستہ، چودہ برس کا سن، نبی ضیئت ذہن میں جودت، بھلائی ملے تو کیسے؟ صحبت اس آئے تو کیونکر آئے؟ تھوڑا سبق پڑھایا تھا کہ بگڑ گئے۔ اس کی کتاب چینیک دی۔ برا بھلا کہہ کر نکال دیا۔ وہ روتا ہوا مولانا کے پاس پہنچا اور سارا حال بیان کیا فرمایا کہ بلاؤ اس غیث کو۔ آئے اور دست بستہ کھڑے ہو گئے۔ مونسنا نے ایک تھپڑ ایسے زور سے دیا کہ ان کی دستا و فضیلت دور جا پڑی پھر فرمانے لگے تو تمام علم لاشعشع کے گند میں رہا، ناز و نعم میں پرورش پائی، جس کے سامنے کتاب رکھی اس نے خضوع و اداری سے پڑھایا، طلبہ کی قدر و منزلت تو کیا جانے، اگر مسافرت کرتا، بیگ، مانگتا اور طلب علم جتنا تو حقیقت معلوم ہوتی، طالب علم کی قدر ہم سے پرچہ، خبردار تم جانو گے اگر آئندہ ہمارا طالب علموں سے کچھ کہتا ہے

درازی شب از شرکان من پرس

کہ یکم خواب در چشم نگشت است

یہ چپ کھڑے روتے رہے کچھ دم نہ مارا۔ غیر قصہ رفع و دفع ہوا لیکن پھر کسی طالب علم سے کچھ نہ کہنا۔

شاہ غوث علی صاحب جب ایک بار رامپور میں علامہ سے ملے اور یہ واقعہ یاد دلایا تو مقدمہ نے اس سبب و شتم اور ضرب مومن کی تائید کی تھی۔

مولانا کے اس واقعہ سے ظہار پر شفقت اور اولاد کی ہدایت و تربیت کا چند پر معلوم ہوتا ہے جن طلبہ کے متعلق حدیث میں یہ آتا جو کہ فرشتے ان کے قدموں کے نیچے پڑ بچھاتے ہیں۔ اس دور کا سرمایہ دار انہیں کسی نظر حقارت سے دیکھتا ہے یہ کوئی پوشیدہ چیز نہیں۔ کاش وہ سمجھے کہ علوم و شریعتی بقا اور مت الہیہ، قال الرسول کا فلقہ انہیں کے دم سے بند ہے۔ اگر یہ پورے نشین اور غریب و مسکین کی جماعت نہ ہوتی تو ہندوستان سے مذہبی علوم کا جنازہ ہی نکل چکا ہوتا۔

مولوی رحمن علی اپنا مشاہدہ لکھتے ہیں کہ میں نے ۱۲۶۳ھ میں (پوری ایک صدی پہلے کی بات ہے) اس وقت علامہ کی عمر پانچ سو سال کی تھی، اہتمام لکھنؤ مولانا کو دیکھا کہ حقہ نوشی کی حالت میں مشطریج بھی کھینچتے جاتے تھے اور ایک طالب علم کو افق البین کا درس اس خوبی سے دیتے تھے کہ مضامین کتاب طالب علم کے ذہن نشین ہوتے جاتے تھے۔

۱۸۰۹ء سے لے کر ۱۸۵۵ء تک مسلسل پچاس برس تدریس کا سلسلہ جاری رہا۔ فرائض ملازمت، امور سلطنت اور تصنیف و تالیف کا مشغلہ بھی اس میں کبھی مارج نہ ہوا۔

ملازمت

والد ماجد کے انتقال کے وقت علامہ کی عمر اٹھائیس سال تھی۔ خاندانی ذمہ داریوں کا بار پڑا۔ اکبر شاہ ثانی کا زمانہ تھا۔ دلی میں ریزیڈنٹ رہا کرتا تھا اس کے حکم میں سرشتہ دار ہو گئے۔ دہلی میں جب انگریزی حکومت قائم ہوئی تو علماء و ثقافت کا عام مسلک یہ رہا کہ انگریزی ملازمت سے اجتناب کیا جائے لیکن پھر آہستہ آہستہ نرم پڑتے گئے چنانچہ دہلی کے کئی خاندانی آدمیوں نے ملازمت اختیار کر لی تھی۔

ملے تذکرہ غوث مسیح علی حسرت دہلی تھی۔ ملے تذکرہ غوثیہ۔ ملے تذکرہ حوائیہ ہند۔
ملے تذکرہ سال تھی۔ ۱۰۰ محمد علی غوثی

حضرت سٹہ عبدالعزیز کا مولوی عبدالحمید اپنے خویش کو ملازمت میں شریک اجازت دے کر
اس دوران سے کی آخری ہندو ش کا ٹوٹنا تھا البتہ خانقاہ والوں کا مسلک خدرا انقلاب ۱۸۵۷ء تک
یہی رہا کہ وہ انگریزی حکومت کے نوکروں سے کسی طرح کا تدارک نہ یا تحفظ بھی قبول نہ کرتے تھے اور کہتے
تھے کہ ان کا وسیلہ معیشت مشتبہ ہے۔

سر سید احمد خاں مرحوم بھی خانقاہ کے مریدوں میں سے تھے اور سٹہ غلام علی سے بڑی
عقیدت رکھتے تھے انہوں نے جب انگریزی نوکری کر لی اور اس کے بعد بنے گئے تیز حسب معمول
نذر نے گئے تو خانقاہ کے تمام مشائخ نے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔
انگریزوں کو اس بات کی جڑی خواہش جو تجویز تھی کہ مسلمانوں کے خاندانی اور ذمی و عبادت
اشخاص افتاد و صدارت کے مناصب قبول کر لیں تاکہ شمالی ہند میں انگریزی حکومت عوام میں
مقبول ہو سکے۔ ہندوستانوں کے لئے بڑا عمدہ صدر الصدور عدالت کا تھا اس لئے اکبر و افاضل
کو یہی پیش کیا جا سکتا تھا۔ وہی چونکہ قدیم دار السلطنت اور اسلامی تہذیب کا مرکز تھی اس لئے
یہاں کی صدارت کے لئے خصوصیت سے اہتمام کیا جاتا تھا چنانچہ علامہ کے والد صاحب مولانا
فضل امام صدر الصدور کئے گئے۔ ان کے بعد ان کے شاگرد رشید مفتی صدر الدین خان
آزادہ اس عمدہ پرفائز کئے گئے۔ ان کے متعلق ریڈیو نے اکبر شاہ ثانی بادشاہ سے
بھی مشورہ کر لیا تھا۔ اسی طرح سر شہزادہ داری پر علامہ کا تقرر ہوا۔ آخر میں لکھنؤ میں صدر الصدور
کردئے گئے تھے۔

کچھ عرصہ بعد ریڈیو نئی دہلی میں اپنے آپ کو تبدیل کر لیا۔ یہاں بھی رنگ بے رنگ
تھا۔ یہ رنگ مزاج واقع ہوئے تھے جگمگ تنگ مزاج حفظہ راتب کہاں ارباب علم کو بے علم
سب ایک آنکھ سے دیکھتے جاتے علامہ نے استغفار دیا نواب فیض محمد خاں والی جھڑ نے
پانصد روپیہ ماحول مصارف کے پیش کئے اور قدر والی کے ساتھ اپنے پاس بلایا۔ وہی سٹہ دانگی
کے وقت ولیمہ سلطنت صاحب عالم مرزا ابو ظفر بہادر نے اپنا ایک کوس و شان علامہ کو اڑھایا
اور بوقت رخصت اکبر بہ ہو کر کہا :

”چونکہ آپ جانے کو تیار ہیں میرے لئے بجز اس کے کوئی چارہ کار نہیں کہ میں بھی اسکو
منظور کروں مگر خدا عظیم ہے کہ غلبہ و ذراع زبان پر لانا دشوار ہے۔“

مرزا غالب نے اپنے ایک خط میں اس المناک درد و فراق کا حال لکھا ہے۔ مولوی
سراج الدین کو مرزا نے کسی واقعہ کا قطعہ تاریخ لکھ کر بھیجا۔ انہوں نے مرزا کی خواہش کے بغیر
وہ قطعہ بہت سی حرج و مستائش کے ساتھ اخبار آئینہ سکندر میں چھپوا دیا جب وہ پہنچا نظر
سے گزرا تو اس کا شکریہ ادا کرتے ہوئے ایک خبر کی اشاعت کی طرف توجہ دلائی ہے۔

”گمانے رانا موس سافتن و بیج راجہ پنڈاشن عنایتی ست سرگ و رستے
ست بزرگ خاصہ کہ آں سرگ عنایت بے ابرام داعی روئے نیدہ و آں بزرگ
مرحمت بے استدعائے سائل بظہور آید مگر نہ اگر دیدہ حق ہیں واپس سرگ و کہ جب
تعالے شاذ اجزائے ممکنہ را کہ در کتب عدم متواری بودہ اند بعض عنایت پیرایہ
وجود بخشیدہ دبر آں معدومات منت ننہادہ حقا کہ اگر تاملے بسزا کر دہ شود
رقم شتن قطعہ تاریخ در آئینہ سکندر ازیں عالم خبر میدہد و چون ناخواستہ
ایں جنیں نوازش بمیاں آند ہر آئینہ رواستے خوش را چگونہ چشم تراش و شست
لاجرم در گزراش مدعا فصلے بہ میان نہاد و آرزو را سر انجام گفتگو دادہ می شود۔“

نہضت مباد کہ قدر نامشائسی حکام رنگ آں ریخت کہ فاضل بے نظیر و الطعی
یگانہ مولوی فضل حق از سرشتہ داری عدالت دلی استعفاء کردہ خود را از رنگ
عار و از ہاند حقا کہ اگر پایہ علم و فضل و دانش و کنش مولوی فضل حق آں مایہ بکاہند
کہ از صد یک و اماند و بازاں پایہ را بر سرشتہ داری عدالت دیوانی بچند ہنوز ازیں
عمدہ دول مرتبہ و سے خواہد بود۔ بالحد بعد ازیں استعفاء نواب قلع محمد شاہ
از تیس چھرا پانصد روپیہ ماہانہ برائے مصارف خدام محمدی معین کرد و نزد خود
خواند۔ روزے کہ مولوی فضل حق ازیں دیار می رفت و بیعہ خسرو دہلی صاحب
عالم مرزا ابو ظفر بہادر مولانا را پیرود کند سوئے خود طلبید و دوشت از بکوس غص
جویش و سے نہاد و آب در دیدہ گرداند و فرمود :-

”کہہ گاہ شامی گوئید کہ من رخصت می شوم مرا جز ایں کہ بنیرم اگر نیست

اما یزید وانا دانم کہ نغض دواع اول نہیاں نمی رسد لایعہ بر ثقیل“

تا اینجا سخن ولیعہد بہادر است غائب مستہام از شامی خواہد کہ واقعہ
تو ولیعہ موموی فضل حق و اندوہناکی ولیعہد بہادر و بدر و آمدن و لہائے اہل
شہر بہار تے روشن و بیان و لا و نیزہ آئینہ سکن در نقاب طبع در آید

و مراد یہی تفقہ منت پذیرانگاہیہ۔ والسلام

اس خط سے مرزا غالب کا خطاب سے بے پایاں غلوس اور غم بھر نظر ہوتا ہے
افلاس و محبت کا پتہ ایک طویل خط کے ابتدائی جملوں سے بھی چلتا ہے۔ علامہ کے مکان
کے قریب آگ لگنے کی خبر مرزا کو بذریعہ لالہ میرالال معلوم ہوئی۔ اس پر اس طرح کہتے ہیں:-

قہر و کعبہ! انگڑائیں بڑے کہ لالہ میرالال را ہوائے دیدن غنا۔ و سر
و ناگاہ شاہ گاہے کہ چرخ بند بست و خیمہ بیخ الاول بود بہ نشیمن تنہائی من
گذر افتادے آں در گرفتن آتش گرداگرد والا کاشانہ و سونقن خانہ و رخت
ہمسایگان از ہر کرانہ و ز سیدی آئیے بلالزماں درآں میانہ از کجا شنوے
و اگریش شنوے ہر آئینہ حق و دستاںہ پیش کہ شیوہ غم خواری و اندوہ ربائی
است ناگزاردہ ماندے۔ و ہم ایزدے نیانش کہ لائزہ حق شناسی و سپاس
گذاری است بقدم ز سیدیکہ ہاں اسے وفا دشمن! بیگانگان (چل میرالال)
کامیاب پیام و نامہ دامنہ نایاں جگر تشنہ ریشہ خامہ!

و اسے برمن کہ قریب از تو بہ من بناید

نامہء واسدہ مہر بعنوان زدہ! ۱۷

ایک عرصہ تک جھجھور ہے پھر مہاراجہ الور نے بلایا کچھ دن بعد سہارنپور قریب م رہا
دو سال تک کسی بڑے عہدے پر فائز رہے۔ نواب ٹونک کے پاس بھی رہے۔ نواب پور علی
خان نے رامپور بلا یا خود تلمذ اختیار کیا اور محکمہ نظامت اور مراعات عدالتین میں منسلک کر دئے

گئے۔ نواب کب ملے گاں نے بھی آپ سے پڑھا۔

دوران قیام رامپور میں اپنے مخلص دوست مرزا اسد اللہ خاں غالب کی تعریف و توصیف اکثر نواب صاحب سے فرماتے رہے، انکو نواب مرزا کے کلام کے مشتاق ہو گئے اور کچھ دن بعد تعلقات نے استواری اختیار کر لی اس طرح مرزا کی قدیم دوستی کا حق بھی ادا کر دیا گیا۔

انکو برس رامپور رہنے کے بعد مکھنوتپے گئے۔ وہاں صدر الصدور بنائے گئے۔ ۲۶ صفر ۱۲۶۳ھ مطابق ۱۳ فروری ۱۸۴۷ء کو واجد علی شاہ اختر اپنے والد امجد علی شاہ کے انتقال کے بعد سر پر آئے سلطنت اودھ ہوئے۔ ابتداء عمر ہی سے عیش و عشرت کے خوگر تھے۔ حکمران ہونے پر بھی عادت نے ساتھ نہ چھوڑا۔ نظام سلطنت میں ابتری پیدا ہوئی۔ لارڈ داروینگ گورنر جنرل نے دوسرے ہی سال ۱۸۴۸ء میں مکھنوتپہ چکر فمائش کی اس کا اثر یہ ہوا کہ ایک کچھری "حق تو تحصیل" کے نام سے مقرر ہوئی۔ اس کے مہتمم علامہ فضل حق خیر آبادی ہی قرار پائے۔ مستفیضان سپاہ فرج سرکار کہنی بسک نہ ملک اودھ کی زمیناری کا مقدمہ محکمات شاہی میں فیصلہ ہوا کرتا تھا مگر غفلت یا طمع محال سے یا سرکشی تعلقہ دار سے وہ لوگ اپنے حق کو نہ پہنچکر ہمیشہ وادریاد کرتے رہتے تھے۔ ان کی داد رسی کے لئے "حق تو تحصیل" مقرر ہوئی تھی یہ

زمانہ محلا زمست میں تمام امور دیانتداری اور زیر کی سے انہام دے حکام و رعایا دونوں خوش رہے۔ قاضی الیکس حسین سینا پوری رادی ہیں کہ زمانہ سرشتہ واری دہلی میں ایک قلعہ زمین کے لئے ہندو اور مسلمان دونوں خواہشمند تھے برادران وطن نے ایک لاکھ روپیہ کی پیشکش بھی کی چونکہ استحقاق مسلمان کا ثابت ہوا اس لئے علامہ نے وہ قلعہ زمین مسلمانوں ہی کے حوالے کر دی۔

یہی انصاف پروری و ہر و لغزیری تھی جس کی وجہ سے ہندو اقبال عبدالحق کی پیدائش پر رعایا نے اور بالخصوص برادران وطن نے تحفے تحائف کے علاوہ لاکھوں روپے نذر رکے تھے یہی قاضی صاحب راوی ہیں کہ دہلی کے کسی بچے پر کسی وجہ سے آمد و رفت ممنوع قرار دے دی گئی تھی۔ علامہ کے پاس کچھ لوگ آئے اور ہدایت نکال لے جانے کی بے بد منت ملامت ملاحج

ملہ انتحاب دار کا دشمنی سبب احمد جانی۔ شہ نہ رنجہ و دھرم چارم ملے فہم لکھی رامپوری۔ شہ عرقہ السلامہ فائز شمس احمد ازہرہ بکرات احمد لکھی۔

اجازت چاہی۔ علامہ نے ایک دستخطی پرچہ لکھ دیا کہ ”روکو مت جانے دو“ مخالفین نے
 پرچہ دیکھ کر تنگ جانے دیا۔ حکومت کی طرف سے جواب طلب ہوا۔ مخالفین نے اجازت نامہ
 پیش کر دیا۔ علامہ نے جواب دی کرتے ہوئے فرمایا میں نے تو لکھا تھا ”روکو مت جانے دو“
 علامہ نے اپنی زیر کی اور وائٹائی سے غریبوں کا کام بھی نکال دیا اور الزام بھی اپنے اوپر
 ڈالنے دیا۔ اس جملہ میں لطیف یہ ہے کہ ”روکو“ کو مابعد سے علحدہ کر کے پڑھا جائے تو کائنات
 کا پہلو نکلتا ہے اور اس کے ساتھ ”مت“ نکال کر پڑھا جائے تو اجازت ہو جاتی ہے۔
 رکو، مت جانے دو۔ رکو، مت جانے دو۔

سخن فہمی

عام علماء کی طرح علامہ شعر و سخن کے فن سے بے خبر نہ تھے۔ شعر گوئی کے نامد سخن فہمی میں
 بھی کمال حاصل تھا۔ وطن، مالوت، خیر آباد جہاں علماء و صلحا کا منبع و مسکن چلدا آ رہا تھا وہیں لکھنؤ کے
 قرب اور اپنی زمین مردم خیزی کی وجہ سے معدن شعر ابھی بنا ہوا تھا۔ علامہ کے دور میں حاجی ہروی
 تراب علی نامی منشی قدرت حسین قدرت مولوی منظور حسین شوخی متولی منشی محمد جعفر زہری منشی
 بہاری دال غاوری منشی موہن لال گرامی مولوی الہی بخش ناکر شمس مولوی فضل عظیم وغیرہم گلستان
 شاعری کے مختلف رنگ و بو رکھنے والے شگفتہ پھول تھے۔ نمونے کے طور پر ایک ایک
 دو دو شعر پیش کئے جاتے ہیں۔ قدرت بیان اور سلاست زبان کا اندازہ خود ہو جائے گا۔

نامی :	سحر جنبش ششاد گلگشت چمن	یادم آمد روش قامت دلہن کے
قدرت :	بیاض صبح نورانی دنور عارض روشن	سواد شام ظلمانی عمر موسے پیمانش
شوخی :	دی تارم کہ دم کش آبگب صبور بود	شام فراق خفتہ صبح نشور بود
زہری :	اے بنام تو سخن تازہ چو گل	وے بھد تو ز بانہا بے بل
غاوری :	دلربائی تو مانا کہ کشد	دل سوئے کاکل و پیچ سنبل
	دود آہ دل ہمچو پیر کا کل سفتد	چوں گشتاں خورشید و سنبل سفتد

چوں احد بصورت احمد بیاں شد چہاں عارفان ناش پیمبر متجامل ساختند
 گرامی، جیتوان جست از زبان شمع قصہ سوز و ساز معشوقان
 فریاد نیم تم کہ بے سنگ زده است سر از تالہ کوہ را بطپیدن در آردم
 تارکش، اٹھانا بت یا رب کس حریق نو جوہاں کو شعلہ کے کاغذ حادے گیتہ برق نشان
 عظیم، ستم نمود بہ جان من ایک شب نگہش بہ بزم غیر رواج جستگری میداد
 یہی وہ شعر و سخن کے چرچے تھے جس نے علامہ کو سخن فہمی و نکتہ سنجی میں ماہر
 بنادیا تھا۔ علامہ کی صاحبزادی بی بی مصیہ النساء والدہ محترمہ حضرت معطر خیر آبادی، بھی بڑی
 شاعرہ تھیں۔ صرف ان تخلص فرماتی تھیں۔ ہمیشہ ہونہ زبان زد شعر و موصوفہ ہی ہے۔
 خانہ یار کا کیا تم کو تپا بستادوں جیسا شائق ہونہ کی گئی ہے دہلی
 خیر آباد کی یہی وہ علمی و ادبی فضا تھی جس نے اس آخری دور میں بھی ریاض معطر،
 وسیم، کوثر، بسمل، نیر اور اختر جیسے صاحب دیوان و باکالی شعراء پیدا کئے جنہوں
 نے لکھنؤ کی گول کی لٹ کو چار چاند لگائے۔ لسان الملک ریاض کی وفات کے بعد میں نے
 ریاض اور خیر آباد کے عنوان سے ایک مبسوط مضمون لکھا تھا جو النافخ لکھنؤ ۱۲ جولائی
 ۱۹۳۵ء میں دو قسطوں میں شائع ہو چکا ہے جس میں دوسرے نامور شاعر نے خیر آباد کا ذکر
 بھی فرمایا ہے، ”ومن شاعر غلیظائع“ خیر آباد سے دہلی پہنچے تو وہاں بھی یہی رنگ دیکھا
 دار السلطنت دہلی ہمیشہ کی طرح اس وقت بھی کاہن فن کا مرکز تھی و بعد سلطنت صاحب
 عالم بونظر بہادر شاہ کی شعر و سخن کی دلچسپی نے زمین دہلی کو اور بھی رنگ بھرا دیا تھا۔
 علامہ ریاض کے نمبر کے نمبر کے سرشتہ دار ہو چکے تھے۔ و بعد سے دوستانہ مراسم تھے
 قعد میں آمد و رفت رہتی تھی۔ بڑے بڑے کہنہ مشق شاعر مولوی امام بخش مصباحی، علامہ عبداللہ
 خاں علوی حکیم مومن خاں مومن، مفتی صدر الدین خاں آزرہ، مرزا اسد اللہ خاں غائب، نواب
 ضیاء الدین خاں، نیر شاہ فیصل الدین نصیر، شیخ محمد ابراہیم ذوق، حکیم خاں عیش، حافظ عبدالحق
 خاں، جہان، میر حسن نسکین اور خدا جانے کتنے سخنوراں باکمال کا جگہ تھا جب یہ لوگ
 ایک جگہ جمع ہوتے جوں کے تو آسمان کو بھی زمین پر رشک آتا ہوگا۔ لہ

مرزا غالب سے علامہ کے پر خلوص اور گہرے تعلقات تھے۔ اس کی وجہ شاید یہ بھی تھی کہ دونوں بالکل ہم پس تھے۔ دونوں ۱۲۱۲ھ مطابق ۱۷۹۷ء میں پیدا ہوئے تھے۔ مفتی صدیق الدین خان آذرودہ "نامث شاہ" تھے۔ گویا صلیبیوں کی اصطلاح میں "آقا نیم شمش" بنے ہوئے تھے۔ یہ تینوں ایک جسم کے لئے "ابعد شاہ" و طویل عرض، حق اکا مکلم کہتے تھے جس طرح جسم اپنے اعضاء کے بغیر نہیں سمجھا جاسکتا اسی طرح ان تینوں کو جسمِ خلوص و محبت سے علو نہیں کیا جاسکتا تھا۔ مفتی صاحب دونوں سے آٹھ سال بڑے تھے "چراغ" تماریح و ولادت ہے۔ اگر سن ولادت میں دونوں میں سے کسی کا ساتھ نہ دے سکے تھے تو سن وفات میں ایک کا ساتھ چھوڑا "چراغ" دو جہاں بود تماریح وفات ہے مرزا غالب کا بھی بالی رملت یہی ہے۔ اور یہ بھی کیسا پُر لطف اتفاق ہے کہ مفتی صاحب علامہ سے آٹھ سال چھٹے تھے اور آٹھ سال بعد ہی دنیا سے رخصت ہوئے۔ علامہ کی وفات جزیرۂ اژمان میں ۱۲۸۵ھ میں آئی ہے مرزا غالب نے ولادت میں ایک دوست کا ساتھ دیا اور وفات میں دوسرے کا۔

مرزا کی شعر گوئی کا طرزِ سب سے جدا گار تھا۔ طبیعتِ مشکل پسند واقع ہوئی تھی، علماء و فضلا کی صحبت نے قابلیت میں اور چار چاند لگا دئے تھے۔ روزانہ کی صحبتوں میں مشکل اور اذوق الفاظ متعلل ہوئے رہتے تھے۔ جملوں کی نئی نئی ترکیبیں و بدیشیں پیدا ہوتی رہتی تھیں۔ مرزا جب شعر کہنے بیٹھے تو انہیں ایسے کا خیال دامگیر رہتا۔ وہ یہ سمجھتے تھے کہ میرے اشعار کے مخاطب ہی بالکمال حضرات ہیں تمہیں کی توقع بھی انہیں سے ہوتی تھی اس لئے مرزا ان ترکیبوں اور مشکل و قویں الفاظ کے لئے مجبور بھی تھے۔

مفتی صاحب اسی بنا پر سخت ناخوش رہتے تھے اور ایسے اشعار سے طبیعت میں ٹکدر پیدا ہو جاتا تھا جس کا اظہار شش و نصبت میں کرتے بھی نہ پتے تھے۔ مرزا کو آذرودہ کی اس روش کی کوئی پرواہ نہ ہوتی تھی لیکن علامہ کے شریکِ مجلس ہونے اور طرلوں کو سننے اور دیکھنے کے بعد جب مرزا کو سمجھانے کی نوبت آئی کہ یہ اشعار عام لوگوں کی سمجھ میں نہ آئیں گے تو مرزا بہت پریشان ہوئے۔ مولوی محمد حسین آزاد آپ حیات میں لکھتے ہیں کہ:-

"مولوی فضل حق صاحب فاضل بے عدیل تھے۔ ایک زمانے میں دہلی میں شریعتیہ مدرسہ میں مرزا خاں کو توال تھے۔ وہ مرزا اقبال کے ساتھ گھر رہتے تھے۔ نظم و نثر فارسی بھی لکھتے تھے۔"

نفس کہ یہ دونوں بالکل مرزا صاحب کے دلی دوست تھے، ہمیشہ باہم دستارِ مجلس اور شعر و سخن کے چرچے رہتے تھے۔ انہوں نے اکثر غزلوں کو سنا اور دیوان کو دیکھا تو مرزا صاحب کو سمجھایا کہ یہ اشعار عام لوگوں کی سمجھ میں نہ آئیں گے۔ مرزا نے کہا جو کچھ کر چکا اب تذکرہ کیا ہو سکتا ہے؟ انہوں نے کہا کہ غیر ہوا سو ہوا انتخاب کرو اور مشکل شعر نکال دو۔ مرزا صاحب نے دیوان حوالے کر دیا۔ دونوں صاحبوں نے دیکھ کر انتخاب کیا وہ یہی دیوان ہے جو آج بینک کی خراج نوگ آنکھوں سے لگاتے پھرتے ہیں۔ مولانا مائی کہتے ہیں:-

”مولوی فضل حق کی تحریک سے انہوں نے اپنے اردو کلام میں سے جو اس وقت موجود تھا دو ٹکٹ کے قریب نکال ڈالا اور اس کے بعد اس روش پر چلنا بالکل چھوڑ دیا۔“

مرزا نے اسی سے متاثر ہو کر یہ رباعی کہی تھی:-

مشکل ہے زمیں کلام میرا سے دل سن سن کے اسے سفنوارِ بکمل
آسان کہنے کی کرتے ہیں فرماش گویم مشکل و گر گویم مشکل
علامہ کی سخن فہمی کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جاسکتا ہے۔ مولانا مائی کہتے ہیں:-

مرزا کے ایک فارسی قصیدے کی تشبیہ کا شعر ہے:-

چمنِ اوردنی غیبِ ثبوتے دارند بوجہ دے کہ نازند ز طارحِ اعیان

مرزا صاحب خود مجھ سے کہتے تھے کہ میں نے ”ثبوتے“ کی جگہ ”نورے“ لکھا تھا۔ مولوی

فضل حق کو جب یہ شعر سنایا تو انہوں نے کہا کہ اعیانِ ثابۃ کے لئے نمود کا لفظ نامناسب ہے اسکی جگہ ثبوت بنا دو۔ چنانچہ طبع ثانی میں بجائے نمود کے ثبوت بنادیا ہے۔

اہل علم جانتے ہیں کہ اس اصلاح نے فلسفیانہ اصطلاح کے مطابق شعر کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا۔ مرزا کو ایسے باریک بینوں اور بال کی کھال نکالنے والوں سے سابقہ تھا یہی وجہ تھی کہ موصوف کو اپنے لئے نئی راہ نکالنی پڑی اور دشواریوں میں مبتلا ہو کر:-
”گویم مشکل و گر نہ گویم مشکل“ کہنا پڑا۔

مرزا نے ایک خط میں علامہ کو خط نہ بھیجنے کی شکایت لکھی ہے اور ایک قصیدہ جو محمد بن عرفی کے قصیدے پر لکھا ہے، خط کے ساتھ بھیجا ہے اور اس کی داد چاہی ہے۔ مرزا لکھتے ہیں:-
 سبحان اللہ! ہاں اگر از فرش گشت گام۔ دو عالم کہ دوست مرا بدو جگہ پنجس
 بر تیر۔ ہر گاہ بساز دادن آہنگ گدہ روئے آدم و سنجہم کہ ایں پردہ (یعنی نقوہ) را
 بے پردہ (یعنی بے تکلف) می توانم سرود از قہر ماں اندیشہ دور باشی (یعنی
 احتیاجی) در میان نیست۔ ہر آئینہ۔ بدیں شادمانی کہ بنورم بادوست روئے سخن
 ہست۔ انچنان بر خولیش تن می بالم کہ غم جاگد از فراموشی فراموشش و لب از زمزمہ
 کہ دل در بند سرودن آست (یعنی شکایت) خاموش میگردد۔

از خولیشتن ہر ذوق جفا با تو ستیم با ما دگر مساز کہ با تو ستیم
 دریں روز ہوائے آل در سراقاد کہ بیٹے چند در توحید مینا یعنی گفتہ آید چوں
 کوشش اندیشہ بجہت رسید کہ عرفی را محل ماند و نہ مرا جائے۔ ناگزیراں بیت را
 بد کہے و ستیم بدام کہ چوں من صد و چوں عرفی صد ہزار را بہ سخن پرورش تواند
 کرد و پایہ ہر یک بہر یک تواند نمود۔ والسلام

اس خط سے پتہ چلتا ہے کہ مرزا علامہ کو سخن فہمی و نکتہ پروری میں کیا سمجھتے تھے نیز یہ
 کہ مرزا کی شاعری علامہ کی توجہ و التفات کی کس قدر بہین منت تھی۔ غالب بھی پر کیا موقوف
 ہے علامہ کی نظر تو جہ جس کی طرف ہو گئی اسے پارس بنا دیا۔

سید اسماعیل حسین، تہذیب شکوہ آبادی جو تاسخ و رشک کے نامور شاگرد اور انیسویں
 صدی کے مشہور شاعر ہیں، مصطفیٰ بیگ نامی ایک شخص نے قتلِ نواب جان کے سلسلے میں پھنسا
 دیا تھا۔ اسی دور میں سنگم ۱۳۵۵ھ ملوث ہو گیا۔ نواب فرخ آباد کے ساتھ شریکِ انقلاب ہو گئے۔
 عموماً دریا سے شور کی سنائی۔ ہاندہ، الہ آباد، کلکتہ جیلوں میں رہے۔ ایک جگہ سے دوسری جگہ
 جکڑی ڈبیری پھنکا کر پاپادہ لے جایا گیا تھا۔ ان پر مسعوبت سفروں کو دیوان میں مختلف جگہ
 نظم کیا ہے۔ جب علامہ اٹھ ماں پہنچ گئے تو یہ بھی شریکِ مجلس ہونے لگے۔ دلی کی پٹیل
 ملہ یادگار غالب مشعر۔

مصبتوں کا کچھ کچھ غم غلط ہونے لگا۔

میری رائے ایک خط میں جو انڈمان محبسہ وزیر خان مقیم شہر باندہ کو ۲۳ مئی ۱۹۴۳ء کو میرا تھا لکھتے ہیں:-

”بیشتر غریبات و بعض قصائد لباس نظم پر شیدہ ازاں جلد یک قصیدہ
در تتبع بدر چاچی و خاقانی کہ بہ مبالغہ و اصرار عالم معقول و ادب علامہ لمیب
الشتربی البند جناب مولوی فضل حق خیر آبادی موطن دہلوی مسکن اس جزیرہ
دہن سخنہ ام و بہنا تر قصیدہ کیفیت اصرار جناب مرحوم بہ نظم آوردہ بالحمد
قصیدہ ایست کہ از قدرت ایرازی خبر میدہد۔“

علامہ کے اصرار پر ۱۵۱ اشعار کا حضرت امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی منقبت
میں جری قابلیت سے ایک قصیدہ لکھا۔ علامہ کی ہیبت کا یہ عالم ہے کہ ڈیڑھ سواشعار
تقریباً ڈیڑھ سال میں پورے کر پائے مگر علامہ کی وفات ۲۷ مئی ۱۹۴۸ء میں واقع ہوئی۔ ۱۲۷۹ء میں
قصیدے کی تکمیل ہو پائی۔ قصیدہ کا پہلا مطلع یہ ہے:-

اشکِ زمینا ہوتے ہو صفتِ جوشنِ غرقِ ہوائیل میں پر صفتِ گلِ پیریں
قصیدے کے آخری اشعار کے ذریعے ساری روحِ ادب میری کی زبان سے سینے:-

مخزنِ فضل و کمالِ عالمِ عالی مقام	ماقبہ تازی زبانِ نبضِ شناس سخن
مولوی بے نظیر فضل حق اجم شریف	دہلی سے تالکھنؤ مشتر و نوٹن
قید میں ہیں اور وہ رہتے تھے ایک جگہ	میں سمندر میں تھے غرقہ بھر غم
کہنے لگے ایک دن کچھ سبب اسکا بتا	شاعر اردو زبان اس میں ہیں نوک
مصلحتاً بتاؤں اور کنا یا ست فرس	کس نے کرتے نہیں ذلتِ نظم سخن
یا تمہل نہیں لہجہ اردو زبان	یا کوئی لائق نہیں تم میں ہے رب ظن
گو فرار میں ہو رہے قصیدے میں فرض	دقتِ معنوں ہے حسن بوجہ حسن
حضرت سودا بغیر کس نے قصیدے کہے	وہ بھی اس راہ میں ہوئے کے قطران

شاعروں میں جزو غزل پھر نہ کسی نے کہا زعم میں گواہ بنے ہوں طوطی شکر شکن

میں نے کہا راستہ ہے آپ جو فرماتے ہیں آپ سنیں تو کہئے کچھ یہ اسیرِ سخن
مصطلحات غریب جو کہ نہ معروف ہیں نظم کہے کس طرح شاعرِ بندگی سخن
جو متعارف ہوا شاعروں میں پہلے سے اس کو بھی سن سکتے آج سوہنے میں مٹنے زن

کہنے لگے یہ کلام مہمل دے بغیر۔ بہ میں شعر اسے نواہ جہل ہے ان کا وطن
گرم ہوئے جھگڑا سدا قہر و خشم بس کہ نازک مزاج مانتے ہائی شکن
کہتے تھے وہ بار بار بند یوں کہے مہمل دوزخ کنایات میں دقتِ لطف سخن

ہو کے اوجے شوش پھر یہ قصیدہ کہا کوچہ نو میں چلا قاصدِ مشق کمن
قید میں قید کتاب حافظ از بس ضعیف پردہِ غیب ہے خامہ ہوا حرفِ دن
بعض تراکیب خاص طبع کی ایجاد ہیں نظم ہوئیں جو قصیں یا د مصطلحات کمن
خف قصیدہ کیا سامنے ان کے رقم ختم ہوا جب وہ تھے ہدمِ گور و کفن
میری خطائیں کریں صاحبِ انصاف مٹو قید میں خود میں ہوں پرتوچ پوچھ بھیر سخن

غیب سے تاریک نو ہاتھ لگی اسے منیر
جزو دل و جان فی شرحِ حدیثِ حسن لے

۱۲۶۹ھ

شاعری و شری نگاری

سخنِ فہمی نکتہ آفرینی اور شری نگاری کا حال آپ معلوم کر چکے۔ اب شاعری کی
کیفیت بھی ملاحظہ کرتے چلیے۔

یہ تو گزر ہی چکا ہے کہ وطن مالوت خیر آباد علم و ادب کا مرکز بنا ہوا تھا۔ دہلی پہنچے تو وہاں بھی ہر طرف بالکمال حضرات کا جنگل نظر آیا۔ ماحول و گرد و پیش کا اثر پڑنا لازمی ہے والد ماجد کے انتقال کے بعد جب تک دہلی میں رہے علامہ کے یہاں اہل علم و ادب کی نشست روزانہ رہتی۔ دہلی میں علماء کی دو جگہ نشست تھی۔ ایک علامہ کے یہاں دوسری مفتی صدر الدین خان آذرہ کے دوست کدہ پر۔ علامہ کے علمی دربار میں اٹھویں روز شعر لے دہلی کا بھی اجتماع ہوتا تھا۔

غالب صہبائی، مؤمن، آذرہ، احسان، تیر، شاد، شیفہ، نصیر، ممنون، نصیر وغیرہم
 علماء میں مولوی عبداللہ خان ملوی، مولوی عبدالغفار، مولوی محبوب علی، مولوی
 نصیر الدین شافعی، مولوی کریم اللہ، مولوی محمد حسن، مولوی کریم علی، مولوی ملک علی، مفتی سید حجت علی
 خاں، مولوی امان علی، مولوی محمد جان، مولوی محمد رستم علی خاں وغیرہم۔

ان کے علاوہ دوسرے ماہرین فنون میں امام الدین خاں خوشنویس، غلام علی خاں
 مصور، ہمت خاں گویا، راگ دس خاں گویا، صوفی شاہ محمد ضیف، صوفی شاہ فدائین،
 سید عسکری، حکیم غلام نبی خاں، حکیم صادق علی خاں، حکیم نصر اللہ خاں قابل ذکر ہیں۔ یہ
 حضرات روزمرہ کے آنے جانے والے تھے۔

اندازہ لگائیے کہ اکبر بادشاہ کے شاہی دربار سے یہ دربار کس طرح کم تھے۔
 بادشاہ نے لاکھوں روپے صرف کر کے نورتن جمع کئے تھے اور ان شاہان علم نے اپنے
 حسن و اخلاق سے سیکنڈوں بالکمال حضرات کو درباری بنا لیا تھا۔
 امام اللہ حضرت مولانا ابوالکلام آزاد نے ان مجالس کا ذکر مولانا مہر سے کیا تھا
 انہوں نے غالب میں اسے نقل کیا ہے۔

والد مرحوم (مولانا نصیر الدین دہلوی) شب کی نشستوں میں جب کبھی اس عہد کا
 ذکر کرتے تو بار بار یہ شعر چہتے اور آہیدہ جو جاتے :

منشع من شمیم عرار فنجی فمابعد العشیۃ من عرار

شع۔ زمرہ قیامی کتبہ، پٹی شادی سہیل، اور جی، انور کی پٹی کے لئے ترجمہ کے ساتھ نقل کئے جاتے ہیں۔ (ابھی تک غلط)

علامہ نے اٹکھ کھولی تو آبائی وطن خیر آباد اور قاضی وطن دہلی میں علمی دلدلی مجاہد،
شعر و شاعری کی مصیبتیں قدم قدم پر نظر آئیں۔ ذہانت و جدت طبع مبدع فیاض کی جانب سے
پہلے ہی ولایت ہو چکی تھی۔ جہاں تیرہ سال کی عمر میں سندھ کی مجلس منقولات و معقولات حاصل
کی تھی وہاں فنون ادبیہ میں سہارا تیار کیا۔ پچھپن ہی سے شعر کہنا شروع کیا۔ عربی
فارسی دونوں زبانوں میں طبع آزمائی فرمائی۔ فارسی شاعری کے لئے فرقی تخلص رکھا۔

فرقی در کعبہ فرقی بار یا نامسلمان نامسلمانی ہنوز

علامہ نے ادب عربی میں وہ کمال پیدا کیا کہ عرب کے معاصرین شعراء سے کہیں
سبقت لے گئے۔ نظم کی طرح نثر میں بھی شاعری کی ہے۔ رسالہ ثورة الهند اور بعض خطبات
اس کے شہر عادل ہیں۔ انقلاب ۱۹۵۷ء کے ہنگامہ کے المناک واقعات کے بیان میں نجات
امیری جزیرہ اندامان مصائب و آلام کے بے پناہ مجموعہ میں جو فصاحت و بلاغت کا دوسرا
پیرایہ بیان اختیار کیا ہے اس سے علامہ کی زبان عربی پر مہارت اور قدرت کا طے اندازہ
ہو سکتا ہے۔

”شک آنست کہ خود جوید نہ کہ عطار بگوید“ کے حصول پر جب اہل علم و ادب اس
رسالہ کو جواب تک پرورہ نفا میں تھا اور اب اس سوانح حیات کے ساتھ شائع ہو رہا ہے
دیکھیں گے تو شام بیاں کو معطر بنائے بغیر نہ رہ سکیں گے اور فرحمنے کے سوا کوئی چارہ کار نہ رہے گا۔
علامہ نے پچاسوں قصیدے لکھے جن میں نعت کا حصہ زیادہ ہے۔ ہزار ہا اشعار مختلف
بیانوں میں (جو دستبر زمانہ سے محفوظ رہی ہیں) موجود ہیں۔

علامہ نے ۱۳۹۷ھ اور ۱۴۰۲ھ کے دو قصیدے اور قصائد لکھے۔ علامہ سید محمد علی علی شاہ نے نثر کی سلم
پر کئی کتابیں لکھی ہیں۔ دو خاص مکتوبات ولایت احمدیہ اور بیروتیہ ہیں۔ آستانہ عالیہ قندھار کے کتاب خانہ میں اور کلام
کا کچھ حصہ میں اصل مسودہ بھی ملتا ہے۔ کتاب خانہ مستان گویا میں ہے۔ ایک مکتوب باطن میں عربی میں مختلف
بزرگوں اور دوستوں کے نام پر خطوط اور پندرہ طوطی قصیدے ہیں جن میں اکثر مکتوب اور بعض مکتوب ہیں۔ جب کلام مولوی
علیم خیر الدین اجیری برادر خاؤد علامہ اندمولانا مصیبت الدین الاجیری مرحوم کے پاس ہے اس کی خصوصیت ہے کہ
بعض قصائد و خطوط خود علامہ کے دست مبارک کے نگہ ہوئے ہیں۔ کئی جگہ دستخط بھی ثبت ہیں۔ اس باطن کا نقل
اور رسالہ ثورة الهند مع قصائد و قصیدے حضرت علامہ الاجیری مرحوم کے ہاتھ کے کئے گئے ہیں۔ اس
ہی ہیں۔ رسالہ ثورة الهند مع قصائد و قصیدے علامہ خاؤد مصیبت الخج، کتاب خانہ قندھار کے کتاب خانہ میں موجود ہے۔
نظم الحسن خیر آبادی میں بھی موجود ہے۔

علامہ عربی اشعار حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کو دکھاتے تھے۔ دکنی عربی کا قصہ ہے عرب کے مشہور شاعر ابراہیم القیس کے ایک قصیدے کے طرز پر قصیدہ لکھا شاہ صاحب کو جا کر سنایا۔ مولانا شاہ غوث علی تقدیر کا بیان ہے کہ شاہ صاحب نے ایک مقام پر اقرار کیا اس کے جواب میں انہوں نے تقدیرین کے میں اشعار چھ دئے۔ مولانا فضل مام بھی اس وقت وہاں موجود تھے۔ وہ فرماتے تھے کہ بس جواب !

عرض کیا کہ حضرت یہ کوئی علم تفسیر و حدیث تو ہے نہیں، فن شاعری ہے اس میں بجا دینی کی کیا بات ہے۔ شاہ صاحب نے فرمایا :

”برخوردار تم پس کہتے ہو، مجھ کو کس ہو ہوا“

عربی قصائد کے چند نمونے پیش کئے جاتے ہیں۔ جمادی الاولیٰ ۱۰۳۲ھ میں بمقام ہانسی ۸۸ اشعار کا نعتیہ قصیدہ لکھا جس کے چند اشعار یہ ہیں :

یاسا شلاع عن شانه یذینک عن نیمانہ	دمع جری فی شانہ کھملا و فوطہ انسانہ
ماذا اتائل نازعا قاصی الموالین نازحا	عنہا الیہ اناز عایتکو اساتوقانہ
ضواہ فی ہیجانہ و حبواہ فی وھبانہ	والطرف فی ہمعانہ والقلب فی خفقانہ
ان شام برق و امضا اھراق دمعاً قابضاً	فاذا عسراً غامضاً قد جد فی کتمانہ
واذا تالقی باریق اوسخرو بیل وادق	فاجاہ دمع دافق و ذکانتی سیرانہ
یزداد فی ہیمانہ و یحزن فی اشجانہ	ان اوردق فی بانہ غنی علی اشجانہ

دعنان الہارک ۱۲۳۶ھ میں ۸۸ اشعار کا قصیدہ نعتیہ دربار رسالت میں پیش کر سنے کی سعادت حاصل کی ہے۔ اس کے چند متفرق اشعار یہ ہیں :-

خفا خفی ہواہ دمعہ الحباری	لما خفا باریق باوی السن اشاری
ویلاہ من ہامم کلف تکلف ان	یبیدی التجلد اسراراً لا سرار
وکبت یخفی الھوی من کان لوعنہ	تبدوا ذار ذکر الدار والحبار

کم لاشم لامه عنفا و عتیرہ
و من اطعم الہوی طوعا و دان لہ
یا لایس فی ہوی لعدو ابدا لک ان
ما للکری يتحامی مقلتی و قد
حکم بات فی عضدی من لو تأملہ
فلہ در زمان بالحبيب مضی

مولانا فیض اللہ رفیق خاص عجب با انصاف کے حادثہ شہادت پر ۲۰ جمادی الاخریٰ ۱۲۳۶ھ
درخبر دشت اثر تھے ہی شب کو ۵۳ اشعار کاثر شہید کما بعض اشعار درج ذیل ہیں :

ایما للیلی لا تسیر نجومہ
کذبت و من این انصام لحدام
وما بال طرفی لا یلذ بشومہ
لقد ساقہ ظلما علیہ اخر لہ
علی غیر ذنب غیر ان الہہ
فطوبی لمن یودی شہید افیدخل
لہ فی جنان العدن نعس و لذی
فیا صاحب الفضل الدیوم سقی ثری

عنریحک من غیث بیت دیومہ

علیک سلام اللہ ما قال ساهر

ایما للیلی لا تسیر نجومہ

اسی حادثہ شہادت کے متعلق والد ماجد مولانا فضل اللہ کو ایک نیا زمانہ ۲۷ جمادی الاولیٰ
۱۲۳۶ھ کو جب کہ مولانا پانی میں قیام فرماتے کھانا اور اسی کے ساتھ ۲۰ جمادی کے اولیٰ کا کھانا ہوا
۱۰۵ اشعار کاثر شہید بھی بھیجا جس کے بعض اشعار درج ہیں۔ مولانا محمد فیض اللہ نے جام شہادت
نوش کرنے سے قبل خواب دیکھا تھا جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی
تھی سہرا رسالت نے عزت کے ساتھ گلے لگا کر سیدھے ہاتھ پر بٹھایا تھا۔ دو اشعار اس

دری حرف بھی اشارہ کر رہے ہیں :

واعتدلی ادھی المصائب واعتدی	ایام الدھری بعد اسعادہ عدا
واعتد لطفائشم عاد فاعدا	قتابعد لین واعتد بعد مرفق
مدی الدھر حتی قیل لن یتبدا	فکنان ما نال انخاف فراقنا
بلینا بعد ما لمدتہ مدی	قلما افترقنا بعد طول اجتماعنا
یفادی بمثلی کان نفسی لہ فدا	فواللہ شم اللہ لو ان مثله
وقد کنت مشہود الکمال محسدا	قتلت شہیدا عند ربک شاعدا
وفارقتہا متشہدا متشہدا	تعیشت فی الدنیا حسیدا محسدا
بشہادۃ الانررت النبی محمدا	وقد ایقنت نفسی بان ستغور
واواک فی النادی واروک بالندی	فعیاز اکراما وضمتک رافعة
وحنّ غریب ندقید مصفدا	علیک سلام اللہ مارن حبارع
حوی منک احسا ناوبرا وعتدا	سلام علی قبر حواک فانہ

۳۳ اشعار کے تصدیقہ نقیض میں محرم ۱۲۴۱ء میں لکھے ہیں :-

واھا لو اھ محمدا	فجنح لیل سرمدا
قد بات لیلۃ ارمدا	سلیق القذی من اثمدا
یا ویلہ یا ویلہ	یشکو الزمان ومیلہ
ویقول یشکو لیلہ	یا لیل هل لك مزغدا
یصف الغموم وشومها	یرعی السماء نجومها
دریہا و غمومها	من شرة او فرقد
ماوی الانام باسرم	طرا و حبا برحسرم
لطفاو واضع امرهم	عنهم غدا فی الموعدا
خبر الوری واسبرهم	جمعا و کاشف ضرهم
ورعباءهم فی امرهم	وشفیعهم فی المشهد

حامی الحقیقۃ انجبد اعلیٰ الخلیفۃ امجد
 ذاکی الخلیفۃ احمد خیر الانام محمد
 هو اول النور السنی يتلوه کل تعین
 ثانیہ لیس بممكن عند الحصیف المہندی

علامہ اپنے والد ماجد مولانا فضل امام کو اپنے ابن العمیر مولوی محمد رفیع کے انتقال کی خبر
 سن کر ۲۰ ذیقعدہ ۱۳۳۴ھ کو ایک طویل عرصہ درہلی سے وجامہ لکھتے میں اس خط کا ابتدائی
 کچھ نقل کیا جاتا ہے :

”اقبل ارضایہز و شمیم ترابھا العتیق، بالمسک الفتیق
 والعنبر السحیق، واستلم عتبتہ می قبلہ طاربا لتحقیق،
 واریاب التدقیق، فیا تییہا الرجال رجالا، علی کل ضامر
 بكل فج عیق، من کل بلد سحیق، بین یدی الامام الخیر
 بل المقام البحر مولانا الشیخ النحر، الهازیة شذرات
 کلامہ بعقد السحر، وقلامہ نظامہ بعقود النحر، لا
 زال بابہ مقصودا وفضلہ محسودا وکرمہ محمودا وظلہ
 مددود امدی الدهر بحرۃ محمد الامین صلعم اصلی
 انلہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم، وبعد فما یصف الملوک من
 حزن دہاء، وشجن ادہاء، ونصب شغلہ عن عیشہ
 وانہاء، وشجوماتاہ وکرب داناتہ، وکمد عتاتہ، ووجد
 اضتاتہ، وقلق ایسرہ بسکرة الموت واداناتہ، وجرع بلغزہ
 غایتہ فما اغتاتہ، لما بلغہ نعی اجود من نعاہ ناع، ودعی لہ
 بالرحمة داع، وتند بہ حزین راجع، وافضل من وصفت
 بطول باع وبسط ذراع واسخی من ائمہ معترف وسعی
 الیہ ساع واسبق ساع الی معال ومسلع ذی عطاء مکتوم

وثلثاً مشاعر وعرض مصون وعرض مضاع السמידع
 المتقی الحمید النقا، الرقی من ذری المجد واعلی مرتقی، الباقی
 فی جوار رحمة اللہ محمد بقا، اکرم اللہ مثواه ونزلہ فی دار
 البقا، وبرد ضربیہ بشأیب رحمتہ وسقی، فباللہ ای قمر
 انخسف بعد ابدارہ، وای نظر انکشف غب ادرارہ وای نجم
 خوی وهو طالع فی وسط سمانہ وای نجم ذری وهو طالع
 فی نشوہ وشمائہ اھکذا یموت الشبان قبل الايمان اھکذا
 یزوی البان وهو ریان اھکذا تطرق الموت قبل اوانہ اھکذا
 یموت الشب فی عنفوانہ اھکذا یتردى السرات اھکذا
 یتمشی العسرات اھکذا یحدث الاحداث فی الحیدین
 ویتجدد اھکذا یتفرق الشمل ویتبدد یالیت الزفرات
 المرددة والجیوب المقددة والدموع المنعدرة والانفاس
 المتصعدة اغنت من موت فاجع او شنت بلابل جازع
 ویالیت المندوب یرجع ویوب کلان سكرة الموت
 سکر لیس لہ صحو وظلمة القدر جیة لیس بعدہا منحو
 وکذا الدنیا اولھا الفنة واخرھا الهفة واولھا امل واخرھا
 اجل واولھا امنیة واخرھا مونیة واولھا سرور وغرور
 واخرھا ماضی ومرور۔

ایک دوسرے خط میں ۵۔ بیچ الاول ۱۲۳۶ھ کو مولانا قلیل الرحمن بن نجم الدین الکاوردی

کو تحریر فرماتے ہیں۔

”و بعد فرب اذن عشقت قبل العین، ورب اشرار قبل
 العین، وکم فی الوری من هام یطیف سری فی الکری قبل
 ان یری ولواعج الشوق قد فتاج بسورة، قبل لقیان وذخيرة،

و کم من حبيب يتصباؤ قبل ان يرى، و کم من لهيب يتلظى
 قبل ان يورى، و ا بعد المتوقفين عن الريب، من ايقن بالغيب،
 كذلك مولانا ان لم الاقه فقد علمت باخلاقه و ان كنت لم اره
 فقد سمعت خبره، و ان لم اكن لقيته فقد لقيت صيته و شافتي
 احاديث كماله، و ان لم اکتحل بلا لاجماله و هيئتى نوافخ
 عرفه و منائح عرفه قبل ان لشرف منه بعرفه و بعوارف
 نشره، قبل معارف بشره، و شفقت برياه، قبل ان يرى هياته
 و لم يزل مذاخير مدائحہ ظاميا الى الاستمتاع بسانحه و مافى
 منذبهى بانباؤه يتلمس سبيلا الى لقائه ليستضيى بلا لانه
 ويستفى من الاثمه و لكن لم يساعده على ذلك الدهر و لم
 يساعده الزمن .

ماكل ما يتمنى السرد يدركه

تجربى الرياح بما لا تشفى السفن

مولانا شيخ احمد الانصارى الحنفى الشروانى صاحب لفظ اليمين مشہور ادیب عصر ۱۹ ہجری
 ۱۲۳۶ھ کو اقام فرماتے ہیں۔ علامہ کے شریک کار سلطنت آدوہ اور رفیق خاموش محب
 فاضل مولانا فیض اللہ شہید کو ان کے حامد بھائیوں نے موقعہ پاکر شہید کر ڈالا تھا۔ اس
 حادثہ فاجد سے علامہ سخت متاثر ہوئے حکومت میں داد رسی کے لئے کوشاں ہوئے۔ مولانا
 شروانى کو اعانت مظلوم کی طرف توجہ دلا رہے ہیں :-

فقد كان المملوك مملوكا له بلائق، و اخاله بلا اجتماع معه
 فى عرق و قريباله بالمصافات، لا بالمكافات، و نسيباله
 بالحب و الوداد، لا بالاباء و الاحداد، و حسيباله بالصدافه
 و الغلال، لا بالاعمام و الاحوال، و رب بعيد دين تقاربها
 بالوداد، و قريبين تباعداها بالاحقاد، و الازواح جنود مجننه

ما تعارف منها ائتلف وما تناكر منها اختلف.
 فرعت الى الشيخ المولى، فثله بان يشكى مظلمتى اولى،
 فقد قيل ان المناسبة في الادب فوق المقاربة في النسب
 فان رقى مولانا لباك متفجع، وشاك متوجع، وحنان مرجع،
 ولهفان مسترجع، من علينا باسوال المكلوم، ونصر المظلوم،
 قاله مامل من المولى ان لا يالو جهدا في ان يهجزى ادا مر
 الله ايامه من ظلم بنقمة، ويواسى من اخلف المظلوم
 بنعمة، ويبقى ما كان ادرك ولا يخفى لقريبة ايتامه اسباغا
 لمنه و انتعاشا لانعامه.

سید احمد خان مرحوم نے اناراضہ دہ میں علامہ کا ایک خطبہ نقل کیا ہے خطبہ
 حضرت الاستاذ مولانا الاجیری کے ہاتھ کا لکھا ہوا، رسالہ ثورۃ السنۃ کے آخر میں میرے پاس
 بھی موجود ہے۔ اس کا کچھ اقتباس پیش ہے :-

اما بعد فان الدنيا غرور، ما لها قورور، بل قورور هارور
 وظلها حورور، لا يوانى همومها سرورها، ولا يوازن خيورها
 شروها، ولا تنكفي معافاتها واقاتها ولا تنادي افرحها و
 اتراحها، ولا معنها وراحها، ولا يتلافى سمومها نعيمها، و
 لا سمومها نعيمها، ولا مضنكها رفاثها، ولا عز عزها رفاثها
 تريا قها شمال، و نقصانها كمال، عاقبة عافيتها اوصاب
 وجلو ثها وسلو ثها علاقم اوصاب، اونها حبور، واخرها
 ثبور، وصفا ثها غبار و فقا ثها غبور، واهلها بور، وقصو ثهم
 قبور، كل من هم فيها مرموس، وكل ما عمر فيها مطموس،
 وكل من الودى وان شرى، فان مصيره الى الثرى، مباديها
 امال ومنا، وعوافها احوال ومنا، ما فيها صفو عيش الا و

ویکدرہ نوازل الاحداث وما علیہا من ذی نفس ونفس
الا وهو منازل الاجداث۔

۵۔ رذی قعدہ ۱۲۶۱ھ کو مولانا حمید علی فیض آبادی کو موصوف کی کتاب منتہی الکلام
کے موصول ہوئے اور اس کے مطالعہ کرنے کے بعد ایک طویل خط میں لکھتے ہیں۔ یہ کتاب
مولانا نے ایک شیعی تجربہ عالم سبحان علی خاں کے رسالہ مصنفہ ۱۲۴۲ھ کے جواب میں ۲۵۰ھ
میں لکھی ہے۔ سینوں کے دلائل قاہرہ اور براہین باہرہ اس میں درج ہیں۔ مولوی سبحان علی
خاں سے مولانا اجماع شہید کے مناظرے بھی لکھنؤ میں رہے۔

كذلك استبشرت اذ من له المولى على بار سال كتابه
فلثمت لثامه، ورحبت من الى به، فبالها من نعمة
وافيه، سرت فسرت موافاتها ومنه كافيه اصطنعت
فامتنت مكافاتها، فكان طلوعه على قبل تطلعي اليه
وطلاعي ما فيه واطلاعي عليه ابهج من تباشير طلوع
الصباح على عاشق مہجور، وابلج من تباشير طلوع
الصباح في غاسق ديجور، فاقا ما حرر المولى اني رقة من
توقانه الى العبد الذي كاتبه باحسانه وحنانه، فكانما
هو صد احنيغي الى لقيانه، فاني صد طالعت كتابه الموسوم
بمنتہی الکلام، واطلعت على ما فيه من كلام، في ما لها من
النظام، في نحر جل نحر من اللثام، ورأسه ان المولى لم يال
جهدا في تخریج رواياتهم، واجتهد جدا في الزم شاد والتنبيه
على غواياتهم، وامعان النظر لتبصير عماياتهم، وتصنف
كتب علماءهم، لاصلاح جهالاتهم ولم يصف عن صفائح
صحائفهم الى ان دل على غللاتهم ونكى في نعور مخاريرهم
بما طعنوا في تعاريرهم، وايبكم أليسة دقاريرهم، بقلب

دقاريرهم، برقة تقاريرهم، بل باقاريرهم، فاشجى اخليا شهم
 المترفين باشجان من الاشجان والافكار، ولم يدردلدها تنهم
 الانكار سبيلا الى الانكار، ولم يدعمر نقال مجال اقال، بل غال
 كل غال، او غل في العلم من ادغال، فترى كل منتر منتر، وكل
 نكر منهم مستنكر، لا ازال مشتاقا الى لغاشه، داعيا بطول بقاءه،
 لاصلاح مفساد المبتدعين، وفضوح مكاشد المختدعين، و
 قطع الدابر المدابر من المبتدريين، وارغا فابا لانوف المكابرين
 للشكبرين، واماما استكشفت عنه لنولى الجليل النبيل
 من حال التزيل النزيل فانما هو خال خال خال وخال، بل
 شن بال مغطى بسر بال، مبتلى بويال، غير ذى خطروال،
 لا يستاهل ان يخطر بخاطر ويال، ولا بان يساهب مبال، فانه
 انما ضيع عمره في مرث ومبال، او توغير وخبال، لا يتوهم
 فيه من العلم علامة وقصارى امرانه تكلمة يحفظ قصصا
 واساطير مخترعة، محترقة مختلفة في باب الائمة وهي
 اكاذيب موضوعة لاحاديث مرفوعة قد صاغها صواعون،
 طاعون، وتناقلها راوون غاؤون يرفون كذبات وبرونها
 قربات، واشمة الهدى يشهدون عليهم بانهم من نادقة و
 شهادات الائمة لاشك صادقة ومن يقص اكاذيب الائمة
 واباطيل الاخبار، لا يستاهل ان يعد من معاشر العلماء او
 من قبيل الاعبار، بل هو ادون حالا واخس مالا من
 سمير يوثق في سرد الملهمات لتتوهم امير ومن هازهانل
 منطيق، يفترى خزعبالات بتلفيق، تعليل لقلب عليل، او
 تطيبها لفاخر رفيق، وحاشا ان يكون ذلك من العلوم والمعارف
 وغايتها ان يعد من الملاهي والمعارف؟

سلسلہ تلمذ

علامہ نے سند حدیث حضرت شاہ عبدالقادر بن شاہ ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم محدث دہلوی سے حاصل کی۔ علامہ شاہ عبداللہ محدث دہلوی صاحب لمعات و اشعۃ اللمعات کے بعد شاہ عبدالرحیم ہی کے خاندان سے یہ بابرکت علم حدیث ہندوستان میں پھیلا۔ ملک میں صدیوں سے معقولات کا دور دورہ تھا۔ شاہان وقت نے علم معقول کی سرپرستی تو کی تھی لیکن علوم نقلیہ کی طرف کوئی توجہ نہ کی۔ یہ شاہ صاحبان کا ہی طفیل ہے کہ آج ملک کا گوشہ گوشہ نو پر علم سے مولا ہے اور ہرادی سے قال اللہ قال الرسول کی صدا میں اٹھ رہی ہیں اس دور میں کتب دینیہ کی کیا بنی کا یہ عالم تھا کہ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث کو تفسیر کبیر یا کسی دوسری کتاب تفسیر حدیث کے دیکھنے کی ضرورت پیش آتی تھی تو قطعہ معلّٰی میں جانا پڑتا تھا۔ بخاری شریف جوامع المکتب بعد کتاب اللہ کا درجہ رکھتی ہے اس کے نسخے بھی غالباً ہی پائے جاتے تھے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کے سامنے بھی ازانے تلمذ نہ کیا ہے۔ عربی اشعار شاہ صاحب ہی کو دکھاتے تھے۔ سلسلہ تلمذ یہ ہے۔

سلسلہ تلمذ منقولات

- ۱۔ علامہ فضل حق خیر آبادی
- ۲۔ حضرت شاہ عبدالقادر محدث و حضرت شاہ عبدالعزیز محدث
- ۳۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث
- ۴۔ ابو الطاہر مدنی
- ۵۔ شیخ ابراہیم کردی
- ۶۔ احمد قشاشی
- ۷۔ شمس محمد بن احمد الرطبی
- ۸۔ الزین زکریا الانصاری
- ۹۔ حافظ ابن حجر عسقلانی
- ۱۰۔ ابراہیم بن احمد التوشخی المعروف بابن الشیخ
- ۱۱۔ ایشخ احمد بن ابی طاب السماج
- ۱۲۔ ابو عبد اللہ الحسین بن مبارک البیدی البغدادی
- ۱۳۔ ابو الوقت عبد اللہ بن عینی بن شعیب
- ۱۴۔ بن اسحاق السنجرى الصوفی الہروی
- ۱۵۔ جمال الاسلام ابو الحسن عبدالرحمن بن محمد الداودی

- ۱۵۔ ابو محمد عبداللہ بن احمد بن حمویہ السخری ۲۶۔ ابو عبداللہ محمد بن یوسف مطر الفریری
 ۱۷۔ ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم البغاری

سلسلہ تلمذ معقولات

- ۱۔ علامہ فضل حق خیر آبادی المتوفی ۱۲۷۸ھ
- ۲۔ مولانا فضل امام خیر آبادی ۱۲۳۰ھ
- ۳۔ مولانا عبدالواحد کرمانی خیر آبادی المتوفی ۱۲۱۸ھ
- ۴۔ مولانا محمد اعظم سندھوی
- ۵۔ مولانا کمال الدین سہاوی واستاذ اکل
- ۶۔ ملا نظام الدین سہاوی فرائی محلی ۱۱۶۱ھ/۱۷۴۳ھ
- ۷۔ ملا قطب الدین شہید سہاوی ۱۱۰۳ھ
- ۸۔ ملا امان اللہ بناری ۱۱۳۳ھ
- ۹۔ مولانا نیال جوراسی
- ۱۰۔ مولانا عبدالسلام لاہوری ۱۰۳۷ھ
- ۱۱۔ امیر فتح اللہ شیرازی ۹۹۷ھ

مولانا نیال جوراشی وغیرہم کا سلسلہ علامہ جلال الدین محمد اسعد محقق دقانی المتوفی ۱۱۵۰ھ (زمانہ سلطان ابوسعید) صاحب شرح بیاض و حاشیہ شرح تجرید تنک اور ان سے

تلمذ صحیح آبادی کے سلسلہ اساتذہ کے کبریٰ درجہ کے حالات کشمور کا کہتے ہیں۔ والدہ ماجدہ مولانا فضل امام دوران کے استاد ملا عبدالواحد کرمانی خیر آبادی کا کوہ پستہ نامی گرجہ پستہ مولانا کرمانی کے استاد ملا حمید صمدی اپنے جسد کے نام کے نام میں تھے تحصیل الم کے بعد دہلی پہنچے۔ مولانا بادشاہ کے مقرب شاہ باسوا کے ذریعہ بارہا کے معائنہ میں شامل ہوئے۔ مولانا اپنے پیچھے سے مکتوبہ کو لایا کافی بحث و مناظرہ کے بعد مولانا کو رو کر لیا اور جہتہ انیم واپس آکر مولانا کو کچھ نیا دی جا جس کی کے ساتھ میں دیکر گئے۔ چار روزہ کرانہ کو ف منہج آئے اور وہی شکر و ذمہ لگی سرکاری حاشیہ مولانا سادات شکیک تعلیمات بر میرزا ابوبکر، حاشیہ دار قضا، حاشیہ تفسیر و تفسیر ہے، وفات کے وقت تلمذ و صاحب کو لایا جہتہ میں تھی عربی حقیق اور حقائق سنہ ۱۰۶۰ھ بنایا۔ شرح جامع

ان سے معلم ثانی ابو نصر غزالی المتوفی ۴۵۳ھ مطابق ۹۵۳ء تک۔ معلم ثانی سے ارسطو طالیس یونانی
 استاد سکندر ذو القرنین ایک اور ارسطو سے حکیم ثانی فیثاغورس یونانی شاگرد صاحب حضرت سیلمان
 علیہ السلام تک اور ان سے ادریس علیہ السلام صاحب معجزات منطقیہ تک پہنچتا ہے۔ ان میں
 سے ہر ایک اپنے وقت کا امام اور پچھلے روزگار کا رُخا اور حقیقت یہ ہے کہ جس طرح ارسطو خاتم حکماء
 مجتہدین یونان تھا اسی طرح علامہ فضل حق خاتم حکماء مجتہدین ہندوستان تھے اور جس طرح ارسطو
 کے بعد سارے حکماء یونان اسی کے خوش چین بنے اسی طرح فضل حق کے بعد اجتہاد کا دروازہ بند
 ہو کر مقلدین کا سلسلہ جاری ہوا اور اب تو اس دور کا بازار مئی علوم قدیمہ اور اپنا قدرتی شایان
 امراء میں مجتہد و رکن کسی کامل مقلد کا پیدا ہونا بھی دشوار ہے۔

تصانیف

علامہ نے دس و تدریس اور تصنیف و تالیف کا سلسلہ ہمیشہ جاری رکھا۔ خاص اور اہم
 مجبویوں کے سوا کبھی اس سے تساہل نہ برتا۔ علامہ کی تصانیف و ترجموں میں جن میں سے مشہور
 حسب ذیل ہیں :-

- | | |
|----------------------------------|---------------------------------------|
| ۱۔ الجنس الناقی شرح جواہر العالی | ۹۔ الروض المجرد فی تحقیق حقیقۃ الوجود |
| ۲۔ حاشیہ افق البین | ۱۰۔ رسالۃ فی الطبیغریاس |
| ۳۔ حاشیہ تلخیص الشفا | ۱۱۔ رسالۃ تحقیق حقیقۃ الاجسام |
| ۴۔ حاشیہ شرح سلم قاضی مبارک | ۱۲۔ رسالۃ ثورۃ الهندیہ |
| ۵۔ المدیۃ السعیدیہ | ۱۳۔ قصائد فتنۃ الهند |
| ۶۔ رسالۃ تشکیلکب ماہیات | ۱۴۔ مجموعۃ القصائد |
| ۷۔ رسالۃ کلی طبعی | ۱۵۔ اقتناع النظر |
| ۸۔ رسالۃ علم و معلوم | ۱۶۔ تحقیق الفستوی فی ابطال الھنوی |

اس کا قائل ہو چکا تھا جو اس دور میں قابلِ التفات سمجھا گیا تھا صدیوں کے بعد پھر یورپ کی سرزمین سے یہ آواز بلند ہوئی چونکہ علامہ کے نزدیک یہ مسلک غلط تھا، مگر عربیت کے تمام قیدیوں کو تو ذکرِ ہدیہ سعید یہ میں شرح و بسط کے ساتھ حرکتِ زمین کو باطل کیا ہے اور مخالفین کے دلائل کو پاش پاش کر دیا ہے۔ اس بحث کو علامہ نے حسبِ ذیل الفاظ میں شروع کیا ہے:-

”الثالث فهو مما ذهب قوم من قدماء اليونانيين واختاره من في زماننا من اهل المغرب فهم يزعمون ان الارض تتحرك بالاستدارة حول المركز من المغرب الى المشرق وهي الحركة اليومية التي بسببها ترى الكواكب طالعة وغاربة فيظهر من جانب المشرق من الكواكب ما كان محجوبا عنا بعدئذ الى ان قال وهذا الرأي ايضا باطل بوجوه الخ“

(ہدیہ سعید)

عاشقِ شرحِ مسلم قاضی مبارک کی اہمیت اس کے معرکہ الآراء مباحث کی فرست سے کیجئے:-

- ۱۔ تحقیق لفظ سلطان ۸۔ بارہ مذاہب معلوم کا بیان
- ۲۔ علمِ ہادی میں تمام مذاہب پر تنقید اور احتقاق ۱۲۔ بڑا بہت و نظریہ کے صفت علم و معلوم ہونے کی تحقیق
- ۳۔ جعلی بسیط کا احتقاق ۱۳۔ تحقیق موضوع علم
- ۴۔ تحقیق معنی بخت و اتفاق ۱۴۔ معقول ثانی کی وجوہ بحث
- ۵۔ بحث مقدمۃ العلم و مقدمۃ کتاب ۱۵۔ تحقیق ظرف اقصاف
- ۶۔ تحقیق مقسم تصور و تصدیق ۱۶۔ تحقیق حیثیت موضوع
- ۷۔ بیان حصول الاشیاء بانفسا و باشہاما ۱۷۔ بیان مہانت مطالب
- ۸۔ علم کے تیرہ مذاہب کا بیان ۱۸۔ تحقیق بل
- ۹۔ تحقیق متعلق تصدیق ۱۹۔ تحقیق قضیہ زید و معدوم
- ۱۰۔ بحث اجتماع شلین ۲۰۔ نسبت تار کے علاوہ قضیہ میں دوسری نسبت کا بیان۔

- ۲۱۔ تعداد و اجزاء تفصیلاً
۲۲۔ بیان مورد قسمہ
۲۳۔ بحث مفصل بہت متعلق تصدیق
۲۴۔ بحث جوہر ذہنی اور شہادت کے جراثیم
۲۵۔ باطل کی خرافت احتیاج کی علت امکان ہے
یا محدث
۲۶۔ بحث کلی طبی

جزیرۂ اندامان میں بعض سیر فرنگ علماء نے دریافت کیا کہ ہندوستان میں کیا یادگار چھوٹی ہے؟ فرمایا دو یادگاریں چھوٹی آج ہوں ایک عاشیہ شرح سلم قاضی مہارک اور دوسری یادگار برنور دار عبدالحق۔ اس جملہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ ساری تصانیف میں عاشیہ قاضی پر علامہ کو کتنا فخر تھا۔ اور ساری اولاد میں مولانا عبدالحق پر کتنا ناز تھا۔

کامل باپ کے کامل بیٹے کا انداز بھی دیکھ لیجئے۔ علامہ کے عاشیہ قاضی کے بعض مسائل کی تشریح کے لئے مولانا عبدالحق سے اصرار کیا گیا۔ مولانا نے ایک ضخیم حاشیہ از سر نو لکھ ڈالا (وجودت ہوئی مولانا میکم برکات احمد صاحب جوئی نے چھپوایا تھا) لیکن علامہ کے عاشیہ پر قلم اٹھانا سوراہی میں داخل سمجھا۔ اسی طرح نواب صاحب رامپور کے شدید اصرار پر علامہ کے نامکمل حاشیہ یافتہ المبین کی تکمیل سے گریز کرتے ہوئے فرمایا :-

”یہ ہو سکتا ہے کہ عاشیہ قاضی کی طرح دوسرا عاشیہ یافتہ المبین بھی لکھ دوں لیکن اس میں اضافہ دشیم میں ٹاٹ کا پوند لگانا ہے۔“

ویسے تو مولانا عبدالحق کی قابلیت کا اندازہ اس سے لگھتیے۔ مولوی حاجی خلیفہ محمد رفیقی خیر آبادی کا بیان ہے کہ میں نے مولوی عبدالعزیز اور لاٹو ٹاٹم مولانا عبدالحق سے سنا ہے کہ جب علامہ قاضی کا عاشیہ تصنیف فرما رہے تھے تو ایک روز کسی ضرورت سے اٹھ کر کاغذ پوئنی چھو کر سپے گئے۔ مولانا عبدالحق جن کی عمر اس وقت ۴۱ سال تھی باپ کے کمرے میں داخل ہوئے اور عبارت کے آگے ایک صفحہ اپنے قلم سے تصنیف کر گئے۔ جب علامہ نے آکر دیکھا تو دریافت کیا کہ کیا آج میرا کمرے میں آئے تھے؟ معلوم ہوا کہ آئے تھے۔ وہ صفحہ دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور اس صفحہ کو بھنسنے لگے۔

یہ عاشیہ اب کتاب نہیں تو کتاب مزید ہے۔ جب چھاپا تو دور دور پر قیمت تھی جتنے قبل چندہ میں دیو سیال جانا بھی قیمت سمجھا جاتا تھا۔ مگر اس نے اندر سے چھپنے میں دلی سے بندہ نہ رہا۔ دیو سیال کا تھا ادب تو فانی میں دشوار ہے۔

دیا یہ معلوم نہ ہو سکا کہ وہ کس مقام کی عبارت ہے اس حاشیہ قاضی سے حضرت الاستاذ مولانا اجیری مرحوم کو عشق تھا۔ سفر و حضر ہر جگہ اپنے ساتھ رکھتے تھے اور وقتاً فوقتاً مطالعہ کرتے رہتے تھے۔

مولانا یکرم احمد علی خیر آبادی فرماتے ہیں کہ ایام طالب علمی میں قاضی مبارک کا جتنا سبق ہم پڑھتے تھے اس کے متعلق پورا حاشیہ دیکھ ڈالتے تھے خواہ کتابی وقت صرف کرنا پڑتا بعض دن آٹھ آٹھ ورق دیکھنا پڑتے تھے۔

اس حاشیہ کی خوبی یہ ہے کہ مسلمانوں نے جب سے فلسفہ یونان کو اپنا پایا ہے اس وقت سے لے کر علامہ کے عہد تک متعدد مین و متاخرین و معاصرین کے درمیان جو مسائل مناظرہ و مکالمہ و مباحثہ کا اٹھا رہے ہیں ان پر مہمندانہ انداز میں تبصرہ فرمایا گیا ہے جن کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ علم و تحقیق کا دریا موجیں مار رہا ہے بعض علماء کی دوائے ہے کہ یہ حاشیہ معلوم معقولات کا قتل ہے۔

مولانا عبدالحق فرمایا کرتے تھے کہ میرے والد ماجد (علامہ) اور مولانا عبدالحق بنی بھر العلوم فرنگی علی بن طائف الدین سہاوی صاحب درس نظامیہ کے درمیان "عام خاص من وجہ" کی نسبت ہے معقولات میں قواعد اجتماع ہے، فقلاک و سب میں مادیہ اخراق پایا جاتا ہے اول کے ماہر مولانا بھر العلوم اور ثانی کے والد ماجد تھے۔

علامہ کی تصانیف سے خاندانی طریق تعلیم و طرز تدبیر صاف نظر آتا ہے۔ عام طور سے سائنس کا یہ طریقہ ہوتا ہے کہ طالب علم سے عبارت پڑھوا کر تحت اللفظ ترجمہ کرادیا پھر کچھ مطلب سے توضیح کے لئے بتا دیا گیا۔ حضرت علامہ مفتی محمد لطیف رحمہ اللہ علیہ کی علمی کے متعلق مشہور ہے کہ ترجمہ ایسا کرتے تھے کہ مطلب سبق ادا ہونے کے ساتھ ساتھ سارا قرآن و شہادت بھی دہر ہو جایا کرتے تھے۔ مولانا عبدالحق ایک باجید آباد میں مفتی صاحب کی ملاقات کو پہنچے تو سلسلہ درس جاری تھا مفتی صاحب کے اس کمال کو دیکھ کر بے حد تعریف کی۔

سلسلہ خیر آباد میں عبارت پڑھوا کر غلامہ مطلب بیان کیا جاتا ہے اس کے بعد ترجمہ کر کے لفظی مباحث کے بجائے تحقیقی مسائل پر زور دیا جاتا ہے۔ یہ طریقہ زیادہ نافع اور باعث تسکین و تخیل

طلب ہے۔ اسی طرح تعلیم اور شفقت کا یہ نتیجہ ہے کہ اگر اپنے استاد کا عاشق و فدا کا نظریہ آتا ہے ایک جانشین پر یہ کو اپنے برسرے اتنی ہی عقیدت ہو سکتی ہے جتنی سلسلہ خیر آباد کے تلامذہ کو اپنے استاد سے جو کرتی ہے۔ علامہ کے شاگرد بشید مولانا بدایت اللہ خان جو پوری استاد مولانا مسید سلیمان شہرٹ مرحوم سابق صدر شعبہ دینیات مسلم یونیورسٹی علیگندہ مولانا محمد علی غفلی کی عقیدت کا یہ عالم تھا کہ استاد زادہ مولانا عبدالحق کا ملازم و خادم لاؤ جب کبھی جو پور پہنچ جاتا تھا اور ملازمت کی آواز سن پاتے تھے تو پیرز سانی اور مضمت بصارت کے باوجود جو تعلیم کو کھڑے ہو جاتے۔ کھانا ساتھ کھاتے اور سفر خرچ وغیرہ دیکر عزت و مسرت کے ساتھ رخصت فرماتے۔

مولانا حکیم برکات احمد بہاری ٹوکی جیبر خاص ریاست ٹونک استاد حضرت الاستاذ مولانا اجیری مرحوم کو زمانہ تعلیم و قیام خیر آباد میں اپنے استاد گرامی مولانا محمد عبدالحق کے خادم کو بسا اوقات پورے مہینے کے مصارف کی رقم نذر کر دینا پڑتی تھی اور ٹونک سے دوسری بار روپیہ منگانا پڑتا تھا۔ مولانا حکیم کاظم علی صاحب بہاری ریاست کے طبیب خاص تھے اور سورویہ ماہانہ مصارف کے لئے بیسے گوردانہ کرتے تھے۔ اس کے علاوہ اکثر رئیس آتی رہتی تھیں۔

علامہ خیر آباد کے رؤسا میں سے تھے۔ انقلاب، ۵۸ء کی شورش میں بغاوت کے الزام میں منزائے عبود اور یائے ثور کے ساتھ ضبطی جائداد بھی ہو چکی تھی۔ مولانا عبدالحق چونکہ رئیس بن رئیس بن رئیس تھے اور ناز و نعم کی گود میں پرورش پائی تھی، ہاتھی اور پالکی پر بیٹھ کر حصولِ علم کیا تھا، شاہزادگان دہلی کے ساتھ قلعہ معلیٰ میں کھیل کھڑے تھے، بے سرو سامانی کے باوجود شاہانہ مذاغ اور امیرانہ شان ہاتی تھی۔ قدام اور حلقہ گجراتوں کا اجتماع رہتا تھا۔ خادم جس طالب علم سے ملاض ہو جاتے مولانا سے شکایت کر دیتے۔ مولانا مغلوب و مغضوب بھی تھے فوراً حلقہ درس سے نکال دیتے اور شرکت درس کی اجازت معافی تک نہ ہوتی تھی۔ عرب و عجم کے قدردان اور شوقینِ ہندو جہاں ایک سبق کی آرزو میں بیٹھے اور مہینے گزار دیتے تھے یہ کیسے گوارا کر سکتے تھے کہ اس نعمتِ غلطی سے ایک دن بھی محروم رہیں۔ حسب استطاعت خادم متعلق کو خوش کرتے وہ سفارش کر کے غلطی کو تھپاتا۔ برکات احمد چونکہ ملامت میں دوسرے طلبہ سے متاثر تھے اس لئے ان کے لئے یہ مصیبت آئے دن آتی رہتی تھی۔

یہ دو ایک مثالیں یہ سمجھنے کے لئے پیش کی ہیں کہ اس خاندان کا طریقہ تعلیم ہی ایسا تھا کہ شاگرد گرویدہ اور مہربان ہو جاتا تھا۔ قدر دانانِ علم ہزار ذہنوں کے باوجود بھی اس آستانہ عالیہ سے لوگوں کی کفرِ تعلیمی سمجھتے تھے اور پس تو یہ ہے کہ دوسری جگہ یہ تسکین خاطر اور اطمینانِ قلب حاصل ہو بھی نہ سکتا تھا۔

بحثِ مناظرہ

ایمانی ہمت سے علامہ کے مصنفی میں مباحثہ کا حال منتظرِ انگریز چکا ہے۔ قدرت کی طرف سے ذہن رسالہ اور طبع وقادے کو دنیا میں آئے تھے جس نے یہ برس کی عمر میں تمام علوم و کسب و خصلت قرآن مجید سے فارغ ہو کر سندِ دس کو رونی بخشا شروع کر دی ہو اس کی ذہانت اور فوق الفطرت طباعی کا کیا طے لگانا ہو سکتا ہے۔ یہ عمر تو بچوں کے کھیلنے کوونے کی ہوتی ہے۔ غلامستانِ ہند میں اس عمر کے بچے لگی کوچوں میں شور مچاتے، گایاں بکتے اور کچھ اُچھالتے نظر آتے ہیں خصوصاً نونہالانِ قوم مسلم کی حالت ہر مقام پر دیدنی ہے۔ اس قسم کی تمام بیہودگیوں میں اختراع و ایجاد کے وہ جوہر دیکھنے میں روزانہ آتے رہتے ہیں کہ تو برہمی بھلی !

ان نونہالانِ عزیز کو کیا معلوم کہ اسی غلام ملک میں دورِ اقبال و عروج میں نہیں عہدِ زوال و پستی میں ایسے بچے بھی پیدا ہو چکے ہیں جو تمام مسلمان عیش و عشرت اور ہوا چرم کی موجودگی میں بھی اسلامی شان اور بائی اُن بان کو چاند لگاتے رہے اور فلکِ علم و عل پر شمسِ قرین کر چمکا کئے بھلی صدی میں علامہ اور موجودہ صدی میں مولانا ابوالکلام آزاد اس کی روشن تابناک مثالیں ہیں۔

عمرِ یاد رکھو بہت فائدہ ملی نالہ حیات

تا زبیرمِ عشق یک دانا سے را ز آید یوں

آخر الذکر اگرچہ ہندوستان کے سہائے مرکزِ مکر میں ۱۳۰۵ھ مطابق ۱۸۸۸ء میں پیدا ہوئے

لیکن ہیں تو ہندی نژاد اور پھر بخش و لگھی کے زمانے میں ہندوستان آ بھی گئے تھے جو اب بھی نہیں گزری اور اب بڑھاپا بھی نہیں گزر رہا ہے اسی لئے ہندوستانی ہی کہا اور سمجھا جا سکتا ہے۔

علامہ کا دورِ کبر شاہِ ثانی اور بہادر شاہ ظفر کا دور تھا۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کا راج قائم ہو چکا تھا ہندوستان بڑی بی نظیر طاقت کا غلام بن چکا تھا بادشاہِ دہلی کی حالت کچھ تلی کی حیثیت رکھتی تھی۔

۱۱۳۰ھ مطابق ۱۷۵۷ء میں دہلی کے بادشاہ نے مرہٹوں کو مدد کے لئے بلا دیا تھا، مرہٹوں نے دہلی کو غلام کر کے تختہ کھنکھار کر ختم کر دیا۔

قوموں کے عروج و زوال کی یہ داستان بھی کتنی المناک ہے کہ زمانہ اوج و بلندی میں بے شمار خوبیاں پیدا ہو جایا کرتی ہیں اور دور زوال میں خوبیوں کا پیدا ہونا تو درکنار جو محاسن مذہبی و قومی ملکی خصوصیات کا درجہ رکھتے ہیں وہ یا تو فنا ہو جاتے ہیں یا ان کی شکل و صورت مسخ ہو جاتی ہے۔ برائیاں جو ناک بن کر چھٹ جاتی ہیں اس سے اولوالعزم پیغمبروں کی امتیں بھی محفوظ نہ رہ سکی ہیں۔ دو جلیل القدر پیغمبروں کی امت کی تاریخ ہمارے سامنے ہے قوم موسیٰ اور قوم ابراہیم علیہما و علی نبیا الصلوٰۃ والسلام کے کردار و اعمال و کردار عمدت و مذلت میں کتنے بدل چکے تھے ان دونوں برگزیدہ جہتوں نے اپنی امتوں کے دماغوں میں خدا پرستی کی تعلیم راسخ کر دی تھی۔ بڑی بڑی مصیبتیں اظہارِ آلام کا شکار ہو کر فرعون و نمرود جیسے عویداران الوہیت اور جبار و ظالم بادشاہوں کا مقابلہ کر کے قوموں کے سامنے زندہ مثال اور نمونہ بنے تھے جو چیز تکلیف و دشواری سے حاصل ہوتی ہے قابلِ وقعت اور مستحقِ عزت ہوا کرتی ہے۔ جب عبد اقبال ختم ہو کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور قوم ابراہیم پر دو راد یا ر مسلط ہوا تو خدا پرستی کی جگہ گوسا پرستی اور بت پرستی نے لے لی محاسنِ خلاق کے بجائے بدکرداری اور سوء اعمال نے قبضہ جلیا۔ فَدَانِي خُطَابِ اِنِّیْ فَحَسَبْتُكُمْ عَلٰی الْغَالِیْمِیْنَ۔ سب کر کے حشر و قشت علیہم الذلۃ وَاَلَسْتُ كُنْتُ كَا قَعْبٍ ویدیا گیا۔ انسان کے سب سے بڑی تباہی غلامی ہے۔ یہ غلامی کسی کسی جیسے انسان کی ہو یا شہوت رانی و ہوس پرستی کی۔

عالمگیر اور نگ زیب نور اللہ مرقدہ کے بعد شاہانِ مغنیہ بھی عیش و ہوس پرستی کے غلام بن چکے تھے۔

اس مجاہد و متقی بادشاہ کے پوتے جہاندار شاہ کا تخت سلطنت پر بیٹھ کر سب سے پہلا کارنامہ یہ تھا کہ اپنی شہ رنڈی کے بھائی گودلی کا کو تو ال بنا کر شرفاء کے دلوں کو چھلنی کر ڈالنا پر پوتے محمد شاہ رنگیل کی دنگے بیوں سے سارا زمانہ واقف ہے۔ ۱۱۵۱ھ مطابق ۱۷۳۷ء میں،

”شامتِ اعمال مایں صورتِ نادر گرفت“

نادر شاہ درانی کا قتل عام بھی اس کا شاہد ہے۔

ان سب سے مجاہدانہ مزہا و جفاکشی کا حوصلہ ہمارا ہاتھ عیش و عشرت کی گرم بازار چنی امور سلطنت سے غافل بنا دیا تھا۔ خواجہ الملوی کا دور دورہ ہو جانا قدرتی امر تھا امتِ ہند

لا یغیر ما بقوم حتی یغیروا ما بانفسہم کا فرمان مرتضیٰ اپنا رنگ لایا۔ ایک غلامی
برضا، و رغبت اختیار کر لی تھی دوسری انسانی وغیرہ ملکی غلامی اس کے پاداش میں یہ جبر و اکراہ سر پر مسلط
کر دی گئی۔ اس طرح صدیوں کی جمعی جمائی سلطنت اور حاکمانہ عزت و سطوت کا ۱۷۵۷ء میں خاتمہ
ہو گیا جبکہ انگریزوں نے پلاسی کا میدان قیاری یا بہادری سے جیت کر بنگالہ فتح کر لیا۔ اس کے
کچھ عرصہ بعد شاہنوازہ عالی گوہر عارف شاہ عالم سے صورت بہار و بنگال کی دیوانی معاوضہ کیس لاکھ روپیہ
سالانہ حاصل کر لی جس کی رو سے الہ آباد سے بنگال و آسام کے آخری کناسے تک انگریزی تسلط باقاعدہ
تسلیم کر دیا گیا۔ میر جعفر نے بھی اس سلسلے میں اپنا پارٹ خوب ادا کیا۔

۱۸۰۳ء میں دہلی بھی مغرت و شان بھی ختم ہو گئی جبکہ لاہور ایک نئے دہلی پر حملہ کر کے شاہ عالم
کو گرفتار کرنے کے بعد ایک شرمناک معاہدہ کیا جس کی رو سے شاہ دہلی کی حکومت شہر و قلعہ اور
اطراف دہلی تا قطب صاحب، میں محدود کر کے مسلمانوں کے حقوق اقداری زبان تقریر قاضیان
وغیرہما کی حفاظت اپنے ذمہ لی۔ شاہ عالم کے قتل و جلا وطنی میں اشتعال کا اندیشہ تھا اس سے
معاہدہ ہی کو مناسب سمجھا گیا۔

۱۸۰۶ء میں شاہ عالم کے انتقال اور اکبر شاہ ثانی کی تخت نشینی کے موقع پر شہر و قلعہ پر ہی نمائشی
حکومت باقی رکھی گئی۔ یہی حالات تھے جن سے متاثر ہو کر غانداں دلی الہی کے چشم و چراغ، سرگودہ ملہ
و ملہ، شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے ہندوستان کے دارالحرب ہونے کا فتویٰ دے دیا تھا۔ اسی ٹٹنے
میں احمد شاہ ابدالی کے پوتے زمان شاہ نے ہندوستان پر حملہ کیا مگر ایران کی بغاوت کی وجہ سے دھیانہ
ہی سے کابل کو ہٹنا پڑا۔ جلتے جلتے رنجیت سنگھ کو پنجاب کا گورنر بنا دیا گیا۔ بعد میں اس نے مستقل
حکومت کا اعلان کر کے ملتان، کشمیر اور سرحد کے تمام اضلاع پر قبضہ جمایا۔

اس طرح انٹارویں صدی عیسوی کے نصف آخر میں چار طاقتیں نمایاں رہیں :-

۱۔ مرہٹے، صوبہ بمبئی، گجرات، صوبہات متوسط اور راجپوتانہ پر قابض تھے۔ دہلی، بنگال اور
آسام پر حملہ بھی کرتے رہتے تھے۔

۲۔ فرانسیسی طاقت
۳۔ نظام حیدر آباد
۴۔ مدراس میں
۵۔ دکن میں

۳۔ ٹیپو سلطان میسور میں

۱۷۶۱ء میں جنگ پانی پت نے مرہٹوں کے حوصلے پست کر دیے تھے اور ۱۷۶۹ء میں میر صادق نے جنگ میسور کا پانسہ پلٹ کر شیرِ مہندستان سلطان ٹیپو کو تہذیبِ کرڈال دیا تھا۔ افکارِ مصلحتی کے خاتمہ تک صرف ایک طاقت ایسٹ انڈیا کمپنی کا کوس "اناؤ لاخیری" پہنچے ٹکا ہوا۔ ۱۸۰۳ء اور ۱۸۰۶ء میں یہ کمپنی بالکل ہی قسمتِ ہندوستان کی مالک بن گئی۔

یعنی آخری تاجدارانِ مغلیہ کی عیش پرستی اور تباہی اور کفرانِ نعمتِ الہی کی شہنائیِ داستان جس کا خمیازہ نہ صرف مسلمان قوم بلکہ پورے ہندوستان کو ڈیڑھ صدی سے بھگتنا پڑ رہا ہے۔ علامہ اقبال مرحوم نے کیا خوب کہا ہے۔

آئندہ کو باؤں میں نعتِ یراعم کیا ہے
شہرِ رومستانِ اول طاؤس و ربابِ آخر

میں گھر ہاتھ کا غلامی بڑی بڑا ہے اس سے قوموں کی خصوصیات، ان کے خصائل و عادات یا تو فنا ہو جاتے ہیں یا مسخ ہو جاتے ہیں۔ ہندوستان کے مسلمان بھی اس سے مستثنیٰ نہیں رہے۔ ان میں بھی جیسا یہ اقوام اور غلامی کی "برکات" کی وجہ سے شرکیہ و جہیمِ مرام رواں چلے گئے۔

محرم کے قلمی جلووں کو زینیدی فوج کی شان و شوکت اور ہاتھوں کے مجسموں کو زیورِ پینا کر مورتیوں کی شکل و صورت سے دی گئی۔ بتوں کی طرح قبروں پر جہیں مٹائی ہوئے مٹی، جہاں مسجد کے اندر خوش پر خورانچہ بچنے والوں کا جھگڑا رہنے لگا، بیع و ہزار کے مسجد میں دروازے کھل گئے، بی بی کی صحنک شیخِ مذہب کا بکر اور اسی قسم کے دوسرے خرافات نے مذہبی شکل اختیار کر لی۔

بی بی کی صحنک کے نئے عجیب قیود تھے۔ جیو، کنواری اور دوبارہ شادی شدہ عورت اس طعامِ فاتحہ کو نہیں کھا سکتی تھی۔ اسی طرح مرد بھی ہاتھ نہیں لگا سکتے تھے۔ اس کی مثال چارچوب کے موجودہ مرد جو کونڈوں سے بچھ لیے۔ کونڈوں کی میٹھی پوریاں معینِ احاطے سے باہر نہیں نکلتیں۔ ہاتھ بھی وہیں ایک برتن میں دھوئے ضروری ہیں، غسل کر کے کھانا فراغ میں شامل ہے حقیقت اس کی صرف اتنی ہے کہ امام جعفر صادق کی روح کو اس کا ایصالِ ثواب کیا جاتا ہے۔ ایصالِ ثواب کے لئے کھانا تقسیم کرنا زمان و مکان کی قید سے بالاتر ہے۔ یہی قیود بڑھا کر بزرگوارِ ماز

بادیشتی کوشش کی گئی ہے یہی حال بی بی کی صنگ اور دوسری خرافات کا ہے۔

نوال پذیر اور مردہ اقوام میں غزم و جہاد کی جگہ گوش نشینی و نزول سے ملتی ہے۔ خدا پرستی کے بھلے شیطان پرستی گھر کھڑکتی ہے، اوہام باطلہ اپنا قبضہ جمایتیں ہیں، خود اعتمادی کا خاتمہ ہو جاتا ہے دنیا کی برہمن کو حاجت روا اور نیکی کو ڈوبتوں کا سہارا سمجھا جانے لگتا ہے۔

برائے نام بادشاہوں کی پیش پستیوں نے قوم پر اور خود کاری کر دیا تھا۔ مولانا شاہ اسماعیل بن شاہ عبدالغنی بن شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور علامہ فضل حق بن مولانا فضل امام خیر آبادی نے یہ پڑھ کر دبیں انکھیں کھولی تھیں۔ دونوں حضرت شاہ عبدالعزیز کے تربیت یافتہ اور ایک ہی ماحول میں پرورش پانے والے تھے۔ دونوں کا علمی خاندان سے تعلق تھا۔ پندرہویں پشت میں جدِ علی شیر الملک بن عطار الملک شاہ ایرانی میں دونوں کا نسب جا کر مل جاتا ہے۔ دونوں بے انتہا ذہین و طین تھے۔ ایک نے تیرہ سال اور دوسرے ۱۸ سال پڑھے تھے اس لحاظ سے قلعے میں مہارت تامہ حاصل کر لی تھی ۱۸ سالہ صاحبِ مدد سے ۱۸ سال پڑھے تھے اس لحاظ سے ملازم کی پیدائش اور شاہ صاحب کی مسند نشینی درس و تدریس کا سال تقریباً ایک ہی ہو جاتا ہے۔ مسلمانوں کی گمراہی اور بے راہ روی مولانا اسماعیل سے نہ دیکھی گئی۔ درس و تدریس کے

ساتھ دلف و تبلیغ کا سلسلہ بھی شروع کر دیا۔ علم محترم شاہ عبدالعقاد دہلوی کے بعد ۸۱ برس ان کی جگہ سنبھالی۔ جامع مسجد کو مرکز پرشد و ہدایت بنایا۔ پہلا دلف و حدایت باری تعالیٰ اور دوسرا فقر و تصوف پر کہا۔ ان دونوں دلفوں کو منشی میرالائی نے بحسنِ نقل کیا ہے جیسا کہ طبع میں مفصل مرقع میں الحق عز و جل کا ذکر کے مطابق جو تمام مصلحتیں ساتھ حشر ہوتا آیا ہے ان کے ساتھ بھی ہوا جذبات و خواہشات کے خلاف اطمینانی ہوئی آواز کی مخالفت ہوئی اور پوری طاقت سے ہوئی۔ لوگوں نے غلط فہمیاں پھیلانی شروع کیں، الزامات تراشنا اور جتان باندھنا اپنا شعار بنالیا۔ خدا کے پیغام پر عمل کرنے کو کہا مگر انہوں نے اس رسم و رواج کا حوالہ دے دیا کرتے تھے کہ ذَا قِلْ لَكُمْ اَنْتُمْ عَاثِرُونَ مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاَنْتُمْ اَنْتُمْ مَتَّبِعُوْهُ مَا اَلْفِتْنَاكُمْ لَنْ تَابَعُوْا مَا كُنْتُمْ مَعَهُ سِرًا صَدَاقِ بن گئے تھے۔

مسلمانوں کی شدتِ مخالفت کی بنا پر قدرتی طور پر شاہ صاحب کا جذبہ اصلاح بھی غلو کی

شکل اختیار کر گیا ایک طرف تفریط تھی تو دوسری جانب افراط، شاہ صاحب نے مسلمانوں کی ہر
 فطر روئی کو شرک سے تعبیر کرنا شروع کیا۔ مقصد نیک اور نیت بخیر تھی "مگر گشگیر تابتہ یعنی آید"
 کے اصول پر اہتمام کا ارتقا، وعظ و تبلیغ کے ساتھ تصنیف و تالیف کا سلسلہ بھی شروع ہوا۔ پہلے
 عربی میں پھار دو میں آفتۃ الایمان لکھی، اس میں مقلد ابدال سے تجاوز کیا گیا اس کا خود مصنف
 کو بھی احساس تھا جب سچ کو جاننے کا ارادہ کیا تو اپنے پیر و مرشد سید احمد بریلوی مولانا عبدالحی،
 مولانا شاہ محمد الحق، مولانا محمد یعقوب، حکیم موسیٰ خان مومن، مولوی فرید الدین مراد آبادی، مولانا عبد اللہ
 خان علوی (استاذ امام بخش صبائی شہید) کو جمع کر کے ایک منسوخہ تقریر کی، آپ نے کہا :-
 "میں جانتا ہوں کہ اس (آفتۃ الایمان) میں بعض جگہ ذرائع الفاظ بھی آگئے ہیں اور بعض
 جگہ تشدد بھی ہو گیا ہے مثلاً ان امور کو جو شرک خفی ہیں شرک جلی کہہ دیا گیا ہے۔
 ان وجوہ سے مجھے اندیشہ ہے کہ شورش ضرور پھیلے گی۔"

اس تہدید کے بعد اس مقدمہ کمیٹی سے ترمیم و اصلاح کی درخواست کی، حکیم مومن خان،
 عبداللہ خان علوی اور بعض دوسرے احباب نے مولانا کی ولداری کے لحاظ سے ترمیم کی مخالفت
 کی اور کتاب اصلی حالت پر چھوڑ دی گئی۔ (اس کتاب کا پراء ایڈیشن کہیں دستیاب ہو تو تمام جذبات
 عقیدت و نفرت سے بالاتر ہو کر چڑھنے سے بڑا نصاب پسند مسلمان اندازہ لگا سکے گا کہ الفاظ و عبارات
 نے نامناسب لب و لہجہ اختیار کیا ہے یا نہیں)

اس افراط و فطر کا نتیجہ ہوا کہ مولانا کے جذبات اصلاح اور وعظ و ارشاد کی قدر کرنے والے
 اور پرانے ساتھی بھی مولانا کی مخالفت کے بغیر نہ رہ سکے، انہیں میں سے علامہ فضل حق خیر آبادی
 بھی تھے، علامہ کی دور بین نگاہوں نے تاثر لیا تھا کہ یہ تو آسمان سے گر کر کھوپڑ پر ٹھکانا ہوا تفریط
 تھی تو افراط پیدا ہو کر رہ گیا، ایسے مواقع پر پہلو تھی اور خاموشی گناہ عظیم ہے۔

علامہ سر سید خاں میں سرشت دار تھے اپنے استاد بھائی مفتی صدر الدین خان آزرہ صدر الصدد
 کی طرح حکام و رعایا میں مقبول و عام اور ڈپٹی کسٹرن کے برابر با اقتدار تھے قلعہ معلیٰ میں بھی
 بادشاہ و شہزادگان کی نظر میں با وقعت تھے (جس کا مختصر حال اوپر گزر چکا ہے) علامہ نے پہلے

تو یہ کوشش کی کہ دونوں طرف کے اس ہنگامہ اور مسلمانوں کی ہم جنگ و جدال کو قانونی طور پر روک دیا جائے تاکہ ایک طرف عوام بھی مطمئن ہو جائیں اور دوسری جانب شاہ صاحب کے لئے بھی باوقار نہ ہو۔ اس میں مستقل طور پر کامیابی نہ ہو سکی تو ایسے اختلافی مسائل کو عملی طریقہ پر یا بھی طے کرنا مناسب سمجھا تاہم عوام میں ملی مسائل کھلوانا نہ کر مزید گمراہی کا سبب نہ بنیں اور جس طرح مولانا شہید جنگ مفتی سے زکوۃ العالم کو برداشت کر سکتے تھے۔ علامہ زکوۃ العالم کو برداشت فرمایا۔ اختلاف کو ازالہ کر سکتے تھے مشترک اساتذہ کے فیض صحبت نے دونوں ہی کو حق کو ادا صداقت شعاربنا دیا تھا۔ علم و فضل میں دونوں بالکل جذبہ اخلاص و حریت میں بے حد بل و بے مثال، میدانِ قمر اس پر اشتہارِ قلم نے دوڑنا شروع کیا سمند ہائے خامہ نے وہ وہ جولانیاں دکھائیں کہ خفاص و موافق سبھی دادِ روانی دے لیتے رہ گئے ملی مرثکفائیاں فنی باریکیاں منہ شہود پر جلوہ گر ہونے لگیں۔ رفیع یدین، آبین، بالجہر وغیرہ جابر خامہ فرسائی ہونے لگی موافق و مخالفت علماء بھی میدان میں اتر آئے۔ جبرائیل امکان، نظیر اور اقبال، نظیر کا چھوڑ گیا۔

اس مسئلہ میں شاہ صاحب کی رائے مفتی کو قائم نہیں کرنا ممکن بالذات اور مستنیع بالآخر ہے۔ علامہ مستنیع بالذات مانتے تھے (اس مسئلہ پر علامہ کی مستقل کتاب مناظرۃ انداز پر مباحثہ نظیر کے نام سے ۱۹۰۸ء میں موصوف کے نظریۃ تقلید مولانا سیب سیدان اشرف بہاری مرحوم صاحب قاصد و خیانت مسلم زیرِ نگرانی علیگڑھ کے زیرِ اجتماعت شائع ہو چکی ہے) علامہ کے ہاتھ کا لکھا ہوا اصل مسودہ کتاب خانہ حبیب گنج میں موجود ہے۔ اس کتاب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظیر کے مستنیع بالذات ہونے پر جو دلائل و براہین تاقم کئے ہیں انہیں دیکھ کر بے ساختہ مرحبا و احسن تہذیب زبان پر آتا ہے علمی و فنی حیثیت سے وہ وہ نکالریاں کی ہیں کہ صفحات کتاب تنویر چھپناں بن گئے ہیں اسی ایک کتاب پر کیا موقوف ہے تمام مصنفات کو دیکھ کر یہی کہنا پڑتا ہے ۔

لیس نقد بمستنکر ان بحکم العالم فی واحد
یہ تو پہلے گزری چکا ہے کہ مرزا اسد اللہ خان غالب سے علامہ کے بڑے گہرے تعلقات تھے۔ علامہ کا رجحان طبع دیکھ کر اسی موضوع پر ایک مثنوی لکھ ڈالی جو کلیات غالب میں مثنوی کے سلسلے میں چھپی مثنوی ہے۔ غالب کے انما لربیان کا یہ کچھ کہ کہاں نہیں کر ایسے مشکل مسئلہ کو

ایسی روئی درخونی سے بھرا، یا علامہ درود مرے اہل فضل و کمال کی محبت نے غالب کو فی الواقع غالب بنا دیا تھا۔ لکھتے ہیں:-

قدرت حق را ذی یک عالم بس است	یک جہاں تابست یک فاقم بس است
ہم بود ہر عالم را خاتمے	خواہد از ہر ذرہ آرد عالمے
رحمتہ للعالمین ہم بود	ہر کجبا جنگامہ عالم بود
یا بیک عالم دد فاقم خوب تر	کثرت ابداء عالم خوب تر
صد ہزاراں عالم دد فاقم بگوائے	در یکے عالم دد فاقم جوئے
خردہ ہم برخوش می گیم ہی	غالب ایں اندیشہ نپذیرم ہی
دانم از روئے یقینش خواندہ	اے کوشتم المہینش خواندہ
حکم ناطق معنی الطلاق رست	ایں الف لائے کہ استغراق رست
گرد و صد عالم بود فاقم یکے است	منشاء ایجاب ہر عالم یکے است
لا جرم شش "عالم ذاتی" است	منفرد اندر کمال ذاتی است

زیر عقیدت برنگردم والسلام

نامہ دا درمی نوردم والسلام

غالب نے ان اشعار میں سے ابتدائی پانچ شعروں میں اپنی قادیانیت کے ایک حل نکالنے کی کوشش کی جس میں دونوں اکابر کی بات رہ جاتی تھی اور وہ یہ کہ فاقم انبیین اللہ جل شانہ نے اس عالم کے لئے بنایا ہے اس عالم میں تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظیر پیدا ہونا محال اور متنع بالذات ہے لیکن خدا دوسرا عالم بنا کر آدم سے عیسیٰ تک اس عالم کے لئے پیغمبر پیدا کر کے آخر میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اھلۃ والسلام کو فاقم انبیین بنا سکتا ہے۔ اس طرح اس کا بن نظیر کی صورت نکل سکتی ہے۔ آخری چھ اشعار میں اس خیال کو رد کرتے ہوئے علامہ کی رائے سے اتفاق کرنا پڑا ہے اور اسی رائے سے اپنی موافقت ظاہر کرتے ہوئے جس دلیل طریقہ پر اسے ثابت کیا ہے یہ غالب ہی کا حصہ ہے

سوانح نگاروں نے اپنی نادانی اور جانبداری کی بنا پر اتنی شنی بات کو افسانہ بنا دیا۔ ان

عہدہ عالیہ خزانہ اسرار اللہ شاہ میں مہتمم علامہ کے یہی خیال تھے کہ ان اشعار کی تفسیر کی جیت گشتا کے ساتھ ہی بات "مکہ کو جی رہا تھا" کی سکر کرتے ہیں۔ علامہ داہمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بنایا ہے۔ "مکہ کو جی رہا تھا" کی سکر کرتے ہیں۔

علی بخش کو جانیں کے رشک و حسد کا نتیجہ قرار دیا۔ دونوں کے معتقدین نے دونوں بالکمال بزرگوں کی تعظیم کرنے میں کسر نہیں اٹھا رکھی۔ میں نے دونوں گروہوں کے مضامین پڑھے۔ ہر جگہ یہی جذبہ کار فرما دیکھا۔

چوں ندید نہ حقیقت رہا فساد زوہد

مرزا حیرت دہلوی صاحب حیوۃ طیبہ نے تو عجوبہ حیرت ہی بنا دیا۔ نہ صرف علامہ بلکہ علامہ کے والد ماجد مولانا فضل امام کو بھی پڑھا لکھا ماننے میں تامل کیسے جن کے علاوہ میں علامہ علامہ کے مفتی صدر الدین خان آزرہ صدر الصدور دہلی وغیرہ جیسے گرامی قدر فضلاء عہد بھی موجود ہوں کہ جن کے ادنیٰ معلقہ بگوش و شاگرد نواب صدیق حسن خان قنوجی بھوپالی اور سر سید احمد خاں بانی مسلم یونیورسٹی علیگڑھ جیسے اکابر و مشاہیر وقت نظر آتے ہوں حیرت برتی ہے کہ انسان معاذہً روش اختیار کرتے وقت نامیائے کیوں ہو جاتا ہے۔

سر سید احمد خاں مرحوم نے مولانا فضل امام کے متعلق جن تاثرات کا اظہار ان آثار و تصانیف میں کیا ہے وہ مولانا کے حالات میں پیچھے نہ چکا ہے علامہ کے متعلق بھی چند سطریں ملاحظہ کرتے چئے،

”مستجمع کمالات صوری و معنوی، جامع فضائل ظاہری و باطنی، بنابرنا فضل
افضال، ہمارا رائے چہستان کمال، تنگی اراکب اصابت رائے، مسند نشین
دیوان افکار رسائے، صاحب خلق محمدی، مورد سعادت اذلی وابدی، مکمل حکم
منظرات، فرماں رواں کشتہ محاکمات، عکس آمیزہ صفائی ضمیری، ثابث اشنین
پرنسپل و حریری، المعنی وقت و لوزئی اووان، فردوق مہمد و لمبید و دوران مبطنی اطل
و محقق حق، مولانا محمد فضل حق۔ یہ حضرت غوث الرشید میں جناب مستطاب نے لانا
فضل امام غفرلہ رالمنعم کے تحصیل علوم عقیدہ و تعلیم کی اپنے والد ماجد کی خدمت
ہدایت میں کی ہے۔ زبان قلم نے ان کے کمالات پر نظر کر کے فخر فائدہ ان لکھا اور
فکر دقیق نے جب ستر کار کو دریافت کیا فخر جہاں پایا۔

جمع علوم و فنون میں یکتے روزگار میں اور مطلق حکمت کی تو گویا انہیں کی
فکر عالی نے بنا ڈالی ہے علامہ عصری فضلاء دہر کو کیا طاقت ہے کہ اس

بندگان حضور انواب غلام آشتیاں اسے بھی کچھ پڑھا ہے۔ کچھ برس بہت اعزاز و اکرام کے ساتھ رہے پھر یہاں سے تشریف لے گئے تھے۔

مفتی انعام اللہ غاں بہادر شہابی گوپاموی سرشتہ دار سراجہ درگاہ کوہک ریزہ منت دہلی متوفی ۱۳۷۴ء لکھتے ہیں،

”برادر مولوی فضل حق خیر آبادی از فحول علمائے زمانہ دیگانہ دوہلا راست خصوصاً در علوم عقائد گویا سبقت پروردگار و دانش در لطايف عالم بنیاد دریں وقت مشہور است۔“

مولوی اکرام اللہ شہابی گوپاموی نے شمس العلماء مولانا عبدالحق خیر آبادی سے پوچھا بھائی صاحب! دنیا میں حکیم کا اطلاق کن کن پر ہے؟ مولانا کہنے لگے بھئی! سائے تین حکیم دنیا میں ہیں۔ ”ایک معتمد اولیٰ ارسطو، دوسرے معتمد ثانی فارابی، تیسرے والدہ ماجد مولانا فضل حق اور نصرت بندہ۔“

۱۲۵۹ء مطابق ۱۸۴۰ء میں نواب سید محمد سعید غاں بہادر سندھین ریاست بن کر استقامی امور سے فارغ ہوئے اور سرپرستی علم و ادب کی طرف قدم اٹھایا تو مولانا فضل حق خیر آبادی، ملک الشعراء ذکی مراد آبادی، حکیم احمد غاں فاخرہ امپروی وغیرہم کو تائید و توجہ کتب پر مامور فرمایا لیکن یہ بچہ پروانہ چڑھنے پایا تھا کہ ۱۲۷۱ء مطابق ۱۸۵۵ء میں نواب جنت آباد ام گلہ نے وفات پائی۔

ان شے نمونہ از خرداے باکا بر معاصرین کی شہادتوں کے بعد مرزا حیرت کی جرأت و جسارت پر حیرت ہوتی ہے اور غور کیجئے توجیرت کی کوئی بات بھی نہیں جو واقعہ کر بلا اور حادثہ شہادت امام حسین رضی اللہ عنہ سے انکاری ہو فیض دکن الی فضل حق کا منکر بن جانے توجیرت کیوں ہو؟ کیا شہرت غلام خدا میں پہنچ کر داد و دہش، بغیرات و مہزات سے ہی حاصل ہوتی ہے؟ چاہہ نامزم میں نہماست ڈالنے سے مشغول نہیں ہو سکتا؟

مرزا حیرت کی علمی قابلیت کا اندازہ اسی سے ہوتا ہے کہ علامہ شبلی مرحوم نے میر تقی عثمانی صفر ۱۳۰۳ء

ملاحظہ فرمادیا۔ ”مکملہ اکرام مولوی اکرام اللہ شہابی رضی اللہ عنہ، بیچ نکاح تہا بھائی، از زمین ندی۔“

۱۴ و۔ چرامام اعظم ابرہیہ کی فوقیت دوسرے مجددین پر ثابت کرتے ہوئے کچھ اختلافی مسائل نقل کتے ہیں جن سے امام اعظم کی ذہنی رسائی اور ارتقاء دائمی کا اچھی طرح حال معلوم ہوتا ہے۔ انہیں جس سے مسائل نصاب سرحد اور عدم قطعید تباش بھی ہیں۔ مرزا جی کے حوالہ طیب (سیرت مولانا شمسید) میں اس بحث کو چھیڑ کر ان دونوں مسئلوں پر بلا ضرورت عا مرفرسانی بھی ضروری سمجھی ہے۔ علامہ شبلی مرحوم کے ساتھ امام اعظم کو بھی نہیں بخشا گیا ہے۔ پھر خیر آبادی بزرگانِ کرام پر بیعت نہائی کا شکوکہ لیا۔ مردہ قوموں اور بدعینت گروہوں کا خاصہ یہ بھی رہا ہے کہ اسلاف پر نکتہ چینی یا وہستان تراشی شمار بنایا گیا ہے۔ غلغلہ برآمدین میں کیا فلسفوں و اتحاد تھا تا ریخی واقعات اس کے شاہد اور سیرکی روایات اس پر گواہ ہیں صحابہ کرام میں باہمی اخلاص و محبت ضرب اشک تھا حضرت امیر معاویہ کا جنگ صفین کے موقع پر بادشاہ روم کو جواب رمیتی دنیا تک منہرے حرفوں سے لکھا جائے گا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی جنگ جمل میں ام المؤمنین عائشہ صدیقہ کے اونٹ کو ہرج کی حفاظت و نگہداشت کمی نہ جو لئے والا واقعہ ہے۔ ان حضرات کا اختلاف بھی ذاتی منافقت سے بالاتر ہوتا تھا۔ ایک دوسرے کا ادب و احترام پورا ملحوظ رکھتا تھا۔

اس کے باوجود بھی تیرہ سو سال سے روافض و خوارج باہم دست و گدہاں ہیں۔ وہ کونسا
الزام ہے جو ایک گروہ دوسرے کے بزرگوں پر نہیں لگاتا اور وہ کونسا ہستان و افتراء ہے جو ان حلقہٴ رسول
پر نہیں تراشا جاتا، الصیاف بائندہ !

توجہ دانی سترحق اسے جاہلی تو گرفتار ابو بکر و علی

علامہ دومولہ ناٹھیک کا بھی کچھ ایسا ہی معاملہ پڑا ہے۔ جو لوگ دونوں کے فضل و کمال اور مہارتِ علوم و فنون سے ناواقف محض ہیں انہوں نے بھی اس موضوع پر قلم اٹھا کر تفضیل و تنقیص کے ساتھ موازنہ شروع کر دیا۔ کاش وہ دونوں کے مرتبہ کو پہچانتے اور دونوں کی صدق دلی اور حق گوئی کے انجام کو دیکھتے انسا العسيرة بالخواتيم اور انسا الاعمال بالنیات کو غور رکھتے۔

ایک مولانا شہید نے چھابا باسیف کر کے بالاکوٹ کے مقام پر ۱۲۴۶ھ میں شہادت جہری حاصل کی تو دوسرے علما و فضلاء نے فضل الجہاد کلمۃ حق حسد

نکھیں کہ خط بیچ نبوت (و) شائستہ لڑکھانوں کی کہ انھوں نے شریعہ پر کڑی طعن ہے جا ہے۔ ۱۱۔ ایچ سپنڈ کٹر لی رونا کا وقت ۱۰ گھنٹہ

محمد رسولی علی مراد

طه: ١٠٠

نہ فراموش کرو کہ یہ کتاب صرف ایک کتاب ہے۔ اس کی جگہ پر ایک اور کتاب آئے گی۔ اس کی جگہ پر ایک اور کتاب آئے گی۔ اس کی جگہ پر ایک اور کتاب آئے گی۔

سلطان جاسر پر عمل پیرا ہو کر فتوے دیکر جہاد سانی و فلی کرتے ہوئے ۱۲۷۸ھ میں جزیرہ
اندلس میں بحیثیت امیر فرنگ مرتبہ شہادت سری پایا۔

ہرگز نہ میر داکھ دلش زندہ شد لبش

ثبت است برجیدۂ عالم دوم ما

دوسری طرف دیکھیے تو ایک مجاہد اعظم وقت سید احمد شہید بریلوی کا دامن عقیدت تھلے ہوئے
نظر آ رہا ہے تو وہ سراسر آدایا علم حضرت دھرم شاہ دہلوی کا فرقہ ارادت و رب بن کے ہوئے
جلوہ آ رہا ہے ایک اگر تقویۃ الایمان اور صراطِ مستقیم لکھ کر اپنے خیال کے مطابق حلقہ بگوشاں اسلام
کی مذہبی خدمت انجام دے رہا ہے تو دوسرا دھرم الجود نے تحقیق و مدۃ الوجود تصنیف کر کے
اہل عرفان کے ایمان و ایقان کو مستحکم بنا رہا ہے اور صدقہ تصانیف زاد راہ آخرت اور توشہ
جادۂ عاقبت بن رہے ہیں۔

امام ابوالمولانا ابوالکلام مدظلہ نے ۱۴ جون ۱۹۴۶ء کی صبح کو برقت ملاقات اپنے استاذ
مکرم مولانا فیظ الحسن انیسوی (تمیز مولانا محمد عبدالحق خیر آبادی) کی نسبت سے یہ روایت بیان
کی کہ علامہ نے مدۃ الوجود پر جب رسالہ لکھا تو اہل علم و صاحب عرفاں حضرات شہرِ رحال
کر کے علامہ کی زبان سے اس کو سننے کے لئے حاضر خدمت ہوتے تھے اور اس معرکہ الآراء
مسکے کے حقائق و دقائق سنکر ان پر دہرائی کیفیت طاری ہو جاتی تھی۔ اس رسالہ کے آخر
میں جو توجہ فرمائی ہے اس سے غیبت باری اور قلبی کیفیت کا اندازہ ہوتا ہے۔

ان خیر مای تو اوصی بہ ان یشفی اللہ فی العلانیۃ والسر
ان کنت فی ہذہ التوصیۃ ممن نسی نفسہ وامر غیرہ بالبر
فیالہی علی امر تلفتہ ونہ من فی الہوی اسلفتہ وسور
عمل اخلفتہ وقدر بالخلایعہ وضعنتہ وقدر من البضاعۃ
اضعتہ وریعان فی الزہو قبضنتہ وعیش لباب فی اللہو
امضیتہ عفا اللہ عنی وعنک واذهب عنا بواسۃ رحمۃ
العنیق والضعف ووفقنا لصالح الاعمال وجمیل الاعمال

توفیقاً وجعلناهم الذین انعموا علیہم من النبیین و
الصدیقین والشہداء والصلحین وحسن اولئک رفیقاً

اس کا لفظ معترف قصداً اور خشیت ربہ غور پر دلالت کرتا ہے فرماتے ہیں :-

” بہترین وصیت یہی ہو سکتی ہے کہ خدا سے غاہر و باطن دونوں حالتوں میں ڈرتا رہے
اگرچہ میں ان لوگوں میں سے ہوں جو اپنے آپ کو بھول کر دوسروں کو نیکی کی ہدایت
کرتا ہے۔ کس قدر افسوس ہے کہ میں اپنی عمر خواہشات میں برباد اور اپنی زندگی
بد اعمالی میں تباہ کرتا رہا۔ اپنی عزت و توقیر و اہمیت باتوں کی وجہ سے گزاتا اور
اپنی پونجی کی بڑی مقدار مٹاتا رہا۔ حیات کے خوشگوار دن اترانے میں اور
بہترین ایام لہو و لعب میں گزارتا رہا۔ خدا مجھے اور تمہیں معاف کرے اور
اپنی رحمت کا طے ان لغزشوں سے درگزر کرے۔ ہم سب کو اعمال نیک کی توفیق
دے اور اپنے مقبول بندوں، انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین کا رفیق بنائے۔“

یہ تھے ان دونوں بزرگوں کے کارنامے! اختلاف کس میں نہیں ہوا صحابہ کرام،
مجتہدین عظام، علماء و اولیاء، ذوی الاحترام، کب اس سے محفوظ رہے۔ یہ اختلاف تو کثرت
ہے اختلاف امتی رحمة ایسے ہی اختلاف کو کہا گیا ہے۔

گھمائے رنگ رنگ سے ہے زمین چمن

اسے ذوق اس جہاں کو ہے زیرِ تماشا

دو مائی جسدی معراج، قرآنہ ملت الانام، وحدۃ الوجود و وحدۃ الشیخ، یہ اور اسی قسم
کے صد ہا مسائل زیر بحث رہے ہیں۔ دونوں طرف اکابر و اعظم حضرات نظر آتے ہیں۔ ہمارے
نئے سبھی قابل احترام ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ ہماری رائے کسی ایک طرف ہو۔ اسی طرح امکان
نظیر و اقتناع نظیر میں بھی اختلاف ہو سکتا ہے علمی مسئلہ ہے، فلسفیانہ نکات و حقائق کا
مائل ہے خواص کے سوا عوام سے اس کا تعلق کیا۔ پھر بھی ہر کس و نا کس اس پر طبع آزمائی کرنے
بیٹھ جاتا ہے جو لوگ امکان کے معنی اور اس کی اصطلاحی تقسیم و تعریف سے بھی بے بہرہ ہیں
وہ بھی اس پر قلم اٹھا رہے ہیں اللہ ہمراہ حفظنا من شرور انفسنا۔

علامہ کے رد و مناظرہ کی مہارت کا اس واقعہ سے پتہ چلتا ہے کہ علامہ جب کھنوس میں عند اللہ فرما کر فرائض انجام دے رہے تھے تو ششی نول کشور نے کمال ادب عرض کیا کہ ادقات فرصت میں عربی کتب کی کاپیلاحظہ فرما کر مطبع کی عزت و بالا فرمائیں تو میں بندہ نوازی ہوگی۔ انرا واہ اخلاق متقدر کن پڑا۔ مجتہد العصر کی ایک کتاب مناظرہ مطبع میں طبع ہونے آئی۔ اس کی کاپیاں ملاحظہ کے لئے آپ کی خدمت میں بھیجی گئیں۔ آپ تصحیح عبارت کے ساتھ ہی ساتھ حاشیہ پر اسکر حشرات کے جوابات بھی لکھتے ہاتھ تھے جب کتاب چھپ کر ان مجتہد صاحب کے پاس پہنچی تو اسے دیکھ کر سرپیٹ لیا کہ تمام عمر کی محنت برباد ہو گئی۔ دریافت پر ششی نول کشور نے اصل حقیقت ظاہر کر دی آخر شش کتابوں کے انبار میں آگ لگوا دی گئی۔ ۱۷

بیعت

علامہ عقیدہ سنی حنفی مازیدی تھے یہی وجہ تھی کہ مولانا اسماعیل شہید سے رفع یدین اور "آمین بالجہر" امکان تھوڑا اعتبار نظیر ثمر مناظرہ چھڑ گیا تھا جو عرصہ تک جاری رہا۔ دونوں طرف سے تحریروں کا سلسلہ چلتا رہا تحقیق القوسی فی ابطال الطغوی، کتب خانہ مولوی سید نجم الحسن رضوی خیر آبادی میں موجود ہے۔ اس میں شفاعت و اعتبار نظیر پر بحث ہے۔ یہ پہلی تحریر ہے اور رسالہ اعتبار نظیر جواب الجواب ہے سلسلہ عالیہ چشتیہ میں حضرت شاہ دھومن دہلوی سے بیعت ہوئے مرید شاہ دھومن دہلوی بود۔ ۱۸

مولوی فیض الحسن کہتے تھے کہ میرے استاد مولوی فضل حق رامپوری کا بیان ہے کہ علامہ فرماتے تھے کہ میں حضرت مجدد صاحب کے سلسلے کا زیادہ عقیدہ نہ تھا لیکن جب سے میں نے شاہ عبدالقادر صاحب کو دیکھا اس سلسلہ کا بہت معتقد ہو گیا کیونکہ اگر وہ سلسلہ فی الواقع ناقص ہوتا تو ایسے لوگ اس سلسلے میں داخل نہ ہوتے۔ ۱۹

علامہ بابر ہمدانی علم و فضل و ریاست و امارت، شریعت و طریقت پر کس درجہ عمل پیرا تھے مولانا عبداللہ بگرامی کے الفاظ میں کہتے:

طے ذکر فضائے جہد ۱۲۰۰ ذکرہ علامہ بندہ ۱۲۰۰ امیر الادیات مشرق۔

علامہ ہمدانی نے مائتہ و فیصد ثابت کیا ہے۔ ۲۰۰۰ ہر صاحب نام آدم جمع ہو جس سے ۱۰۰۰۰ (دھومن دہلوی)

” ولا يشغله ما رزقه الله من الايال والجلاد والصفائف
من الجياد عن طاعة الله فيما امره ونهاه فكان من رجال
لا تلهيه سحر تجارة ولا بيع عن ذكر الله وكان مواظبا على ختم
القرآن في كل اسبوع من الايام والصلوة النافلة في
جوف الليل والناس نيام فمن كان مواظبا على المتطلبات
فما ظنك به في المكتوبات وكان رحمه الله رؤوفا بالطلاب
حريصا على تدريس اولى الافهام والالباب فكان ديدنه
الافهام بالفاظ سهلة الاحكام ولا يستفهم مهما يستفهم
عن التفهيم ويسقى بين ولده وقلدة كبده وبين احد
من الطلبة في الارشاد والتعليم له

” اللہ کے دئے ہوئے ہاتھی، اونٹ اور عمرہ قسم کے گھوڑے اور مرد و ناری میں احکام
خداوندی سے درو کئے تھے، آپ ان میں سے تھے کہ تجارت اور خرید و فروخت اللہ
کے ذکر میں مارج نہ ہو سکتی تھی۔ ہر مہینہ ختم قرآن پاک فرماتے، تنہا کی نماز کی پابندی کرتا
جو نوافل پر اس درجہ مواظبت کرتا ہوا اس کے فرائض کا حال خود سمجھ میں آتا ہے، طلبہ پر
شفیق اور زمین تادمہ کے چھانے پر حریص تھے، آسان اور سہل الفاظ میں سمھاتے،
کسی کے سمھانے سے بات نہ سمجھتے بلکہ خود تہ تک پہنچتے، تعلیم و تدریس میں اپنے جگر گزشتہ
اور عام طالب علم میں ذہن برابر فرق نہ کرتے۔“

اخلاق و عادات

علامہ برجے فیاض اور رحمدل واقع ہوئے تھے۔ دوسروں کی تکلیف دیکھ نہ سکتے تھے۔ داد و دہش کا سلسلہ ہمیشہ جاری رہتا۔ دوستوں اور ساتھیوں کے ساتھ حسن سلوک آپ کا طرہ اختیار تھا ایک بار حکیم مومن خاں مومن شطرنج کھیلنے سے کسی بات پر ناخوش ہو کر اٹھ کر چلے گئے تو دوسرے وقت ان کے یہاں جا کر انہیں منالائے۔

شاہ غوث علی صاحب گرجہ مولانا فضل امام خیر آبادی ایک مرتبہ دوران قیام لاہور میں نظر پڑ گئے۔ سڑکے میں قیام تھا۔ علامہ نے بے انتہا اصرار سے اپنے پاس غیلے کی کوشش کی لیکن شاہ صاحب جو اکثر استغراق میں رہتے تھے اور تخیل کے غور کرتے آمادہ نہ ہوئے تو مالک سڑک سے کھٹا ہوا کہ شاہ صاحب کے تمام معارف کا بل ہمارے پاس آئے اور جس قدر بھی خرچ ہو جائے کچھ طلب نہ کیا جائے گا۔

علامہ دوستوں کے فائدے کی نئی نئی صورتیں پیدا کیا کرتے تھے۔ مخلص احباب میں سرزا اسد اللہ خاں غالب سب سے زیادہ ضرورت مند تھے۔ مولوی امتیاز علی خاں عرشی لاہوری نامی کتب خانہ ریاست۔ مکتبہ غالب میں غالب نوازی کا مال لکھتے ہیں۔

”حسن اتفاق سے مولانا فضل حق خیر آبادی لاہور میں فروکش تھے۔ انہوں نے حق دوکھی ادا کیا اور وقتاً فوقتاً سرکارِ نواب سید یوسف علی خاں والی لاہور کے دربار میں ملا صاحب کی اس قدر تعریف و توصیف کی کہ سرکارِ ان کے کلام کے مشتاق ہو گئے۔ جب حالات سازگار نظر آئے تو مولانا نے میرزا صاحب کو لکھا کہ سرکار کی خدمت مبارک میں نامہ بندگی اور قصیدہ مدحیہ ارسال کریں۔ مولانا کا نامہ گرامی میرزا صاحب کو ۲۷ جنوری ۱۸۵۷ء کو موصول ہوا۔ ۲۸ جنوری کو انہوں نے بتعمیل ارشاد نواب فردوس مکان کی خدمت میں پہلا عرضیہ ارسال کیا۔ اس کے جواب میں سرکار نے ۵ فروری کو اپنے کچھ اشعار بغرض اصلاح بھیجا اور ان

طے تذکرہ غوثیہ۔

علامہ غوث علی صاحب گرجہ مولانا فضل امام خیر آبادی ایک مرتبہ دوران قیام لاہور میں نظر پڑ گئے۔ سڑکے میں قیام تھا۔ علامہ نے بے انتہا اصرار سے اپنے پاس غیلے کی کوشش کی لیکن شاہ صاحب جو اکثر استغراق میں رہتے تھے اور تخیل کے غور کرتے آمادہ نہ ہوئے تو مالک سڑک سے کھٹا ہوا کہ شاہ صاحب کے تمام معارف کا بل ہمارے پاس آئے اور جس قدر بھی خرچ ہو جائے کچھ طلب نہ کیا جائے گا۔

کے ساتھ تحریر فرمایا :

”نہیقتہ، انیقہ بلاغت آگلیں مشعر سید خط مولوی صاحب مخدوم محمد فضل حق صاحب باونگیر مراتب محبت و اشفاق بعبارت رنگین و دقیق، درین انتظار سرکش عیون، وصول نشاط شمول گردیدہ باطلارغیر تہا سرمایہ سرر نامحصور افزوده از مزید شغفت و اشتاف قلبی متصور شد۔

مشغفا ! ہرچند کہ کاتب را اتفاق موزونیت یک مصرعہ ہم اتفاق نشدہ بود لیکن فضل بہت سماعت کلام سامی زبانی مولوی صاحب صدر الوصف و ظم خواست کطریقہ ریل و رساکی جاری شود۔۔۔۔۔

اس فرمان نے میرزا صاحب میں نیا دل ولولہ پیدا کیا اور انہوں نے لارہ فردی کو سرکاری مدح میں قصیدہ مدحیہ نظم کر کے ہندو لید ڈاک ارسال کیا۔ اس کی ایک نقل میرزا صاحب نے مولانا کی خدمت میں بھیجی تھی جو انہیں اور میں موصول ہوئی۔ وہاں سے ۱۰ ماہ اپریل کو مولانا نے سرکار کو تحسیر کیا :

”بعض عرض میرا نہ کہ خیر گال ، بافضل الیز دیہال ، بصحت و اعتدال بہ الور رسیدہ ملاحظہ مرزا صاحب مشفق نجم الدولہ مرزا اسد اللہ خاں صاحب متخلص بغالب مع قصیدہ یمیمیہ کہ در مدح حضور فیض معبود منظور کردہ انداز ڈاکخانہ فیض مرزا صاحب موصوف در شمار دستاشش موزونی طبع اقدس و توصیف غزل نمائے کہ نزد شان شرف ارسال یافتہ بودند و شکر و سپاس عطا سے ببلغ پانصد روپیہ کہ بدو دفعہ مرزا صاحب موصوف عنایت شد نہ اسباب در تحریر فرمودہ اند حالانکہ طبع اقدس در علوم عقلیہ و فنون حکمیہ آنچنان دقیقہ رس کہ عدلی آں و محکمۂ جندستان کہ حال علمائے آں تفصیلاً معلوم است کمتر جگہ معدوم است نظم شعرو فہم آں و ابدار معانی تازہ و مضامین صبیحہ و سرو الفاظ فصیحہ و زرا کیبہ بیغہ بحسب اوزان عروض نسبت بعلوم طبع اقدس و بندی اشکار صائبانہ ادبی مراتب است۔

مرزا صاحب ازیں حال لاعلم اند طبع عالی و فکر صاحب در دقائق حکمیہ و معضلات فلسفہ بجائے میرسد کہ رسیدن افہام علام اعلام تا آئی مقام معلوم الانقار است و دریں سخن هیچ مبالغہ و اغراق نیست جتنو لامع النور نفس نفیس امتحانات فرمودہ اند و تحریر امتحان ہم سہل است و نظریہ ہمت والا در وجود سخنانہل آفات الوف را اقل قلیل توان پنداشت مرزا صاحب حق سپاس گزاری ادا کرده اند نظم قصیدہ مدحیہ در غایت بلاغت و انسجام است غالباً شریف اندوز ملاحظہ والا شدہ باشد۔

مولانا کی اس تحریر نے مرزا صاحب کے سابقہ تعلقات از سر نو استوار کر دئے اور ایک دوست کی کوشش سے میرزا صاحب کی یہ تجویز کہ "آئندہ ریاستوں میں پیر یا استاد بن کر سرور حاصل کرنا چاہئے" ریاست رامپور میں کامیاب ہو گئی، لے جس قصیدہ میں میرزا صاحب نے اپنے خط میں ذکر کیا ہے اس کا مطلع یہ ہے۔ اس قصیدہ میں ۴۱ اشعار ہیں:

ہمانا اگر گوہر جاں فرستم	بہ نواب یوسف علی خاں فرستم
اگے چل کر علامہ کے متعلق لکھتے ہیں:	
توقیع فضل حق آل عین معنی	کہ آباد ہر دے فراواں فرستم
گشتا نازدیر کو نامہ رشع	بہاں قلم فیض احسان فرستم

دو ہفتہ تک ڈاک سے جواب نہ ملنے پر ۱۱ فروری کو ایک عربیہ اور ارسال کیا۔ اسی دن شام کو نواب صاحب کا گرامی نامہ مع دو سو پچاس روپیہ برائے شیرینی بمطابق دستور شاگردی ملا۔ ۱۲ فروری کو دوسرا خط لکھتے ہیں:

"..... رشع، ۲ جنوری نامہ مولانا و بافضل، اولنا (علامہ فضل حق)

پہن رسید، چہا رشع ۲۸ جنوری عرضداشت رواں داشتہ ۲۸

ملہ دیباچہ کتاب نواب ۱۳۵۶ - ۲۸ مکاتیب نواب مکہ۔

علامہ کی تعریف و توصیف کا نتیجہ یہ نکلا کہ مرزا صاحب سے ریاست کے پشتینی تعلقات قائم ہو گئے۔ بشیر حسین زیدی چیف منسٹر ریاست رامپور ویاچہ ملک تیب غالب میں کہتے ہیں:-

..... نجم الدولہ دیر الملک مرزا اسد اللہ خان بہادر غالب بڑی کو یہ خصوصیت حاصل تھی کہ آغا ۱۸۵۷ء میں مولانا فضل حق خیر آبادی کی دست سے نواب فردوس مکان نے انہیں فن سخن میں اپنا مشیہ خاص مقرر فرمایا تھا۔ ابتداً نواب فردوس مکان (نواب پوسٹ علی خان) وقتی عطیات سے میرزا صاحب کی آمد فرماتے رہتے تھے لیکن بعد کے بعد ان کی پیشنہ بند ہو گئی تو نواب صاحب نے جولائی ۱۸۵۹ء سے سورہ پیر ماہوار تنخواہ جاری فرمادی تھی جو ان کے انتقال کے بعد نواب خلد اشیاں کے خزانہ سے ملتی رہی اور مرزا صاحب کی وفات پر ان کے بیٹے حسین علی خاں شاداں کے وظیفہ کی شکل میں تبدیل ہو گئی۔ ۱۷

سیاست

رگ و پے میں جبل تر سے دیر غم تر بجے کب ہو
ابھی تو تھی کام و جگر کی آدماش ہے

یہ تو مختصر اگزرہی چکا ہے کہ قلم کار کا دور مسلمانوں کے لئے پرفتن دور تھا۔ سات سو سال سے ہندوستان جنت نشان بد مسلمان ایک فاتح قوم کی حیثیت سے متعلق حکمرانی کرتے آ رہے تھے۔ تین سو سال سے سلاطین مغلیہ کا ڈنکا بج رہا تھا۔ مسلمانوں کی آنکھوں دیکھتے رہے تقریباً ہزار سال پر شان و شکوہ سلطنت کی طور پر پند راغب رہے۔ ۱۷۵۷ء کی جنگ پلاسی کے بعد سے اسے گمن نگ چکا تھا۔ ۱۷۹۷ء میں جنگ میسور اور سلطان ٹیپو کی شہادت نے مسلمانوں کا حوصلہ پست کر دیا تھا۔ ۱۸۰۳ء میں فتح دہلی کے موقع پر ملارڈ لیک کے معاہدہ سے اس کے خاتمہ کی نوبت آئی چکی تھی، رہی سہی شان و عزت ۱۸۰۶ء میں اکبر شاہ ثانی کی برائے نام تخت نشینی پر جاتی رہی۔ علماء و اولیاء اسلام اپنی روحانیت اور علم و دہلی کے ذریعہ استقامت سلطنت

ملہ دیباچہ مکاتیب غالب ص ۵۷

اور قیامت و غزوات میں ہمیشہ پیش پیش رہے تھے۔ اس وقت سربراہان سلطنت علم و

فائدہ ان ولی اللہی تھا۔ نہ صرف ہندوستان بلکہ بیرون ہند بھی اس کا سکھ چل رہا تھا جس فتوے

پر اس فائدہ ان کی مہر تصدیق ثبت نہ ہوتی تھی وہ زیادہ با وقعت نہ سمجھا جاتا تھا۔

ادھر نشہ حکومت میں چڑھا، انگریزوں کی قوم مغرور مسلمانوں کی تباہی و بے عزتی پر ہنسی

تھی سلب اختیار با دستا، اندام مساجد اور تزیین و تحفہ مسلمانوں اس کا محبوب شغل تھا

حضرت شاہ عبدالعزیز بن شاہ ولی اللہ محدث دہلوی جو علامہ و رشیدین کے استاد بھی تھے انہیں

حالات کی بنا پر ہندوستان کو دار الحرب قرار دے چکے تھے۔ پورا فتوے درج ذیل ہے:

"دریں شہر حکم امام المسلمین ضلّہا ہمارے نیست و حکم رؤساء نصاریٰ بے وقعت

ہماری است و مراد از اجزاء بر حکام کفر ایست کہ در مقدمہ ملک الہی و مہندست

رعایا و افتخار و عسلا موالی تجارت و سیاست قلعاع الطریق و متفرق فصول خصوصاً

و منزلی جنایات کفار بطور خود و حکام باشند آری اگر بعض حکام اسلام را مثل جبرہ

عیدین و اذان و ذبح بقر تعزیر نہ کنند، نکرہ باشند لیکن اصل الاصول ایں چیزیں

نزد ایشان ہمار و جہلاست زیرا کہ مساجد را بے تکلف ہم ہی نمائند و بیچ مسلمان

یا ذمی بغیر تسمیہ ایشان دریں شہر و در نواح الٰہی نہ تواند آمد۔ برائے منفعت خود

از واردین و مسافرن و تجارت مخالفت نمی نمایند اعیان و دیگر مثل شہارح الملک

و لا حتیٰ بیک بغیر حکم ایشان دریں بلد فعل نمی تواند شد و ازین شہر تا کلکتہ عمل نصاریٰ

جاری است "

اس فتوے کے بعد وہی چارہ کار تھے۔ یا تو جہاد کیا جائے یا بصورت عدم قدرت

ہجرت اختیار کی جائے۔

مولانا سید احمد بریلوی، مولانا اسماعیل، مولانا عبدالحی عیسیٰ شگر دان، رشید نے اپنے فرض

پر عمل کیا۔ ان کی شہادت کے بعد مولانا شاہ محمد اسحاق محدث مولانا محمد یعقوب وغیرہا دوسرے

فرض پر عمل پہنچے یعنی ۱۲۶۲ھ میں ہجرت کر گئے جہاد کی ایک دوسری صورت افضل

سے ناقص و جزیرہ جہاد کہلاتی ہے۔

مولانا سید احمد بریلوی، مولانا اسماعیل، مولانا عبدالحی عیسیٰ شگر دان، رشید نے اپنے فرض پر عمل کیا۔ ان کی شہادت کے بعد مولانا شاہ محمد اسحاق محدث مولانا محمد یعقوب وغیرہا دوسرے فرض پر عمل پہنچے یعنی ۱۲۶۲ھ میں ہجرت کر گئے جہاد کی ایک دوسری صورت افضل سے ناقص و جزیرہ جہاد کہلاتی ہے۔

الحمد والکلمۃ حق عند سلطان جانور رہ گئی تھی اس کی تکمیل فریضہ سعید ملا فضل حق
خیر آبادی نے کر دی غرض یہ ہے کہ صوفی بگوشانِ دارۃ ولی اللہی پرست کی کچی گھومتی رہی اور ان بہسار
سپوتوں نے اپنی ہستیاں دلا کر علماء ہندستان کی شان کو چار چاند لگائے۔

مشارعے اپنی ہستی کو اگر کچھ مرتبہ چاہے
کہ وہ غاک میں مل کر گل گلزار ہو جائے

یہ تو گزری چکے ہے کہ علامہ دہلی سے بدول ہو کر چھوڑا، نور، ٹونک، سہارنپور اور راہپور
میں باعزت عہدے سے منھاتے ہوئے ۱۸۳۸ء میں کھنؤ میں حضور تحصیل کے مستم و صدر الصدور
ہو گئے تھے۔ بالا کوٹ کے حادثہ نے قلب و دماغ پر بڑا اثر ڈالا تھا اور مسلمانوں کے انحطاط
پر بے بسی پر افسوس بھرا پڑ رہے تھے۔ ساری ریاستوں میں وایان ریاست کے اصرار پر پہنچنے سے
بھی غرض یہی تھی کہ ان مسلمان اور ہندو دایوں کی ہفتوں کی حرارت کو ٹھولیں۔ انہیں تاریک
مستقبل اور بھیاں بھیاں غفلت کا صحیح اندازہ کرائیں۔

کھنؤ پہنچنے پر کچھ دن کے بعد ہی ہنومان گڑھی میں جو صیاد فیض آباد حادثہ فوجہ پیش
آگیا۔ وہاں کے منتوں نے مسجد میں اذان دینا روک دیا۔ مسجد کے ایک حصے کو نقصان بھی
پہنچایا۔ کوئی بھولا بھلا مسافر مسجد میں جا نکلتا اور وقت ہوئے بہا اذان دے دیتا تو مار پیٹ
کر نکال دیا جاتا۔ ہنومان گڑھی کھنؤ سے تھوڑے فاصلہ پر واقع تھی۔ نوابی میں اطلاعیں پہنچانی لگیں
مگر صدارت بردہ قیامت۔

۱۳ ذیقعدہ ۱۲۷۵ھ مطابق جولائی ۱۸۵۵ء، شاہ غلام حسین اور مولوی محمد صالح، علاؤ اللہ
کی خاطر جہاد پر آمادہ ہو کر ایک جمعیت کے ساتھ ہنومان گڑھی پہنچے۔ ہیرا گوں سے مقابلہ ہوا مسجد
بھی میں سب کے سب ذبح کر دیے گئے۔ قرآن شریف پر زہ پر زہ کر کے پاؤں سے ملا گیا
جوتے پہنکر داخل مسجد ہو کر سکھ بچائے گئے۔ ۲۶۹ مسلمان شہید ہوئے۔ لے

کسی نے تاریخ لکھی :

ہے سانش کرجوں ہمت بست
علم غیب گفت "یافت شکست"

اس خونیں حادثہ اور ہنگامہ موسیٰ اسلام کے بعد مولانا شاہ امیر علی ساکن امیٹی سے
نذر ہا گیا۔ تقریریں کر کے مسلمانوں کو جہاد پر آمادہ کیا۔ جب قوم میں بیجان پیدا ہوا اور پانی منر
سے اونچا نکل چکا تب واجد علی شاہ والی لکھنؤ کو ہوش آیا۔ ۱۸۴۷ء میں عثمان حکومت منہالی
تھی۔ ۳۸ء میں لارڈ ہارڈنگ گورنر جنرل ہند کی تنبیہ پر چھوٹ کوئٹہ قائم کی گئی تھی جس کے
صدر مہتمم علامہ فضل حق بنائے گئے تھے۔ حکام کے مظالم اور رعایا کی اتری کی ویسے ہی شکایت
تھی۔ اس عزم جہاد اور شاہ صاحب کے اعلان پر مسلمانوں کے جوش و خروش نے ہوش و
خواس گم کر دیے۔ شاہ صاحب کے سمجھانے کے لئے علماء و امراء کو بھیجا۔ علامہ نے بھی
عہد کی ذمہ داری اور سہولت مطلب براری کی بنا پر گفتگو میں حصہ لیا۔ تحقیقات دینا مسجد
کا وعدہ بھی کیا لیکن شاہ صاحب نے ایقاب و وعدہ بادشاہ پر بھروسہ کرتے ہوئے صاف انکار
کر دیا اور کئی ہزار کی جمعیت نے کمرنتوں کی سرکوبی کے لئے نکل کھڑے ہوئے۔ ردولی چلتے
ہوئے راہ میں ۲۶ صفر ۱۲۷۲ھ مطابق ۷ نومبر ۱۸۵۵ء بروز چار شنبہ نوابی فوج اور گوروں
کی ملٹن نے گھر کر نماز ظہر باجماعت ادا کرنے میں توپ کے گولوں سے ۱۸ افراد کو شہید
کر دیا۔ چونچ بسے تھے ان کا تعاقب راجہ شیر بہادر سنگھ کے آدمیوں نے دس بارہ کوئٹہ
تک کر کے بارہو صاحب کے حکم سے ۶۰۰ آدمیوں کا سراٹھا دیا۔ صرف ایک میر جاس کو توڑا
لشکر بہ ہزار ڈھائی اپنے گھر پھر پہنچے۔ لڑائی سے چار گھنٹے پیشتر شاہ صاحب یہ خبر بار بار پڑھتے تھے۔
مرمیدان کفن بردوش دارم

شہادت کے بعد حساب لگایا گیا تو یہی مادہ تاریخ تھا۔ کسی نے تین مصرعے لگا کر قطعہ کر دیا :

بذکر حق سراپا گوش دارم منے حب ملی درجوش دارم
شدہ تاریخ اقبل شہادت مرمیدان کفن بردوش دارم

روٹی کے ایک مجذوب نے واسطہ چلی ڈالنے پر شہید سے تاریخ نکالی۔ مولوی بخش
صہبائی شہید نے ۱۸ اشعار میں تاریخ لکھی۔ آخری شعر یہ ہیں :

چوں قتل سیکھیں کہ خدش بادجلے شد کد کرب معامن اغتباب لکھنؤ
ادھے نقرین ادا تفت زردے رد دل گفتہ بادافستہ مقروں بادیار لکھنؤ
انچہ در ادنیٰ شرار کلب صہبائی قلند تا اپد مشلش نہابی دردیار لکھنؤ

کہتان بارہ اور مرزا شیخ حسین علی کیدان بمان گلابی کی فوجوں نے مقابلہ کیا فوج
سلطانی کے ۱۲۵۰ آدمی مقتول و مجروح ہوئے۔ یہ مرزا حسین علی شاہ صاحب کے سارے تھے
ایک صاحب نے تاریخ لکھی :

گفت از دے جہت ازلی قتل شدہ مولوی میسر علی
دوسری تاریخ یوں نکالی :

سر بہاؤ تنیش بچپائے دگر نہ

اسلامی حکومت میں غاص اسلامی مسئلہ پر مسلمانوں کی اس بے دردی سے خونریزی :

آسمان ملاحق بود گر خوش بہار دہر زمیں

آسمان تھرا اٹھا۔ زمین کو زلزلہ آگیا۔ خدا کا قہر لاڈ لکھنؤ کی گورنر جنرل ہند کی شکل میں نمودار ہوا۔

دوشنبہ ۲۴ فروری ۱۸۵۶ء کو جنرل اوڈم ریڈر نے۔ کہتان بینر اور جنرل ویل کمان فسر

فوج گورنر جنرل کا عہد نامہ لے کر بادشاہ اودھ واجد علی شاہ اختر کے پاس آئے اور

معزولی کا حکم سن کر عہد نامہ پر دستخط کرنے کا حکم دیا۔ اس عہد نامہ میں سلطنت اودھ

بخوشی سرکار کپہنی کے حوالہ کر دینے کا ذکر تھا۔ بادشاہ نے دستخط کرنے سے انکار کرتے

ہوئے ہزار منت سماجت کی۔ ایک پیش نہ گئی۔ لندن تک کوششیں کیں سب بے سود

ثابت ہوئی۔ لکھتے چاکر شہا برت میں نظر بند کر دیا گیا۔ لکھنؤ شہد خراب داویلا " تاریخ

نکالی گئی۔ اسے پورن چند ماجرنے ۲۹ اشعار قطعہ تاریخ کے لکھے آخری دو شعر یہ ہیں۔

دل عاجز از شورش ناگہاں ز فرط الم بود غوغا گستاں

چو از دست شد رفت تاج کلاہ جگہم شہدہ شہزادہ ملکشاہ

پانچ اشعار میں تاریخ عیسوی لکھی ہے۔

رقم بنمود عاجز عیسوی سال سعادت یافتہ از نجم سعادت

ماوند شہادت سے تین ماہ کے اندر ہی ان بطش ربک لشدید کا منظر سامنے

آگیا۔ دیوان حافظ سے خال نکالی گئی تو یہ شعر نکلا۔

دیدم کہ خون ناحق پروانہ شمع را

چندال اماں ندا و کرب شب را سحر کند

یہ بھی روایت ہے کہ جس دن واقعہ شہادت ہوا ہے اسی دن پارلیمنٹ لندن میں شاہ

اودھ کی معزولی کے فرمان پر دستخط ہوئے تھے۔ سچ ہے خدا کی لافٹی بے آواز ہے۔ اس طرح

والیان اودھ کی مدت وزارت ۱۳۳ سال ۳ ماہ ۲۴ دن اور مدت بادشاہت ۴۱ سال

رہی اور اپنے پیچھے ہزاروں عیش پرستیوں کی داستانیں چھوڑ گئی۔

سید کمال الدین حمید حسینی عرف میر ناز نے قیصر التوا سچ جلد دوم میں چشم دید رادیوں کے

حوالہ سے لکھا ہے کہ کئی دن تک شہداء کے لاشے یونہی پڑے رہے لیکن نہ پرندوں نے

ان کو چھوا نہ درندوں نے بھلائی اس کے دوسرے مقولین کے جسموں کو جانوروں نے

کھا لیا تھا۔ گتے کے کھیت کو دہاں کے زمیندار نے دو ماہ کے بعد کٹوایا تو ایک مجاہد تمام بھتیار

لگے بندوق ہاتھ میں لئے بیٹھا نظر آیا۔ قریب جا کر دیکھا تو گولی سے جاں بحق ہو چکا تھا۔

اس کے دیکھنے کے لئے میدان لگ گیا۔ بعد میں انہیں دفن کر دیا گیا۔ اس دو ماہ میں جسم ذرا

بھی خراب نہ ہوا تھا۔ ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات سبل

احیاء و لکن لا تشعرون۔

سلطنت اور برادری میں سب سے بڑا نقاب میر علی نقی وزیر عظیم سلطنت اور خیر شاہ کا تھا۔ میر جعفر اور میر صادق کی طرح انگریزوں سے ساز باز رکھ کر مسلمانوں کی حکومت کو تباہ کرنے کی سسٹمز پیش جاری کیں۔ یہاں اندول کی مغزولی کے بعد ۱۹ دسمبر ۱۹۲۳ء مطابق ۹ جولائی ۱۹۲۴ء کو وزیر اعظم بنایا گیا تھا۔ اس کی اندرونی سازش ہی کی بنا پر واعد علی شاہ کو یہ روز بد گھنٹا پڑا۔ ریزنٹ نے مل کر اس سے کہا کہ بادشاہ سے عہد نامہ پر دستخط کر اسے تو قصبہ بھڑکھٹا لے کر بعد نسل تمہارے حوالہ کر دیا جائے گا۔ اس کے علاوہ انعام و اکرام کے علاحدہ مستحق ہو گئے ورنہ سرکاری مجرم قرار دئے جاؤ گے۔

وزیر بابتدیر نے لاکھوں جتن کئے لیکن بادشاہ اپنی خند پراڑ سے رہے۔ اس طرح دونوں طرف سے مزہ کا لاجوا۔ یہ بھی عجیب اتفاق ہے کہ ہندستان کی اسلامی سلطنتوں کی تباہی نہیں "میروں" کی بدولت ہوئی ہے جنگ پٹاسی، ۵۷ء کے بعد میر جعفر نے شاہ عالم کے ساتھ ہی ڈرامہ لکھ لیا تھا اور اس طرح مصوبہ جنگ لکھ لکھ سے نکلا۔ مگر میں میر صادق نے، ۵۹ء میں شیر سیر سلطان شیخو کو دغا دیکر شہید کرایا اور ہندستان کی غلامی کا دائمی پڑ انگریزوں کو لکھ دیا۔

جعفر ازبگل و صادق ازبگل
ننگ آدم، ننگ دیں، ننگ وطن

علامہ نے عاشرہ بالاکوٹ، اور واقعہ ہونماں گرجھی دیدہ عبرت سے دیکھا۔ اکبر شاہ ثانی اور بہادر شاہ ظفر کی بے بسی اور واعد علی شاہ اختر خانی اور دھکی مغزولی دے کسی کی علت پر نظر جمائی۔ وہی اور کھنڈ کے ان حالات سے ایک حق آگاہ و حساس انسان کو اثر پذیر ہونا ہی چاہئے تھا۔ دوسری طرف عمال حکومت ہندستانی تہذیب و کلچر ہندوستانیوں کے مذہب کو تباہ کرنے پر تے جوئے تھے۔ تبلیغ عیسویت کا ڈنکا بجنے لگا تھا۔ عیسائی مشنریاں، مدارس، ہسپتال اور دوسرے بلک اداروں سے مذہبی اشاعت اپنا فرض منصبی سمجھ رہی تھیں۔ ان کی دریدہ دہنی کا شکار مقامی مذاہب بن رہے تھے۔ مذہب اسلام پر خصوصیت سے نظر توجہ تھی۔ پادری

فخر اور مولوی رحمت اللہ کی لڑائی اور ڈاکٹر وزیر خاں کھڑا بادی وغیرہم کے مناظروں سے پہلے بھی ہوئی تھی۔ علوم کو خیال ہونے لگا تھا کہ حکومت تو گئی ہے اب مذہب پر بھی ہاتھ صاف کیا جا رہا ہے۔ ہندوستانیوں کی اصل متعلقہ مذہب ہی ہے۔ یہ تمام نقصان اور عیبیتیں برواشت کر سکتا ہے لیکن مذہب پر پانچ نہیں آنے دیتا۔ صبح مذہبی حمایت تو علیحدہ رہی غلط جوش مذہبی پر بھی جان دے دیتا ہے چنانچہ آج بھی اس کی ہزاروں مثالیں ہمارے سامنے آتی رہتی ہیں۔ سرسید احمد خاں اسباب سرکشی ہندستان میں لکھتے ہیں :

۱۸۵۵ء میں کلکتہ سے پادری صاحبان ای ایڈمنڈ نے تمام سرکاری ہندستانی عہدیداروں کے نام گمشدہ بھیجی تھی کہ :

”برٹش راج میں تمام ہندستان میں ایک عملداری ہو گئی ہے۔ تار برقی سے سب جگہ کی خبر ایک ہو گئی۔ ریلوے سڑک سے سب جگہ کی آمد و رفت ایک ہو گئی مذہب بھی ایک چاہئے اس لئے مناسب ہے کہ تم لوگ بھی عیسائی ایک مذہب ہو جاؤ“

علامہ کا پچھن، جوانی اور کھولت دہلی میں گزرے۔ آخر میں کھنوپہ پٹے وہاں کی حالت دہلی سے بھی بدتر پائی۔ بادشاہ دہلی اور والی اودھ برائے نام حکمران تھے۔ آخر اذ کرنے تو نکلیا ہی ڈوب دی تھی۔ مسجد ہنومان گڑھی شہید ہوئی۔ مسلمان مجاہدین کفار کے ہاتھوں خاک و خون میں سمٹ گئے۔ امیر علی شاہ قوہ دم ہوئے۔ مجاہدین سرکاری فوج کے ہاتھوں کشتہ ہوئے۔ ناموس اسلام کی بے عزتی اور اسلامی شعائر کی بربادی پر بھی واجد علی شاہ کو میش و عشرت کی پڑی تھی۔ علامہ صدر العبدور تھے۔ ان واقعات سے متاثر ہو کر کھنوپہ چھوڑ کر ۱۸۵۷ء میں انور پٹے گئے مگر دل بے چین رہا کہ اتنے میں کچھ شورشِ عشق نظر آئی۔ دربار دہلی سے راجاؤں کے نام خطوط بھی روانہ ہوئے۔ علامہ نے راجہ انور سے بھی گفتگو کی کہیں وہ نام نہ ہوا۔ وہاں سے چل کھڑے ہوئے راہ میں ذہینداروں کو تلقین کرتے ہوئے چلے۔ اس سے قبل مولوی احمد اللہ شاہ دلاور جنگ

مدد اسی سے سرگوشیاں ہو چکی تھیں۔ دلاور جنگ فیض آباد چلے گئے تھے اور ہنگامہ ہوتے ہی لکھنؤ پر اگر قابض ہو گئے۔

شاہ اودھ کی معزولی، بادشاہِ دہلی کے نام سنا د خطابات سے منصوبہ بخرومی اور نہ ہی بیرونی کی بر جبر نشرو اشاعت نے فرنگیوں کو بالکل بے نقاب کر دیا تھا۔

کار تروسوں کی چربی سے دل کا غبار آتش فشاں بن کر پھوٹ پڑا۔ اس نے بارود پر فلیش کا کام دیا لکھنؤ میں ۱۲ ذیقعدہ ۱۲۴۳ھ مطابق ۵ جولائی ۱۸۵۷ء بروز یکشنبہ مرزا وضان علی عرف بریس قدر بن واحد علی شاہ کو حضرت محل کی منظوری سے موغلاں کی سرکردگی میں فوجی سالاروں نے باقاعدہ تخت نشین کر دیا۔ احمد شاہ شاہد اسی دلاور جنگ پہلے قابض ہو کر شہر کا بندوبست کر چکے تھے۔ اب تنگے جا بھارتیوں ہوئے۔ شاہ جی سخت ست کہہ کر چپ ہو گئے۔ پہلی گارڈ پر انگریزوں سے چھ روز تک لڑائی ہوتی رہی۔ ۱۰ جولائی کی شام کو جمعہ کے دن پسپا ہو کر ہٹ گئے۔

علامہ الور سے نشرو اشاعت کرتے ہوئے اگست ۱۸۵۷ء میں دہلی پہنچے میر تقی اور دوسری چھاو نیوں میں کار تروسوں کا تھنیہ ور پکڑ چکا تھا۔ گائے اور مو کی چربی کی آمیزش کی خبر سے ہندوؤں مسلمان فوجی بگڑ بیٹھے تھے روٹی کی ٹکیا کی تفسیر کسی خاص اسکیم کے ماتحت گاؤں گاؤں پہلے سے جو بھی چکی تھی۔

میر تقی دہلی پر باغی "فوج نے" مئی ۱۸۵۷ء کو حملہ کر دیا قتل و غارتگری کا بازار گرم ہوا۔ بادشاہ دہلی سرگرمیوں کا مرکز بنے۔ علامہ بھی شریک مشورہ رہے۔ منشی جبین لال اپنے روزنامہ میں لکھتے ہیں ۱

۱۶ اگست ۱۸۵۷ء بموختل محل حق شریک دربار ہوئے انہوں نے اشرافی تدریس پیش کی اور صورت حالات کے متعلق بادشاہ سے گفتگو کی۔

۲ ستمبر ۱۸۵۷ء بادشاہ دربار عام میں تشریف فرما ہوئے مرزا الٰہی بخش

مولوی فضل حق، میر سعید علی خان اور حکیم عبدالحق آداب بکالا۔

۶ ستمبر ۱۸۵۷ء مولوی فضل حق نے اطلاع دی کہ متھرا کی فوج اگر پہل گئی

ہے اور انگریزوں کو شکست دینے کے بعد شہر پر حملہ

کر رہی ہے۔

۸ ستمبر ۱۸۵۷ء بادشاہ دربار خاص میں رہے حکیم عبدالحق، میر سعید علی خاں،

مولوی فضل حق، بدر الدین خاں اور دیگر تمام امراء اور دوسرا

شریک دربار رہے۔

اس روز نامچے سے علامہ کی باخبری اور انقلابی سرگرمیوں کا اندازہ ہوتا ہے۔ موجودہ مصروف حالات

کے متعلق بادشاہ سے گفتگو کی۔ بادشاہ سلسلہ سیر تھے۔ شہزادوں کی لوٹ کھسوٹ اور سخت شامی کی تباہی

نے باہمی رقابت کا میدان گرم کر رکھا تھا۔ علماء شہر میں دو گروہ تھے۔ ایک بادشاہ کا ہنوا اور دوسرا

حکومت کوپنی کا بھی خواہ۔ فوجوں میں طبع اور لایح نے گھر کر لیا تھا۔ دو ایک جماعتیں مقصد علی کو سامنے

رکھے ہوئے تھیں۔ ایک جماعت مجاہدین کی تھی، دوسری روپیوں کی۔ یہ جنرل بخت خان کی سزا دی گیا

داد شجاعت دے رہی تھی۔ علامہ سے جنرل بخت خاں ملے پہنچے۔ مشورہ کے بعد علامہ نے آخری تبریر

ترکش سے نکالا۔ بعد نماز جمعہ جامع مسجد میں علماء کے سامنے تقریر کی۔ استفتاء پیش کیا۔ مفتی عبدالعزیز

خان آزرہ صدر الصدور دہلی، مولوی عبدالقادر، قاضی فیض اللہ دہلوی، مولانا فیض احمد جالونی،

ڈاکٹر مولوی وزیر خاں اکبر آبادی، سید مبارک شاہ رامپوری نے کستھ کر دئے۔ اس فتوے کے

شائع ہوتے ہی ملک میں عام شورش برپا ہو گئی۔ دہلی میں نوے ہزار سپاہ جمع ہو گئی تھی۔

جنرل بخت خاں کی سکیموں میں مرزا مغل بکولے آتے تھے۔ مرزا الٰہی بخش نے بادشاہ سے

سرکار میں معافی کا خط بھی بھجوا دیا تھا، کوئی شہنائی نہ ہوئی۔ مرزا قتل کی وجہ سے فوج میں پھوٹ پڑ گئی
جنرل بخت خاں سے لوگ جڑ گئے۔ کہنی کی فوج نے ۲۱ ستمبر ۱۸۵۷ کو شہر دہلی پر حملہ کر دیا اور ۱۹ ستمبر
کو مکمل طور پر انگریز قابض ہو گئے۔

بادشاہ جو اس درمیان میں قلعہ سے نکل کر مقبوضہ علاقوں میں پناہ گزیں ہو چکے تھے مع متعلقین
گرفتار کر کے قلعہ میں انفرادی کر دے گئے۔ تین شاہزادوں کو قلعہ میں دھل ہوتے ہی گولی کا نشانہ بنایا گیا
اور ان کے سروں کو خان پوش سے ڈھک کر خان میں لگا کر بادشاہ کے سامنے بطور تحفہ پیش کیا گیا
انہیں میں مرزا قتل بھی تھے۔ جنرل بخت خاں اپنی فوج اور توپخانہ کو نکال دے گئے۔ بادشاہ سے کہا
آپ بھی میرے ساتھ چلیں مگر وہ نہایت حیل اور مرزا انہی بخش کے ہاتھ میں کھلوانا، بچے تھے تاکہ نہ ہو
جنرل بخت خاں، ڈاکٹر وزیر خاں، مولوی فیض احمد وغیرہم سب لکھنؤ چلے گئے۔

یہ سب لوگ لکھنؤ پہنچ کر احمد اللہ شاہ دلاور جنگ کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو گئے خوب
خوب مقلبے رہے۔ بالآخر شکست کھا کر شاہجہاں پور روانہ ہو گئے۔ محمدی پور میں اسلامی حکومت
قائم کر لی گئی۔ نانہا صاحب پیشوا مولوی عظیم اللہ کانپوری، شہزادہ فیروز شاہ وغیرہم سب یہیں
جمع ہو گئے۔ آخری جنگ انگریزوں سے شاہجہاں پور میں ہوئی۔ یہاں بھی شکست کا منہ دیکھنا پڑا
اور یہ سب لوگ نیاپل چلے گئے۔ دلاور جنگ کو راجپوتوں نے دھوکے سے دعوت کے سامنے سے
بلا کر دھوکے سے ۱۵ جون ۱۸۵۸ء مطابق ۲۲ دھوکہ ۱۲۷۴ کو شہید کر دیا۔ دریا پار محلہ جہان آباد
مقتل احمد پورہ مسجد کے پہلو میں مدفون ہوا۔

علامہ دہلی سے ۲۲ ستمبر کو روانہ ہو گئے تھے۔ اس طرح ۱۵۷ء کی جنگ پلائی گئی ۱۸۹۷ء

میں ہونے لگا۔ اور انگریزوں کی فوجوں کے ہاتھوں میں آکر ان کے قلعے کے بعد پانی پور تک پہنچے۔ یہاں کے حکام نے انگریزوں سے
میرزا دلاور شاہ کی شہادت کی خبر سن کر بہت ڈرنا شروع کیا۔ وہاں کے حکام نے انگریزوں سے کہہ دیا کہ وہاں کے حکام نے انگریزوں سے
میں گھبراہٹ کر ۱۸ روز رہے۔ میرزا دلاور شاہ کو قتل کر کے ان کے ساتھ ۱۸۷۴ء میں لکھنؤ کو روانہ ہوئے۔ ان کے ساتھ
ساتھ کے حکام سے جو چیزیں تھیں، ان کے ساتھ لے کر ان کے قلعے میں آکر ان کے قلعے میں آکر ان کے قلعے میں آکر ان کے قلعے میں آکر
اور پانی کی طرف ان کے قلعے میں آکر ان کے قلعے میں آکر ان کے قلعے میں آکر ان کے قلعے میں آکر ان کے قلعے میں آکر
مشرق واقع ہے۔ یہاں پر انگریزوں کی فوجوں نے ان کے قلعے میں آکر ان کے قلعے میں آکر ان کے قلعے میں آکر ان کے قلعے میں آکر
کے قلعے میں آکر ان کے قلعے میں آکر ان کے قلعے میں آکر ان کے قلعے میں آکر ان کے قلعے میں آکر ان کے قلعے میں آکر
خان دلاور شاہ کو قتل کر کے ان کے قلعے میں آکر ان کے قلعے میں آکر ان کے قلعے میں آکر ان کے قلعے میں آکر ان کے قلعے میں آکر
صاحبزادہ کو قتل کر کے ان کے قلعے میں آکر ان کے قلعے میں آکر ان کے قلعے میں آکر ان کے قلعے میں آکر ان کے قلعے میں آکر

۱۸۵۷ء میں انگریز جیسی دعویدار تمدن و تہذیب قوم نے پر شرمناک اور انسانیت سوز حرکات جوش میں نہیں، ہوش میں کہیں، غلامی کی لعنت سے مشاخر ہو کر نہیں، فاتح و قاضی ہونے کے بعد کہیں، جہالت و حماقت سے نہیں، بزرگ خود دانشمندی و فرائیگی کے ماتحت کہیں غفلت و نادانستگی سے نہیں بلکہ قصداً اور دانستہ کہیں، خصوصیت سے مسلمانوں کے ساتھ جو ذلت اور بیکار خراش برتنا دیکھا وہ بیان سے باہر ہے۔

زندہ مسلمانوں کو سوز کی کھال میں سلوا کر گرم تیل کے گڑھاؤں میں ڈلوانا، سکھ جھنڈے سے علی دوس الا شہداء اعلام کرنا، فقیہی مسجد سے قلعہ کے دروازے تک درختوں کی شاخوں پر مسلمانوں کی لاشوں کا لٹکانا، مساجد کی بے حرمتی خصوصاً شاہجہانی جامع مسجد دہلی کے حجروں میں گھوڑوں کا باندھنا، عبادت کی جگہ دفنانا قائم کرنا اور حوض میں وضو کے پانی کی جگہ گھوڑوں کی لید ڈالنا، ناقابل معافی اور غیر ممکن التلائی جرم ہے۔

منصف مزاج انگریز بھی اس کی مذمت کئے بغیر زندہ کے تفصیل کے لئے دیکھئے انقلاب ۵۷ء کا دوسرا رخ "مرتد شیخ حسام الدین بی۔ اے امرتسری سابق صدر مجلس احزاب اسلام ہند۔

تاریخ عالم شاہد ہے کہ مسلمان قوم کو بھی فتح و ظفر کے ایسے مواقع پیش آئے ہیں لیکن انکا دشمنوں کے ساتھ کیا سلوک رہا۔ انہوں نے انہیں غیروں کا بیان سننے، دوستوں کی نہیں دشمنوں کی تحریریں دیکھنے:

کوئی نہیں جانتا کہ چودہ سو سال قبل شہر میں جب مکہ فتح ہوا تو خدا کے آخری برگزیدہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دشمنوں کے ساتھ کیا طرز عمل اختیار فرمایا جنہوں نے ذلت و رسوائی اور مصائب و آلام پہنچانے میں کوئی کسر اٹھا رکھی تھی، مایاں بھائی تھیں، پتھر مارے تھے، دھول اٹائی تھی، آوازے کسے تھے، مڑی، سودائی، مجنون مادہ دوا نہ خطا بات دے تھے، راستے میں کانٹے بچھائے تھے، پشت پرانٹ کا اوجھ لادھا تھا، گردن میں چادر کا پھندا ڈال کر کھینچا تھا

قتل کے منصوبے بانٹے تھے اور سب نے اُتر یہ کہ وطن سے نکل کر بے گھر اور بے در بنایا تھا۔ اس
شاہ و جہاں نے فتح کے بعد اعلان کیا جو بقیہ راہ کو دے اسے امان، جو معاہدہ میں مشغول عبادت
ہو وہ محفوظ، جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے وہ مامون۔ جب دشمنوں کا سامنا ہوتا ہے
دریافت فرماتے ہیں مجھ سے کیا توقع رکھتے ہو؟

ایک زبان ہو کر کہتے ہیں شریف بھائی اور شریف بھتیجے سے جو توقع ہو سکتی ہے وہی ہم
بھی رکھتے ہیں۔

جواب ملتا ہے جاؤ تم سب آزاد ہو!

کئی سو سال کے بعد اسی قسم کا واقعہ اس شاہ و جہاں کے ادنیٰ غلام سلطان صلاح الدینؒ کو بیت المقدس میں پیش آتا ہے۔ اس خطہ پاک فلسطین پر خلیفہ دوم قطز بن ایوب المومنین
سیدنا طغراقوشی اللہ عنہ نے خود بنفس نفس مسلح و آشتی کے ساتھ قبضہ فرمایا تھا۔ اس وقت سے
تقریباً ساڑھے چار سو سال تک ہرچم اسلام لہرا تا رہا۔ ۱۰۹۹ عیسوی میں عیسائیوں نے اس پر تسلط
قائم کر لیا مگر کس شان سے؟ ایک لکڑی خورد خ ہی کے قلم کے برشحات دیکھئے:

”جب گوڈفرے اور ٹنگر ویکٹرولم کے کوچہ دیا زار سے گزرے تھے تو وہاں مرد
پڑے اور جاں بہ باب زخمی روئے تھے جبکہ بے گناہ اور لاپچار مسلمانوں کو ان صلیبیوں
حققت اذیتیں دے کر مارا تھا اور زندہ آدمیوں کو جلایا تھا جہاں قدس کی
چھتوں اور برجوں پر جو مسلمان پناہ لینے چڑھے تھے وہیں ان صلیبیوں نے
اپنے تیروں سے چھید کر گرایا تھا۔“ لے

۹۰ برس کے بعد ۲۶ ستمبر ۱۱۸۷ مطابق ۲۷ رجب ۵۸۳ھ کو سلطان نے فوج کشی
کر کے اور شاہ رچرڈ و غیرہ سے لڑائیاں لڑ کر فلسطین پر علم اسلام لہرا دیا۔ مدتوں کی جنگ کے

نواب کبریاں بن فیض اللہ خاں بگیش

۱۔ احمد مرزا

۲۔ میر محمد حسین

۳۔ حکیم عبدالحق بن حکیم بخش

۴۔ قاضی فیض اللہ کشمیری سرشتہ دار

صدر الصدور

۱۰۔ میر بخش مشہور خوشنویس

۱۱۔ شہو شاعر مولوی امام بخش مہتابی

۱۲۔ اہل مدخلی خاں (جیل میں آلودہ واقع ہوئی)

۱۳۔ نواب محمد حسین خاں

۱۴۔ قلم الدین خاں بن حکیم فرید الدین خاں

۱۵۔ ذبیحہ اسماعیل خٹک استاد ذوق

۱۶۔ محمد یحیٰ خاں خاں نواب شیر جنگ خاں

۱۷۔ عبد اللہ خاں بن علی محمد خاں

سالدار شاہی فوج

۱۸۔ دلدار محمد خاں کپتان

۱۹۔ میاں حسن عسکری صوفی

۲۰۔ غلام محمد۔ صدر خاں علم (نواب احمد علی خاں رئیس فرخ نگر)

دینی چھوڑ کر غریب الوطنی کی زندگی بسر کرنے والے

۱۔ میاں غلام نظام الدین

۲۔ نواب غلام محمد الدین خاں نیشنل دار

- ۳۔ حکیم مسوٰں خاں والد سیح الملک
حکیم اجل خاں
- ۴۔ حکیم مرتضیٰ خاں
- ۵۔ نواب یعقوب علی خاں
(گوجروں نے لوٹ کر قتل کر ڈالا)
- ۶۔ مرزا فضل بیگ
- ۷۔ عبدالعظیم خاں بک توپا (مضبوطی بھادرا)
- ۸۔ ششی آغا جان محمد راجپوت
- ۹۔ صفدر سلطان بخشی
- ۱۰۔ نواب سید حامد علی خاں رئیس برست
- ۱۱۔ مرزا معین الدین خاں
تھانیدار پہاڑ گنج
- ۱۲۔ محمد حسین خان تھانیدار پور پور
- ۱۳۔ راجہ راجب داس گڑوالے
- ۱۴۔ ضیاء الدولہ غلٹ
حکیم رکن الدولہ
- ۱۵۔ موسیٰ خاں بن حافظ عبدالرحمن خاں
مختار مرزا نیلی
- ۱۶۔ عبدالصمد خاں خسر نواب جھج
- ۱۷۔ حکیم مہم الدین خاں بن حکیم جونا خاں
- ۱۸۔ نواب حسن علی خاں برادر نواب جھج
- ۱۹۔ سجاد علی خاں غلٹ حسن ملیخاں

- ۲۰۔ نواب نائیب کپتان
 ۲۱۔ نواب عبدالرحمن خاں
 ۲۲۔ نواب علی محمد خاں علم والی جھم
 ۲۳۔ راجا جیت سنگھ علم اجرنہ سنگھ
 رئیس پٹیار
 ۲۴۔ غلام محمد الدین خاں تحصیلہ دھڑ قائم۔

ان کے علاوہ حیدر خاں، ادراس شرف خاں، مخبران نے ایک سوسائٹی نوجوانوں کو الودہ سے گرفتار کر کے دہلی بھیجا۔ اُدھے نوجوانوں میں قتل کر دیئے گئے باقی کو دہلی میں پھانسی دی گئی۔ اسی طرح کے جیسوں حادثات ہیں کہاں تک بیان کئے جائیں۔

مفتی صدر الدین خان، آکڑوہ صدر الصدور، ہمزنا اسد اللہ خاں غالب اور نواب مصطفیٰ حسین خاں شیفہ وغیرہم بھی دھڑ لئے گئے۔ ان اکابر کو بڑی دشواریوں کے بعد نہایت مل کی۔ پشتونوں اور جاگیروں پر زد بھر بھی باقی رہی۔

سید اسماعیل حسین، نیر شکرہ آبادی، مولانا مفتی عفت احمد کا کوروی، مفتی مظہر کریم دریا بادی وغیرہم کو مجرم بناتے کہ اسے پالی کی سزا ہوئی۔

علامہ فضل حق کو بھی ”پالی“ قرار دیا گیا، امیر فرنگ ہو کر سبھوئے۔ ۱۲۷۵ھ مطابق ۱۸۵۹ء میں کھنڈ میں ”مقدمہ جلا“ علامہ کے شہادت و استقلال، صداقت و حقانیت اور بلند مقامی و شیر دلی کے لئے سید العلماء کی یہ عبارت کافی ہے :

” ۱۸۵۹ء میں سلطنتِ غلیب کی وفاداری یا فتوے جہاد کی پاداش یا مجرم بناتو میں مولانا ماخوذ ہو کر سیتا پور سے کھنڈ لائے گئے۔ مقدمہ جلا۔ مولانا موصوف کے فیصلہ کے لئے جوری میٹھی، ایک ایسے نے واقعات سن کر بالکل چھوڑ دینے کا فیصلہ کیا۔ سرکاری وکیل کے مقابل خود مولانا بحث کرتے تھے بلکہ لطف یہ تھا کہ چند الزام اپنے اوپر خود قائم کئے اور پھر خود ہی مثل تاہلک بکوت عقلی و قانونی اُدلے

سے توڑ دئے۔ بیچ یہ رنگ دیکھ کر پریشان تھا اور ان سے ہمدردی بھی تھی۔ بیچ نے صدرا الصدوری کے عند میں مولانا سے کچھ عرصہ کام بھی سیکھا تھا۔ وہ مولانا کی عظمت و تجسس بھی واقف تھا۔ وہ دل سے چاہتا تھا کہ مولانا بری ہو جائیں۔ کوہے تو کیا کرے۔ ظاہر یہ ہو رہا تھا کہ مولانا بری ہو جائیں گے۔ سرکاری وکیل لا جواب تھے۔ چنانچہ پیر و کا دقہ درمنشی کرم احمد خیر آبادی نے لکھنؤ سے عید عظم علی کے نام خیر آبادی خط لکھا :

" مدت یک دور و راست کہ جناب مخدوم الاخوان بحسب تقدیر مبتلائے مصیبت شہدہ از سبیتا پور بہ لکھنؤ برائے رو بہ کاری صفائی روانہ کر دہ شدہ اند۔ زبانی آئندہ ہر گاہ ہی ہم از تحریات آنجا ہر روزہ منکشف میشود کہ امروز فردا بفضلہ تعالیٰ زبانی خواہد شد۔ روز بنا بر ادائے شہادت صفائی، مولوی صاحب مکرم مولوی نجی بخش صاحب، مشفق مولوی قادر بخش صاحب و برخوردار مولوی سید رضا حسین بموجب درخواست مولوی عبدالحق (خلع علامہ) پر معیت ایشان روانہ لکھنؤ شدہ اند و ہمگیاں را امید از فدائے کرم است دیگر روز بالضرور مخلصی یافتہ وارد دہشت خواہد شد۔ اوتعالیٰ ہمچنین کند۔ جہد از خورد و کلاں و ذکر و انانت چشم بہ انتظار کشادہ می باشند و رنج و غلظت عظیم دارند۔ ایزد جل و علاہ جمیع کسان رحم خود فرماید۔ دوسرا دن بخیر دن تھا۔ مولانا نے اپنے اوپر جس قدر الزام لئے تھے ایک ایک کر کے سب رد کر دئے جس ممبر نے فتوے کی خبر کی تھی اس کے بیان کی تصدیق و توثیق کی، فرمایا :

" پسے اس گواہ نے سب کما تھا اور پورٹ بالکل صحیح لکھوائی تھی اب عدالت میں میری ضرورت دیکھ کر ممبر خوب ہو گیا اور جھوٹ بولا : " وہ فتویٰ صحیح ہے۔ میرا لکھا ہوا ہے اور آج اس وقت بھی میری وہی حالت ہے۔ "

بیچ بار بار علامہ کو روکنا تھا کہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ ممبر نے عدالت کا رخ اڑھلا کر کی بار عصب و پروقار شکل دیکھ کر شاکستہ بنے گریہ کرتے ہوئے کہہ ہی دیا تھا کہ وہ مولانا افضل حق نہیں وہ دوسرے تھے۔ گواہ حسن ضرورت اور پاکیزگی سیرت سے بے انتہا متاثر ہو چکا تھا مگر

بن گئے تھے۔ تاہم یادداشت، ترتیب واقعات، قواعد فنون، انوار علوم، سہی حیرت انگیز کرشمے دکھا رہے ہیں۔ ایک انگریز کی فرمائش پر قویم البدان کا ترجمہ کیا جو دو برس میں ختم ہوا اور وہی رہائی کا سبب بنا۔ واپسی ہندوستان پر پٹا گرو رشید مفتی لطف اللہ علیگندھی نے تاریخ مکہ کریم کی،

چو بفضل خالق ارض و سما اکستادم شد ز قید غم رہا

بہر تاریخ خلاص انجمن برنو شتم "ان پستان ذی نجبا" لہ

مفتی منیر کریم نے میر جان داغی بہادر کاشغر جزائر دیائے خود کی فرمائش پر مرصدا لا طلاع

کا ترجمہ کیا سید اسماعیل حسین منیر شکوہ آبادی نے ۱۵ اشعار میں تاریخ مکہ کی آخری شعر یہ ہے:

خیر کس کی کمی تاریخ یوں سال سیمی میں

یہی سیر جدید پرستان ہفت کشور ہے نہ

علامہ نے بھی کئی مفید تصانیف کیں انہیں میں سے رسالہ الثورة المندیہ اور قصائد فقہانہ

ہیں۔ یہ رسالہ اور قصائد جہاں تاہم ہیں، عربی ادبیت کے بھی شاہکار ہیں، علامہ کا کمال یہ ہے

کہ اشعار اور جملوں میں ایک مادہ کے مختلف صیغے متعدد معنوں میں بے تکلف استعمال کرتے

چلے جاتے ہیں۔ نظم و نثر دونوں اصناف میں اس کا ظہور بڑا نظر آتا ہے، مثال کے لئے حسب

ذیل عبارت و اشعار کافی ہیں۔ یہ رسالہ مع قصائد علامہ نے مفتی عنایت احمد کا کوری کے ذریعہ

۱۲۷۷ھ میں مفتی الصدق مولانا علی الحق کے پاس بھیجا تھا کہ آج میاں کو ہا کر یہ تحفہ دے دینا

پیشل اور کوئٹہ سے کچھ جوئے مختلف پرچے تھے جن کو کئی ماہ کی محنت کے بعد درست و مرتب

کر پائے تھے :

الحمد لله عظیم الرجاء، لدد نجلہ، من دون الرجاء، من

البیوعی والبیوی والبلاء، وایلاء حسن البلاء، بایتاء اللادواء،

لمن دعاہ باسفی الاسماء، لاسیما لمن ظلم واضطر عند

الابتلاء، بالاسواء والادواء۔

مانناح اورق فی لورق اشجان الاوصیج اشجانی واشجانی

لہ استاد احمد مولانا صاحب دارالعلوم حیدر شکوہ آبادی

عودی شعوری مریدانہ عادی اشفی علی العین حتی عادہ العادی
دانی عصال بولایجدی لمائدة عود لداچ لعود الداوعقاد

علامہ اوران کے ساتھیوں کو کیا کیا تکالیف اٹھان پڑیں اور انہماں میں کیسے وقت تمیز بہاؤ سے سابقہ رہا، ارسال و قصائد میں اس کا فصل ذکر موجود ہے۔ پرنٹنگ پریس ایک شریف انگریز تھا۔ مشرقی علوم سے واقف اور فنِ ہیئت کا بڑا ماہر تھا، اس کی پیشی میں ایک سزایافتہ مولوی بھی تھے (نئی ایک فارسی کی کتاب ہیئت ان کو دی کہ اس کی عبارت صحیح و درست کروں، مولوی صاحب سے تو کام چلا نہیں، علامہ نے سنئے گئے تھے، ایک سال ہی گزرا تھا، ان کی خدمت میں وہ کتاب پیش کر کے تصحیح کی گزارش کی، علامہ نے نہ صرف عبارت درست کی بلکہ مباحث میں بہت کچھ اضافہ کر کے حاشیہ پر بہت سی کتب کے حوالے لکھ دئے، یہ کتاب وہ مولوی صاحب پرنٹنگ کے پاس لے گئے، وہ دیکھ کر حیران و ششدر رہ گیا، کہنے لگا مولوی صاحب! تم بڑا لائق آدمی ہے مگر جن کتابوں کے حوالے ہیں اور ان کی جو عبارتیں نقل ہیں یہاں کہاں ہیں؟“

مولوی صاحب مسکرائے اور اصل واقعہ علامہ کا لکھ سنایا، وہ اسی وقت مولوی صاحب کو دیکر بادک میں آیا، علامہ موجود نہ تھے، کچھ دیر انتظار کے بعد دیکھا کہ نوکرانہ نقل میں دبائے چلے آ رہے ہیں وہ یہ ہیئت دیکھ کر آنکھوں میں آنسو بھر لایا، معذرت کے بعد کلر کی میس لے آیا، گورنمنٹ میں سفارش بھی کی، اور علامہ کے صاحبزادے مولوی شمس الحق اور خواجہ غلام غوث بے خرمیسر مشی ٹینٹ مغربی و شمالی صوبہ اور دھرم گرام میں تھے، پڑانہ نہ ہائی حاصل کر کے مولوی شمس الحق انہماں روانہ ہو گئے، وہاں جہانہ سائر کے شہر میں گئے تو ایک جنازہ نظر پڑا، اس کے ساتھ بڑا اٹھام تھا

عاشق کا جنازہ ہے ذرا دھوم سے نکلے

دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ کل ۱۲ صفر ۱۲۷۱ھ مطابق ۱۸۶۱ء کو علامہ فضل حق خیر آبادی کا انتقال ہو گیا ہے، اب پھر دفاک کرنے جا رہے ہیں، یہ بھی بعد حسرت دیاں شریک و فن ہوتے آدھے قبل مرام واپس لوٹے۔

قسمت کی پرنسپی کہاں ٹہنی ہے کند دوچار ہاتھ جب کہ لب بہار گیا

عہد پڑانہ نہ ہائی کتنی عہد کا واقعہ ہے اس ہے، محمد موسیٰ عفی عنہ

انسوس! ہمیشہ کے لئے یہ آفتاب علم و عمل و دیار غربت میں مغروب ہو گیا۔ اب تک نزار
مرجع انام اور زیارت گاہ خاص و عام ہے اور آج بھی قبرِ زبانِ حال کسرِ دی ہے،
مثلک اشارتِ دلِ علیہ فانظر وابعدا الى الاشار
مولانا عبداللہ بگرامی لکھتے ہیں:

”فادرج الفضل فی اثنائه اکفانه و دفن العلم بانسلافاته“
دوسری جگہ لکھتے ہیں:

تبحر فی العلوم العقلیة والنقلیة و انا ف علی المہمة
الکملة بالنفس القدسیة حتی امتلأت الافاق بصیت
حکمالہ و شغنت الاقطار بفضله و جلالة و کانت
الغالب علیہ من العلوم المعقول و من المنقولات العلوم
الادبیة و الکلام و الاصول اما المعقولات فمزق فیہا
نفسا قدسیة و ملکہ ملکوتیة کان یؤی الطالبین
نظریاتہا ببیانہما لصفی کالمحسوسات المرئیة و
اما ارتفاعہ بالخطب و الاشعار العربیة مع التجنیس
والاشتقاق و حسن البراعة و الطباق و غیرہا من الصنائع
الادبیة۔ فلما یخلق مثله فی البلاد و لم یأت عدیلہ
فیما افاد و اجاد۔

ترجمہ: علوم عقلیہ و نقلیہ کے تہجد اور ماہرین کا بین پر نفس قدسیہ کے باعث فائق تھے،
آپ کے کمال کی شہرت سارے زمانے میں پھیلی ہوئی تھی اور آپ کے فضل و جلال سے
سارا آفاق گونج رہا تھا۔ علوم میں فنِ مقول کا غلبہ تھا اور منقولات میں ادب، کلام
اور اصول پر ترجیح خاص تھی۔ منقولات میں نفس قدسیہ اور ملکہ ملکوتیہ کو درج فرمایا۔ علم
ان کے بیانِ صافی کی وجہ سے لغویات منقولات کو بالکل محسوس و مقرر بناتے تھے

خطبات و اشعار فی البدیہ فرماتے تھے۔ تمام صنایع ادیبانہ، اشتقاق، حسن
 براعت اور صنعت طباق کا ارتجال کے باوجود پورا پورا مظاہرہ ہوتا تھا۔ انہیں
 کمالات کے پیش نظر اپنے علم و فضل میں بے نظیر اور فادہ و یقین میں بے عدلیٰ تھے۔
 مصائب کا فاقہ علامہ کی ذات ہی پر نہیں ہو جاتا، اولاد و احفاد کو بھی پریشانیوں کا سامنا
 رہا۔ سب سے بڑی مصیبت ضابطی جائداد و اخلاک کی تھی۔ علامہ بڑے امیر کبیر تھے۔ دوست
 دنیا و دین دونوں سے بہرہ ور اور صاحب عز و وقار تھے۔ حکام وقت، شاہزادگان عالی تبار،
 امراء و رؤساء اور علماء و صلحا بھی عزت کرتے تھے۔ شاہانہ زندگی گذاری۔ ہاتھی لگھوڑے،
 پانکی، فینس اور دوسری شان و شوکت کی ساریاں ہر وقت دروازے پر موجود رہتیں۔ جب
 مولانا عبدالحق پیدا ہوئے تو دہلی کے خواص و عوام اور برادران وطن نے بھی بطور انکسار خوشی
 نذرانے اور تحفے لاکھوں روپیہ کے پیش کئے۔ لے
 تہذیب و تمدن کے طور پر خود علامہ نے اپنے قصیدہ ہمزیم میں اپنے رُفقاء و رفیق کا ذکر
 فرمایا ہے۔

كانت الفضل المحقق فضل مثالة من على الامثال لها استعلاء
 ووجاهة بين الوجوه وجاهة تعولها الاعيان والرقاء
 وبراعة ورفاعة ورفاهة ونزاهة ونباهة وعلاء
 جرم بغاوت ثابت ہو جانے پر خیر باد کا سنگین و عالی شان دیوانہ خاں اور محل مسر ضبط کر کے
 پر صلہ خیر خواہی و سرور و فخر ہاشمی سینا پوری اور مورث الی آغا فتح شاہ شہر علیہ درمیتا پور کو دیئے
 گئے انہوں نے رئیس کمال پور ضلع سینا پور راجہ جواہر سنگھ کے ہاتھ پانچ سات ہزار میں کئیوں
 کے مول فروخت کر ڈالے۔ عرصہ دراز تک راجہ جواہر سنگھ اور ان کے بعد ان کے بیٹے راجہ
 سورج بخش سنگھ نے اپنی جگہ پر قائم رکھے۔ مولوی مکیم غفر الحق بن مولانا اسد الحق بن مولانا
 عبدالحق فرماتے ہیں کہ خود راجہ مذکور نے مجھ سے کہا کہ صرف علامہ کی یادگار میں میں نے سے
 محفوظ رکھا ہے۔ جب بارش کی کثرت اور غیر آباد حالت میں پڑے رہنے سے آنا شکست و
 لے۔ ع۔ علامہ نے شمس الملوک و ملازمین و کلمات احمد لکھی۔

رغبت نمودار ہونے لگے تو ایک انجینئر کو درستی کے لئے بھیجا۔ تجلیہ درستی میں منتیں ہزار روپیہ بتایا گیا تو اس نے مجددِ اپنے کھدوا کر کمال پورہ منگوائے اور کچھ سامانِ مکیم سید انور دین خیر آبادی شہرِ طیبہ معالج خاص تعلقدارانِ اودھ کو دے دیا۔ دروازہ بطور یادگار باقی رہنے دیا جو آج بھی حساب مکان کی عظمت و جلالت کا شریہ زبانِ حال سے چھ رہا ہے اور دیکھنے والوں کے لئے عبرتِ مرعفت کا سامانِ مہیا کر رہا ہے۔

دیکھو مجھے جو دیدہ مستبر نگاہ ہو

میری سنو جو گوشِ نصیحتِ نبیوش ہو

یہ مکان موسومہ "نیامل" منشی نیاز احمد فاروقی بانی مدرسہ نیازیہ و رئیس خیر آباد کے مکان کی نقل تھی۔ فرق اتنا تھا کہ اس میں دو تہ خانے تھے اور منشی صاحب کے مکان میں ایک ہے۔ اگر وہ غیر سے پتھر منگوائے گئے تھے۔ تقریباً بیس سال ہوئے جب یہ مکان کھدوایا گیا تھا اور کارگر پہاٹمی بھی جھوم رہے تھے۔ وہ مہی بیلانے حریت پر بچھاؤ ہو گئے۔ مولانا حکیم احمد علی صاحب خیر آبادی فرماتے ہیں کہ علامہ کا کتب خانہ بھی ضبط کر لیا گیا تھا۔

جب لغتِ ارشدیہ مولانا عبدالحق خیر آبادی کو ولداری کے پیش نظر ۱۶ فروری ۱۸۸۷ء میں ملارڈ ڈفرن گورنر جنرل ہند کے دستخط سے سندِ خطاب "شس العلماء" بلا کسی طلب و کوشش کے ملی تو علامہ کے ضبط شدہ دیہات میں سے کچھ دیہات بھی واپس دئے جانے کا حکم دیا گیا۔ مولانا فرمایا کرتے تھے باپ کو کالا پانی کیا اور بیٹے کی خطاب سے شک شوائی کی۔

مولانا عبدالحق رامپور میں تھے خیر آباد کے ایک باشندے یار ملی نے علامہ فضل حق کا بیٹا بن کر وہ دیہات قبضہ میں لے لئے۔ اندھیر نگری اور چوہٹ مارچ کی مثال اس سے بڑھ کر اور کمال کے گی۔ مولانا عبدالحق نے عذر داری وغیرہ کسرشان سمجھ کر خاموشی اختیار فرمائی۔ بعد میں بارہمی نے یہ دیہات بیچ ڈالے۔

ان میں سے ایک موضع زین پور ہے جو حضرت مولانا شاہ سید محمد اسلم خیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ - پستیں - سنانہ حافظیہ المتوفی ۱۳۲۰ھ نے ایک ہزار میں خرید کر اپنے پیرو مرشد حافظ سید

محمد علی شاہ خلیفہ حضرت شاہ محمد سلیمان تونسوی کے مصارفِ درگاہ کے لئے وقف کر دی جس کا انتظام سجادہ نشینانِ درگاہ کرتے رہے ہیں۔ حافظ سید امتیاز حسین سجادہ نشین کے انتقال کے بعد اب میاں سید ماجد حسین حال سجادہ نشین اس کا انتظام کرتے ہیں۔

دوسرے موضعِ نند پورہ لالہ نند دلال نے ایک ہزار میں خریدا۔ اس طرح علامہ کے اخلاف پر نشانِ وژگار رہے۔ آج بھی علامہ کے پر پوتے، مولانا عبدالحق کے پوتے اور مولانا اسد الحق کے صاحبزادے مولوی حکیم محمد غفر الحق خیر آباد میں عسرت کی زندگی بسر کرتے ہیں۔ سرکار نظام حیدر آباد سے پچاس روپیہ ماہانہ آتے ہیں اور بس! ریاستِ ساہیوڑ سے قدیمی تعلقاتِ خاندانی کی بنا پر تیس روپیہ ماہانہ پہنچتے تھے وہ موجودہ والی لاہور نواب مہنا علی خاں کے تحت نشین ہوتے ہی بند ہو گئے۔ غلاماں نواب مہنا علی خاں مرحوم نے نہ صرف مشاہیرہ جاری رکھا بلکہ وقتاً فوقتاً داد و بخش بھی دیتا رہا۔ حکیم صاحب کو اکثر طلب فرما کر سرکاری مہمان رکھتے۔ ابتدا میں آپ کے تعلیمی مصارف کے لئے سو روپیہ ماہانہ زمانہ کوراز تک عطا کرتے رہے۔ نواب موصوف خود صاحبِ علم تھے اور اپنے اسلاف کی طرح اسی خاندانِ خیر آباد کے شاگرد اور قدردان تھے سی لئے استادِ نادگان کی قدر و منزلت بھی فرماتے تھے۔ حکیم صاحب خاندانی ذہانت کے مالک ہیں، فنِ طب میں مہارتِ تامر رکھتے ہیں، تشخیصِ مرض اور غرض شناسی میں امتیازِ خاص حاصل ہے، کثیر الادب ہوتے ہوئے کساد بازاری و فنِ قدیم کا شکار ہیں۔

علامہ کی اس خاندانی شاہدِ زندگی کے ساتھ جنسب ۱۸۵۷ء کے روح فرسا اور صبرِ نامحالات کے پیش آنے کا قصہ جو تاجہ قوم موصوف کی شخصیت، استقلال، ثباتِ قدم اور مجاہدانہ عزم کا اندازہ ہوتا ہے۔ خصوصاً جب اس زمانہ کے عیش و راحت میں پلنے والے مجاہدوں پر نظر پڑتی ہے تو علامہ کا مرتبہ کتنا بلند ہوتا ہے۔

ہندستان کی مدد و مکمل غلامی میں کتنی مرتبہ مسلمانوں پر مصائبِ شدائد کے پہاڑ توڑے گئے۔ اسی حکومتِ برطانیہ کے ہاتھوں سرزمینِ حجاز و شام و مصر کے چھوٹے چھوٹے حصے جوئے اسی کے ہاتھوں ٹوٹی کامرہ بیمار گرفتار ہوا۔ اسی نے قبلہ اول بیت المقدس (فلسطین) جیسے پاکستان کو پاکستان بنانے کی تجویز کی، اسی کی بددلت ٹوٹی و عرب کے مسلمانوں پر ہندوستانی فوجوں

نے گولیاں چلائیں۔ مولوی قاسم کی بریلوی کی زبردستی بھی بدنام حکومت تھی۔ انڈونیشیا (جاوا) اور وزیرستان پر بمباری و فوج کشی کرنے والی ہی سلطنت تھی۔ خلافت کی چادر کو گوشے گوشے سے دولت بھائی نے لٹایا۔ ان تمام دردناک مصائب کے باوجود ہندوستان کا یہ مسلمان ہمیشہ پرست و جاہل پسند طبقہ اسرار خوب راحت میں سوتا رہا، تو مابھی رہتا تو بھی زیادہ شکوہ نہ تھا، جاگتا اور مسلمانان ہند و مقامات مقدسہ کے سینوں کو جھیلی کرانے کے رنگ و روٹوں کی بھرتی کرائی، حیثیت سے زیادہ چندے دئے، وفاداری کا پورا پورا مظاہرہ کیا۔ بڑے بڑے عہدے اور خطابات حاصل کئے، انعامی جاگیریں پائیں، مختصر یہ کہ وہ سب کچھ کیا جو نہ کرنا چاہئے تھا اور وہ کچھ نہ کیا جو کرنا چاہئے تھا۔

بہارِ پاکستان کی ترقی کے لیے جو کچھ کرنا چاہیے تھا اور وہ کچھ نہ کیا جاتا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ حکومت نے اس کی ترقی کے لیے کوئی پروگرام نہیں بنایا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ حکومت نے اس کی ترقی کے لیے کوئی پروگرام نہیں بنایا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ حکومت نے اس کی ترقی کے لیے کوئی پروگرام نہیں بنایا تھا۔

عمل کرنے کی تدبیریں سوچ رہا تھا۔ علامہ نے اس میں بے پایاں کوششیں
اولیٰ یہ کہ پچھلے زمانے کے علوم و معارف اور مدارس و کتب خانوں کے بعد اسکولوں کی کیسی
تعمیم کا رواج جس سے ہر مذہب و ملت کے افراد ایک ہی رنگ میں رنگ جائیں، دوم یہ کہ غلطی پر
کے تہذیب کے خدا کی مخلوق کو سرجو کرانے پر مجبور کر دیا جائے۔ علامہ لکھتے ہیں :-

۱۰ اگر یہیوں نے اچھی طرح سمجھ لیا تھا کہ مذہبی بنیاد پر فرقوں کا اختلاف تسلط و قبضہ کی راہ میں سنگ گراں ثابت ہوگا اور سلطنت میں انقلاب پیدا کروے گا اس لئے پوری تہذیبی اور جانفشانی کے ساتھ مذہب و ملت کے مٹانے کے لئے طرح طرح کے مکر و حیل سے کام لینا شروع کیا۔ انہوں نے بچوں اور نا سمجھوں کی تعلیم اور اپنی زبان و مذہب کی تلقین کے لئے شہروں اور دیہات میں مدرسے قائم کئے۔ پچھلے زمانہ کے علوم و معارف اور مدارس و مکاتب کے مٹانے کی پوری کوشش کی۔

دوسری ترکیب یہ سوچی کہ مختلف طبقات پر قابو اس طرح حاصل کیا جائے کہ زمین ہند کے فلاح کی پیداوار کا شکاروں سے بے کر نقد و دام ادا کئے جائیں۔ اور

سے توڑ دئے۔ بیچ یہ رنگ دیکھ کر پریشان تھا اور ان سے ہمدردی بھی تھی۔ بیچ نے صد اصدوری کے عہد میں مولانا سے کچھ عرصہ کام بھی سیکھا تھا۔ وہ مولانا کی عظمت و تبحر سے بھی واقف تھا۔ وہ دل سے چاہتا تھا کہ مولانا بری ہو جائیں۔ کہے تو کیا کرے۔ ظاہر یہ ہو رہا تھا کہ مولانا بری ہو جائیں گے۔ سرکاری وکیل لا جواب تھے۔ چنانچہ پیر و کارِ مقرر منشی کرم احمد خیر آبادی نے لکھنؤ سے عظیم علی کے نام خیر آبادی خط لکھا :

" مدت یک دور وزارت کو جناب مخدوم الاستخوان بحسب تقدیر مبتلائے محسن شدہ از سبب پورہ لکھنؤ ہمارے رو بہ کاری صفائی روانہ کر دہ شدہ اند۔ زبانی آئینہ ہر گاہی ہم از تحریرات آنجا ہر روزہ منکشف میشود کہ امروز خدا بقضائے تعالیٰ رہائی خواہر شد۔ روز بہا برادائے شہادت صفائی، مولوی صاحب مکرم مولوی نبی بخش صاحب، مشفق مولوی قادر بخش صاحب و بر خوردار مولوی سیہ ضامن حسین بموجب درخواست مولوی عبدالغنی (خلف ملائم) پر معیت ایشان روانہ لکھنؤ شومہ اند و ہنگیایا امید از فدائے کرم است و دیگر روز بالضرورت مخلص یا فتنہ وار و دو تھا خواہد شد۔ اوقعتاً ہمچنین کند۔ ہمدہ از خورد و کلاں و ذکر و انات چشم بہ انتظار کشادہ می باشند و بیج و قلعے عظیم اند۔ از دجل و علائم جمیع کسان ہم خود فوایدہٴ دوزدان آخری دن تھا۔ مولانا نے اپنے او پر جس قدر الزام لئے تھے ایک ایک کر کے سب رد کر دئے۔ جس مخبر نے فتوے کی خبر کی تھی اس کے بیان کی تصدیق و توثیق کی، فرمایا :

" پہلے اس گواہ نے سچ کہا تھا اور رپورٹ بالکل صحیح لکھوائی تھی اب عدالت میں میری صورت دیکھ کر مرعوب ہو گیا اور جھوٹ بولا : وہ فتویٰ صحیح ہے۔ میرا لکھا ہوا ہے اور آج اس وقت بھی میری وہی رائے ہے۔ "

بیچ بار بار عقلمند کو روکنا تھا کہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ مخبر نے عدالت کا رخ اور عقلمند کو بارعوب و پروہتار شکل دیکھ کر شاکہ کشی سے گریز کرتے ہوئے کہہ ہی دیا تھا کہ وہ مولانا افضل حق نہیں وہ دوسرے تھے۔ گواہ حسن صورت اور پاکیزگی سیرت سے بے انتہا متاثر ہو چکا تھا مگر

فلاحی شان استقلال کے قربان جائیے !

خدا کا شیر گرج کر کھتا ہے :

”وہ فتوے صحیح ہے، میرا لکھا ہوا ہے اور آج اس وقت بھی میری دہی رائے ہے“

نما از بہر ہوائی نہ کند مرغ اسیر

خود دافسوس زمانے کو گرفت روز بوز

شیر سیور سلطان چوپے کے روز نگاہ شہادت کا یہ آخری فقرہ کبھی نہیں بھلایا جاسکتا :

”شیر کی ایک روزہ زندگی گیدڑ کی مسئلہ زندگی سے بہتر ہے“

علامہ کے اقرار و توثیق کے بعد گنجائش ہی کیا باقی رہ گئی تھی۔ بے حد رنج کے ساتھ عدالت

نے جس دوام پر عبور دیا ہے شور کا حکم سنایا۔ آپ نے کمال مسترت اور خندہ پیشانی سے سنا۔ خط

مذکور میں اس کا ذکر اس طرح ہے :

”برادر بن تادہ عشرہ بسبب عدم بہر سی عامل میں لفاظی افتادہ ماند عالیہ آدمی

خاص مقرر کردہ فرستادہ می شد کہ جواب شافی یا بدو مال پر بلال مولوی (مضلل حق) جستا

از کھنودریں موصوفہ آملانی گریستن و دوا دلا کردن است یعنی جس دوام از

پیش گاہ حکم صدور یافت، خواہ بلوا و احسرا، او تعالیٰ رحم فرماید“

(محررہ، ستم فوری مطابق، ۱۴ رجب ۱۳۷۵ء)

علامہ کے استاد بھائی اور رفیق خاص مفتی صدر الدین خاں آزرہ صدر الصدور دہلی سے بھی علامہ

کی خاطر سے فتویٰ پر ”شہوت باہر“ لکھ کر دستخط کر دئے تھے۔ گرفتاری کے بعد مفتی صاحب نے بتایا

کہ میں نے تو پہلے ہی لکھ دیا تھا کہ جزا دستخط کرنا بظہر ہے ہیں۔ ”باہر“ پر نقطہ نہ لگائے تھے۔ عمار وقت

نے اسے ”بائیر“ پڑھا اور مفتی صاحب نے ”باہر“ بت کر جان چھڑائی البتہ بامدوا و اعلاک کافی

حصہ ضبط کر لیا گیا۔

خاک خاک کے ہر مقام پہ دو چار رہ گئے

تیرا پتہ پائیں تو تاجپاں کیس کریں

جذبتی کی سعادت ہر شخص کے حصے میں نہیں آیا کرتی :

دہر درخت تحمل کند جفائے خسراں

غلام محبت سرورم کہ ایں قدم دارد

آخر شہزادہ اشدمان دعا دے کر دے گئے۔ ادھر مولانا عبدالحق اور مولوی شمس الحق نے عداوت کے قریبی عزیز خان بہادر مفتی انعام اللہ خاں شہابی کو پاموسی کے داماد خواجہ غلام ٹوٹ خاں بہادر ذوالقدر میرٹھی مفتیٹ مغربی و شمالی کی معاونت سے اپیل دائر کر دی۔

مرزا غالب یوسف مرزا کو لکھتے ہیں :

”مولانا (فضل حق) کا حال کچھ تم سے مجھ کو معلوم ہوا کچھ مجھ سے تم معلوم کرو، لفظ حکم و اہم صبر بجا بلکہ تاکید کی گئی کہ بلند دریائے شور کی طرف رواد کر دینا چاہیے تم کو معلوم ہو جائے گا۔ ان کا بیٹا ولایت میں اپیل کیا چاہتا ہے، کیا جوتا ہے، جو ہونا تھا وہ ہو چکا۔ انا اللہ وانا الیہ راجعون !

میاں داد خاں تیار سیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں تو مرزا غالب نے انہیں لکھا :

”ہاں خاں صاحب ! آپ جو لکھتے ہیں وہاں سب صاحبوں سے ملے ہو تو مولوی فضل حق کا حال اچھی طرح دریافت کر کے مجھ کو لکھو کہ اس نے رپائی کیوں نہ پائی؟

وہاں جزیرہ میں اس کا کیا حال ہے؟ گزارہ کس طرح ہوتا ہے؟“

علامہ جزیرہ اشدمان پہنچے مفتی عنایت احمد کا کو روٹی صدر امین بریلی و کول مفتی منظر کریم دیا دئی اور دوسرے مجاہد علماء وہاں پہلے پہنچ چکے تھے۔ ان علماء کی برکت سے یہ بدنام جزیرہ دارالعلوم بن گیا۔ ان حضرات نے تصنیف و تالیف کا سلسلہ وہاں بھی قائم رکھا، خزانہ آب و ہوا، نگلیف شاد اور درجہ داری اعتبار و اعزہ کے باوجود علمی مشاغل جاری رہے مفتی صاحب نے علم الصیغہ جیسی صرف کی مفید کتاب جو آج تک داخل نصاب ہے وہیں لکھی۔ سرکاری ڈاکٹر حکیم امیر خاں کی فرمائش سے قوارچہ صیغہ اب بھی تالیف کی ایسی تاریخی نام بھی ہے)

ان دونوں کتابوں کے دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ ان حضرات کے سینے علم کے سینے

جن گئے تھے۔ تاریخی یادداشت، ترتیب واقعات، قواعد فنون، انوار علوم، سبھی حیرت انگیز کرشمے دکھاتے ہیں۔ ایک انگریزی فرمائش پر تقویم البلدان کا ترجمہ کیا جو دو برس میں ختم ہوا اور وہی رہائی کا سبب بنا۔ واپسی ہندوستان پر شاگرد برہنہ مفتی لطف اللہ علیکے بھی نے تاریخ مکہ کا پیش کی،

چو بختی خلاق ارض و سما استاد شد ز قید غم رہا

بہر تاریخ خلاص انجذاب بر تو شتم "ان استاذی محبوب" لہ

مفتی مظہر کرم نے میر جان ہاٹن آباد کرکشنر جزائر دریائے شورو کی فرمائش پر "ترجمہ الاطلاح" کا ترجمہ کیا۔ سید اسماعیل حسین میرٹھ کوہ آبادی نے ۱۵ اشعار میں تاریخ مکہ لکھی۔ آخری شعر یہ ہے:

خیر کس کی کہی تاریخ یوں سال سیسی میں

یہی سیر مدید بوستان ہفت کشور ہے

علامہ نے بھی کئی مفید تصانیف لکھیں۔ انہیں میں سے رسالہ الثورة الهندیہ اور قصائد مفتی احمد

ہیں۔ یہ رسالہ اور قصائد جہاں تاریخی ہیں، عربی ادبیت کے بھی شاہکار ہیں۔ علامہ کا کمال یہ ہے کہ اشعار اور جملوں میں ایک مادہ کے مختلف معنی متعدد معنوں میں بے تکلف استعمال کرتے چلے جاتے ہیں۔ نظم و نثر دونوں اصناف میں اس کا تخیل بڑا پر نظر آتا ہے۔ مثال کے لئے حسب ذیل عبارت و اشعار کافی ہیں۔ یہ رسالہ مع قصائد علامہ نے مفتی عنایت احمد کا کوری کے ذریعہ ۱۲۷۷ھ میں مفت الصدق مولانا عبدالحق کے پاس بھیجا تھا کہ آئین مہاں کو جا کر یہ نسخہ دے دینا پسند اور کوئٹہ سے لکھے ہوئے مختلف پرچے تھے جن کو کئی ماہ کی محنت کے بعد درست و مرتب کر پائے تھے :

الحمد لله عظیم الرجاء، الحمد لله نجلہ، من دعوت الزجاء، من

البلوغی والسبلی والبلاء، وایلاء حسن البلاء، بایاتہ الا لاداء،

لنم دہاء یاسفی الاسماء، لاسیما لمن ظلم واضطر عند

الابتلاء، بالاسواء والادواء۔

مانح اورق فی اوراق اشجان الا وعیب اشجانی و اشجانی

لہ استاد احمد مولانا سید محمد داؤد گیل آبادی مکاتیب خیر شکوہ آبادی

عودی غمودی مریناجات عادی اشفی علی الحین حتی عادہ العادی
 دانی عصاں ولای یجدی لعائذہ عود لداو لعود الداو عواد

علامہ اور ان کے ساتھیوں کو کیا کیا تکالیف اٹھانا پڑیں اور انڈیا میں کیسے وقت سمیڑ رہتاؤ
 سے سابقہ رہا اور سالہ و فضاء میں اس کا مفصل ذکر موجود ہے۔ پرنٹنگ پریس ایک شریف انگریز تھا۔
 مشرقی علوم سے واقف اور فنِ ہیئت کا بڑا ماہر تھا۔ اس کی پیشی میں ایک سزایا فرمولوی بھی تھے
 انہی ایک فارسی کی کتاب ہیئت ان کو دی کہ اس کی عبارت صحیح و درست کر دیں۔ مولوی صاحب
 سے تو کام چلا نہیں، علامہ نے سنے گئے تھے۔ ایک سال ہی گزرا تھا، ان کی خدمت میں وہ
 کتاب پیش کر کے تصحیح کی گزارش کی، علامہ نے نہ صرف عبارت درست کی بلکہ مباحث میں
 بہت کچھ اضافہ کر کے ماثیہ پرست سی کتب کے حوالے لکھ دئے۔ یہ کتاب وہ مولوی صاحب پرنٹنگ
 کے پاس لے گئے۔ وہ دیکھ کر حیران و ششدر رہ گیا۔ کئے لگا مولوی صاحب: ”تم بڑا لائق آدمی ہے
 مگر جن کتابوں کے حوالے میں اور ان کی جو عبارتیں نقل ہیں یہاں کہاں ہیں؟“

مولوی صاحب مسکراتے اور اہلِ دانت علامہ کا کہہ سنایا۔ وہ اسی وقت مولوی صاحب کو لیکر
 بادک میں آیا۔ علامہ موجود نہ تھے کچھ دیر انتظار کے بعد دیکھا کہ ٹوکر اہلِ فعل میں دبائے چلے آ رہے ہیں
 وہ یہ ہیئت دیکھ کر آنکھوں میں آنسو بھر لایا، معذرت کے بعد لکھ کر کہیں لے گیا۔ گورنمنٹ میں
 سفارش بھی کی۔ اور علامہ کے صاحبزادے مولوی شمس الحق اور خواجہ غلام غوث نے خیر مسپرتی
 تعینت مغربی و شمالی صوبہ اور دھرم گرام میں تھے۔ پڑانہ رہائی حاصل کر کے مولوی شمس الحق انڈیا
 روانہ ہو گئے۔ وہاں جہانزادے اتر کے شہر میں گئے تو ایک جنازہ نظر پڑا، اس کے ساتھ بڑا اڈھام تھا
 عاشق کا جنازہ ہے ذرا دھوم سے نکلے

دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ کل ۱۲ صفر ۱۲۷۷ مطابق ۱۸۶۱ء کو علامہ فضل حق خیل آبادی کا انتقال ہو گیا
 ہے۔ اب پھر وفاق کرنے جا رہے ہیں۔ یہ بھی اجدادِ حسرت و یاس شریکِ دفن ہوئے اور بے نیل
 مرام واپس لوٹے۔

قسمت کی نصیبی کہاٹنی ہے کند دو چار ہاتھ جب کہ سب پا رہ گیا

عہ پر از رہائی کو تنہا نہ جانے کہ ”وہ ہے اہلِ جہ“ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

خطبات و اشعار فی البدیہ فرماتے تھے۔ تمام صابح اور بیچنیں، اشتقاق، حسن
 براعت اور صنعت طباق کا ارتحال کے باوجود پورا پورا مظاہرہ ہوتا تھا۔ انھیں
 کمالات کے پیش نظر اپنے علم و فضل میں بے نظیر اور افادہ و مقین میں بے عدلیٰ تھے۔
 مصائب کا فاقہ ملام کی ذات ہی پر نہیں ہو جاتا، اولاد و احفاد کو بھی پریشانیوں کا سامنا
 رہا۔ سب سے بڑی مصیبت ضبطی جائداد و اخلاق کی تھی۔ علامہ بڑے امیر کبیر تھے۔ دولت
 دنیا و دین دونوں سے بہرہ ور اور صاحب عز و وقار تھے۔ حکام وقت، شاہزادگان، عالی تبار،
 امراء و رؤساء اور علماء و صلحا بھی عزت کرتے تھے۔ شاہانہ زندگی گذاری۔ ہاتھی، گھوڑے،
 پالکی، فینس اور دوسری شان و شوکت کی سواریاں ہر وقت دروازے پر موجود رہتیں۔ جب
 مولانا عبدالحق پیدا ہوئے تو دوپٹی کے خواص و عوام اور برادران وطن نے بھی بطور اعلا خوشی
 منڈرنے اور تحفے لاکھوں روپیہ کے پیش کئے۔ لے
 تہذیب و انصاف کے طور پر خود ملام نے اپنے قصیدہ ہمزہ میں اپنے ترق و فراغت کا ذکر
 فرمایا ہے :-

كانت الفضل الحق فضل صالحة من على الامثال الى استعماله
 ووجهه بين الوجوه وجاهه تمنوا لها الامعيان والرؤساء
 وبراعة ورفاعة ورفاهة ونزاهة ونباهة وعلا

جرم بغاوت ثابت ہو جانے پر خیر آباد کا گلین و عایشان دیوانہ خانہ اور محل ملاحظہ کر کے
 پہلے خیر خواہی سرور محمد ہاشم شیخی سیٹا پوری (مورث اعلیٰ آغا فتح شاہ مشہور پیدر پیٹا پور) کو دیے
 گئے انہوں نے رئیس کمال پور منیع سیٹا پور راجہ جواہر سنگھ کے ہاتھ پانچ سات ہزار میں گڑیوں
 کے مول فروخت کر ڈالے۔ عرصہ دراز تک راجہ جواہر سنگھ و دان کے بعد ان کے بیٹے راجہ
 سورج بخش سنگھ نے اپنی جگہ پر قائم رکھے۔ مولوی حکیم ظفر الحق بن مولانا اسد الحق بن مولانا
 عبدالحق فرماتے ہیں کہ خود راجہ مذکور نے مجھ سے کہا کہ صرف ملام کی یادگار میں میں نے سے
 معذور رکھا ہے۔ جب بارش کی کثرت اور غیل کا بد حالت میں پڑے رہنے سے آٹا شکست و
 لے ۱۔ علامہ پرغہ انس الصمدی مولانا محمد ابوبکر صاحب دہلوی۔

رعیت نمودار ہونے لگے تو ایک انجیز کو درستی کے لئے بھیجا۔ تھوڑے درستی میں پچیس ہزار روپیہ بتایا گیا تو راجہ نے مجبوراً پتھر کھدوا کر کمال پور منگوائے اور کچھ سامان حکیم سید انور حسین خیر آبادی مشہور طبیب معالج خاص تعلقداران اودھ کو دے دیا۔ دروازہ بطور یادگار باقی رہنے دیا جو آج بھی حساب مکان کی عظمت و جلالت کا شریہ زبان حال سے چہرہ رہا ہے اور دیکھنے والوں کے لئے عبرت و عظمت کا سامان مہیا کر رہا ہے۔

دیکھو مجھے جو دیدہ مستبر نگاہ ہو

میری سسوجو گوش نصیحت نبوش ہو

یہ مکان موسومہ "نیامحل" منشی نیاز احمد فاروقی بانی مدرسہ نیازیہ دہلی خیر آباد کے مکان کی نقل تھی۔ فرق اتنا تھا کہ اس میں دو تہ خانے تھے اور منشی صاحب کے مکان میں ایک ہے۔ اگر وہ غیر سے پتھر منگوائے گئے تھے۔ تقریباً بیس سال ہوئے جب یہ مکان کھدوایا گیا تھا دروازہ پر ہاتھی بھی جموں رہے تھے۔ وہ بھی بیدارے حریت پر بھیاور ہو گئے۔ مولانا حکیم احمد علی صاحب خیر آبادی فرماتے ہیں کہ علامہ کا کتب خانہ بھی ضبط کر لیا گیا تھا۔

جب نعت ارشد مولانا عبدالحق خیر آبادی کو دلاری کے پیش نظر ۱۶ فروری ۱۸۸۷ء میں ملاؤ ڈفرن گورنر جنرل ہند کے دستخط سے سند خطاب شمس العلماء بلا کسی طلب و کوشش کے ملی تو علامہ کے ضبط شدہ دیہات میں سے کچھ دیہات بھی واپس دے جانے کا حکم دیا گیا۔ مولانا فرمایا کرتے تھے باپ کو کالا پانی کیا اور بیٹے کی خطاب سے اشک ثلثی کی۔

مولانا عبدالحق رامپور میں تھے خیر آباد کے ایک باشندے یار علی نے علامہ فضل حق کا بیٹا بن کر وہ دیہات قبضے میں لے لئے۔ اندھیر نگری اور چوٹ راج کی مثال اس سے بڑھ کر اور کیل مل سکے گی۔ مولانا عبدالحق نے عذر داری وغیرہ کسر شان سمجھ کر خاموشی اختیار فرمائی بعد میں بارہی نے یہ دیہات پنج ڈالے۔

ان میں سے ایک موضع زین پور ہے جو حضرت مولانا شاہ سید محمد اسلم خیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ - - - - - ستانہ حافظیا المتوفی ۱۳۲۰ھ نے ایک ہزار میں خرید کر اپنے پیرو مشرف حافظ سید

محمد علی شاہ غلیہ حضرت شاہ محمد سلیمان تونسوی کے مصارف و رگاہ کے لئے وقف کر دیا جس کا انتظام سجادہ نشینان و رگاہ کرتے رہے ہیں۔ حافظ سید امتیاز حسین سجادہ نشین کے انتقال کے بعد اب میاں سید احمد حسین حال سجادہ نشین اس کا انتظام کرتے ہیں۔

دوسرے موضع نند و پورہ لالہ نند و لال نے ایک ہزار میں خریدا۔ اس طرح علامہ کے اخلاف پریشان ڈرگاہ رہے۔ آج بھی علامہ کے پرپوتے مولانا عبدالحق کے پوتے اور مولانا اسد الحق کے صاحبزادے مولوی حکیم محمد عطاء الحق خیر آباد میں عسرت کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ سرکار نظام حیدر آباد سے پچاس روپیہ ماہانہ آتے ہیں اور میں! ریاست مامپور سے قدیمی تعلقات خاندانی کی بنا پر قس روپیہ ماہانہ پہنچتے تھے وہ موجودہ والی مامپور نواب رضا علی خاں کے تحت نشین ہوتے ہی بند ہو گئے۔ خاندان نواب مامد علی خاں مرحوم نے نہ صرف مشاہیر جاری رکھا بلکہ وقتاً فوقتاً داد و دہش بھی عطا فرماتا۔ حکیم صاحب کو اکثر طلب فرما کر سرکاری مہمان رکھتے۔ ابتدا میں آپ کے تعلیمی مصارف کے لئے سو روپیہ ماہانہ زمانہ نوراز تک عطا کرتے رہے۔ نواب معروف خود صاحب علم تھے اور اپنے اسلاف کی طرح اسی خاندان خیر آباد کے شاگرد اور قدردان تھے اسی لئے استاد زادگان کی قدر و منزلت بھی فرماتے تھے۔ حکیم صاحب خاندانی ذہانت کے مالک ہیں۔ فن طب میں مہارت تامہ رکھتے ہیں، تشخیص مرض اور غرض شناسی میں امتیاز خاص حاصل ہے، کثیر الاولاد ہوتے ہوئے کساد بازار کی فن قدیم کا شکار ہیں۔

علامہ کی اس خاندانی شاہانہ زندگی کے ساتھ جنس ۱۸۵۰ء کے روح فرسا اور صبر آزمایا حالات کے پیش آنے کا تصور ہوتا ہے تو موصوف کی شخصیت، استقلال، ثبات قدم اور مجاہدانہ عزم کا اندازہ ہوتا ہے۔ خصوصاً جب اس زمانہ کے عیش و راحت میں پلنے والے مجاہدوں پر نظر پڑتی ہے تو علامہ کا مرتبہ کتنا بلند ہو جاتا ہے۔

ہندستان کی سب سے مکمل غلامی میں کئی مرتبہ مسلمانوں پر مصائب شائد کے پہاڑ توڑے گئے۔ اسی حکومت برطانیہ کے ہاتھوں سرزمین حجاز و شام و مصر کے مجھے مجھے ہوئے اسی کے ہاتھوں ٹرکی کا سرزمین گرقا پناہ ہوا۔ اسی نے قبلہ اول بیت المقدس (فلسطین) جیسے پاکستان کو پاکستان بنانے کی تجویز کی، اسی کی بدولت ٹرکی و عرب کے مسلمانوں پر ہندستانی فوجوں

نے گزریاں پہنیں۔ مہاراجہ کی برادری کی ہمدردی بھی ہندو حکومت تھی۔ انڈونیشیا (جاوا) اور سریلانکا پر برادری کو فتح بخشی کرنے والی یہی سلطنت تھی۔ خلافت کی چادر کو گھسے گھسے اسی دولت بھائی نے کیا۔ ان تمام دردناک مصائب کے باوجود ہندوستان کا یہ مسلمان ہمیشہ پرست و جاہ پسند طبقہ امراء خواہ راحت میں سوتا رہا، سوتا ہی رہتا تو بھی زیادہ شکوہ نہ تھا، جاگتا اور مسلمانان ہندو مقامات مقدسہ کے سینوں کو چھلنی نہ کرنے کے رنگ و روٹوں کی بھرتی کرائی، حیثیت سے زیادہ چندے دئے، وفاداری کا پورا پورا مظاہرہ کیا۔ بڑے بڑے عہدے اور خطابات حاصل کئے، انعامی جاگیریں پائیں، مختصر یہ کہ وہ سب کچھ کیا جو کرنا چاہئے تھا اور وہ کچھ نہ کیا جو کرنا چاہئے تھا۔

علامہ کی سیاسی بصیرت اور فطری فہم و فراست کا اندازہ رسالہ الشوق الہندیہ کی تصدیق عبارت کے بعد آنے والی عبارت سے لگائیے جس کی ابتداء من قصۃ ہمارے عہد سے ہوتی ہے۔ علامہ نے اس میں بتایا ہے کہ ہندوستان پر تسلط کے بعد انگریزوں نے ہندو سلطنت کے نئے دو اسکیموں پر عمل کرنے کی تدبیریں سوچ رہا تھا :

اول یہ کہ پچھلے زمانہ کے علوم و معارف اور مدارس و مکاتب مٹانے کے بعد اسکولوں کی یکساں تعلیم کا رواج جس سے ہر مذہب و ملت کے افراد ایک ہی رنگ میں رنگ جائیں، دوم یہ کہ غلط فہمی کے تزلزل کر کے خدا کی مخلوق کو مروجہ جگہ پر مجبور کر دیا جائے علامہ لکھتے ہیں :-

”انگریزوں نے اچھی طرح سمجھ لیا تھا کہ مذہبی بنیاد پر فرقوں کا اختلاف تسلط و قبضہ کی راہ میں سنگ گراں ثابت ہوگا اور سلطنت میں انقلاب پیدا کر دے گا اس لئے پوری تہذیبی اور بانفشتانی کے ساتھ مذہب و ملت کے مٹانے کے لئے ہر طرح کے مکر و حیل سے کام لینا شروع کیا۔ انہوں نے بچوں اور نا سمجھوں کی تعمیر اور اپنی زبان و مذہب کی تلقین کے لئے شہروں اور دیہات میں مدرسے قائم کئے، پچھلے زمانہ کے علوم و معارف اور مدارس و مکاتب کے مٹانے کی پوری کوشش کی :

”دوسری ترکیب یہ سوچی کہ مختلف طبقات پر قابو اس طرح حاصل کیا جائے کہ زمین ہند کے مذہبی پیداوار کا شکاروں سے بے کر نقد و دام ادا کئے جائیں، اور

ان غریبوں کو خرید و فروخت کا کوئی اختیار نہ چھوڑا جائے۔ اس طرح نرخ کے گھٹانے
بڑھانے اور منڈیوں تک اجناس پہنچانے اور نہ پہنچانے کے خود ہی ذمہ دار بن
جائیں۔ اس کا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں کہ خدا کی مخلوق، مجبور و معذور، جو کران
کے قدموں میں آپڑے اور خوراک وغیرہ منہ پران کے ہر دم کی تعمیل اور ہر مقصد
کی تکمیل کرے۔

پہلی ایکیم کے تعلق لارڈ میکالے کے یہ جملے کافی سند ہیں :
”ہمیں ایک ایسی جماعت بنانی چاہیے جو ہم میں اور ہماری کمزوریوں و رعایا کے
درمیان مترجم ہو اور یہ ایسی جماعت ہونی چاہئے جو خون اور رنگ کے اعتبار سے
قوم ہندوستانی ہو مگر مذاق اور راستے زبان اور سمجھ کے اعتبار سے انگریز ہو۔“
دوسری ایکیم پر جب عمل ہوا ہوتا نہ ہوا ہو لیکن اس چار سالہ زمانہ جنگ کے کسٹروولی ملٹریڈ
نے باشندگان ہند کی آنکھیں کھول دی ہیں۔ فدا کا مناد شوار، کسٹروولی کی دکانوں سے لینے میں
عزت و آبرو اور وقت عزیز کی بربادی، شہر میں ذرا سی گز پر چٹکانوں اور گوداموں کی قفل بندی، ان
سب مصیبتوں کا مستقل برکہ و مہ کو سامنا رہا ہے۔
۱۱ جولائی ۱۹۴۶ء سے پوسٹ مینوں اور کم خزاہ واسطے ملازمین پوسٹ آفس کی جائز احتجاجی
ہڑتال پر دہلی کی سولیس چھین لینے کی، مرکزی حکومت کی طرف سے دہلی کے بیان کو بالکل
سچ کر دکھایا، کیا سچا ارشاد ہے سرکار و عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا :

انتقوا فراستة المؤمن فانہ ينظر بنسور اعدائہ

”مومن کی فراست سے ڈرتے رہو یا اللہ کے نور سے سب کچھ دیکھنا اور سمجھنا ہے۔“

کہاں ہیں اس قول کے قائل کہ ”مولوی کو سیاست نہیں آتی“ آئیں اور رسالہ الشوق المنیر
پڑھیں۔ مولوی کی سیاست غلام دماغ نہیں سمجھ سکتا، انگریز سمجھتا ہے، سوچا ورنہ غور کرو، ۹۰ سال
قبل سارے دفاتر پراسی طبقہ کا قبضہ تھا، علماء، مشائیر وقت، سرکاری و شاہی محکموں پر قابض تھے۔
مولانا فضل امام خیر آبادی، صدر الصدور دہلی، مفتی صدر الدین خاں آزرہ، صدر الصدور دہلی،
مفتی حنایت احمد کاکوروی، منصف و صدر الدین کول و بریلی، مولوی فضل رسول بدایونی سرشت دار

پر سب سے بلند مقام اسی طبقہ علماء کے ایک فرد امام السنذ مولانا ابوالکلام آزاد کا ہے۔ چھ سالہ صدارت مجلس وطنی کے تابناک دورِ شاں دور نے ثابت کر دیا کہ کشتی آزادی کو سامعین مقصود تک پہنچا دینا اسی جیسے بالکمال نافذ اکا کام ہو سکتا تھا۔

میں نیک شگون بیت المقدس پر قبضہ نصارے سے فتنہ ہے۔ ۱۰۹۹-۱۰۸۷ء
 تک ۸ سال تسلطِ راجس میں ظلم و تعدی کی انتہا ہو چکی تھی۔ آخر سلطان صلاح الدین ایوبی نے پرچمِ اسلام اٹھایا۔ ۱۰۸۵ء سے ۱۰۷۵ء تک بھی ۸ سال ہی ہوتے ہیں۔ مظالم و مصائب کا یہاں بھی خاتمہ ہو چکا ہے پہلی شہد کا نفرنس ۳۵ء میں ہی حکومتِ برطانیہ حقپار ڈال چکی تھی۔ دوسری شہد کا نفرنس ۱۹۳۶ء میں اسے شکست کا منہ دیکھنا پڑا اور ۲ ستمبر ۱۹۴۶ء کی عالمی حکومت کے تقرر اور وزارتِ غظمی پر پختہ جواہر لال نہرو صدرِ انڈین نیشنل کانگریس کے تسلط سے آزادی کامل کی بنیاد قائم ہو ہی گئی۔

یہ بھی حسن اتفاق تھا کہ ۲۷ رجب ۱۴۰۵ء کو مسجدِ اقصیٰ بیت المقدس میں سلطان نے نمازِ شکر ادا کی جبکہ اسی تاریخ میں سرکارِ دو عالم نے شبِ معراج میں اسی مقام پر امامتِ انبیاءِ فریضی تھی۔ اسی طرح یہ بھی حسن اتفاق ہے کہ یروشلم کی طرح ہندستان بھی اسی قوم کے ہاتھوں سے اسی مدت میں آزاد ہو رہا ہے۔

اخلاف

انسان کی یادگار دنیا میں مختلف چیزیں ہو سکتی ہیں لیکن نافع یا وگا صرف تین ہیں۔
 حدیث شریف میں آتا ہے :

”انسان دنیا سے جاتا ہے تو اس کے اعمال منقطع ہو جاتے ہیں۔ تین عمل نفع بخش اور باقی رعبے دہے ہیں علمِ نافع، وقف فی سبیل اللہ اور ولدِ صالح“

اس فرمانِ نبویؐ کے معلوم ہوا کہ نیک اولاد انسان کی یادگار بن سکتی ہے۔ بد عملی نے پسرِ نوح علیہ السلام کو ”انہ لیس من اہلک“ انہ عمل غیر صالح کے حکم کی بنا پر خاندانِ پیغمبر سے خارج کر دیا تھا۔ بد اعمال اولاد باپ کی زندگی میں باعثِ تنگ و عار اور نہ

کے بعد ذیل و خواہ جوتی ہے۔ اسی خیال کے پیش نظر سان الملک حضرت ریاض خیر آبادی نے کہہ ہے

میرے اللہ نے بخشی مجھے اولاد جمعیہ

میرے اشعار وہ ہیں جن سے کبریا نام پڑے

علامہ نے دو شادیاں کیں پہلی امیہ بی بی وزیرین دختر منشی فضل احمد بن حسین میاں تھیں۔ ان سے تین صاحبزادیاں بی بی سمیہ النساء حرمیں والدہ سان بہادر افتخار الملک منشی افتخار حسین مصطر خیر آبادی مرحوم و محمد حسین بسمل خیر آبادی مرحوم، بی بی فہم النساء والدہ منشی ضمیر علی مرحوم فوجدار ریاست سجے پور، محمود النساء زوجہ منشی خلیل احمد (برادر منشی نیاز احمد بانی مدرسہ نیاز) و رئیس خیر آبادی اور ایک صاحبزادے مولانا عبدالحق خیر آبادی تھے۔ موصوف نے والدہ ماجدہ کے نام نامی کو اور گرامی بنایا اور اس لائق شاگرد نے فائق استاد کو مزید بلند و بالا مقام پر پہنچایا۔ ۱۳۱۶ء میں وفات پائی۔ وگاہ مخدوم شیخ سعد میں مہر خواہ ہیں۔ دو سال بعد سعدا و تمند فرزند مولانا اسد الحق، ۲ ربیع الثانی ۱۳۱۸ء کو راجہ ملک بقا ہوئے۔ اب صرف مولوی حکیم غفر الحق خیر آبادی بن مولانا اسد الحق اس دو دامن عالی کے تنہا چشم چراغ ہیں جو عمر کی تقریباً ساٹھ فزین پڑے کر چکے ہیں۔ اطباء خیر آبادی صفت اول میں آپ کا شمار ہے۔

علامہ کی دوسری جاہلیہ دہائی کی تھیں۔ یہ شادی غیر کفر میں کی تھی۔ ان سے دو صاحبزادے مولوی ظہیر الحق اور مولوی علاء الحق ہوئے۔

اول الذکر کی دختر اولاد دہلی میں موجود ہے۔ مولوی علاء الحق سے مولوی ضمیر الحق، ان سے مولوی فیض الحق موجودہ ممبر مال یا ست بھوپال ہیں۔

تلامذہ

سچ پر چھتے تو اصلی تلامذہ و روحانی اولاد ہے ہاں لے علماء کرام نے جنہیک اعمال اور متبعین مسلمان کو سرور کائنات علیہ السلام و اہلیات کی آن میں شامل مانا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ درود میں آل کے ساتھ صحاب کا غرض بھی آئے جب بھی صحابہ کرام داخل ہو جاتے ہیں۔

مولانا عبدالحق کے نام و تلامذہ میں سے مولانا حکیم سید برکات احمد بھاری ٹونکی المتوفی ۱۳۴۷ھ
تھے۔ موصوف سے علامۃ السنۃ مولانا معین الدین اجیری المتوفی ۱۳۵۹ھ نے کسب فیض کیا اور مولانا
اجیری کے نطفین مبارک اٹھانے کا راقم اسطورہ کو بھی فخر حاصل ہے۔

پہنچا کہاں سے ہے کہاں سلسلہ درازِ علم

تیرھویں اور چودھویں صدی کے اکثر فضلاء ہند خیر آبادی شجرِ علم کے خوشہ میں ہوئے ہیں۔ موجودہ
دور کے صنفِ اول کے مشاہیر امام السنۃ مولانا ابوالکلام آزاد، ڈاکٹر علامہ سید سلیمان ندوی وغیرہ کا کو
مھی نسبت تلمذِ علامہ کے تلامذہ سے حاصل ہے۔ دنیا میں اہل کمال بھی زوال سے نہیں بچے، عالم کی ہر چیز کو فنا
مئے نامیوں کے نشان کیسے کیسے ریس کھا گئی آسماں کیسے کیسے

اور پھر تماشہ یہ ہے کہ جو جاتا ہے پھر مڑ کے نہیں دیکھتا۔ ابوالباب حکیم بہانی ملک الشعراء و بابر شاہ جہاں
نے اسی کی طرف اشارہ کیا ہے۔

وضع زمانہ قابل دیدن دوبارہ نیست

روپس نہ کردہر کز ایں خاکداں گذشت

www.KitaboSunnat.com

www.KitaboSunnat.com

خِیَمَہ

سلسلہ تلامذہ

جیسا کہ گذر چکا ہے کہ علامہ کا سلسلہ تلامذہ نہ صرف ہندوستان بلکہ بیرون ہندوستان ہمارا، افغانستان اور
دور دور از ممالک تک پھیلا ہوا ہے۔ ہندوستان کے اکابر شاہیہ رام اللہ مولانا ابوالکلام آزاد و علامہ
سید سلیمان ندوی وغیرہ اسی درجے کے فیضان سے سیراب ہوئے ہیں۔

قائدہ اور تلامذہ ائمہ کی فہرست میں ایسے ایسے نام اور اہل فضل و کمال افراد گذر سے
جیں کہ مستقل کتاب ان کے حالات میں مرتب ہو سکتی ہے۔ اس جگہ ان کے تفصیلی ذکر کا نہ موقع ہے
اور نہ گنجائش، صرف علامہ سے لیکر چھ پچاس سال تک اکابر سلسلہ کا مختصر تذکرہ درج کرنے پر اکتفا کیا
جاتا ہے :

شمس العلماء مولانا محمد عبید الحق خیر آبادی

محقق، محقق، منیل، خیر علی، عصر سرائے، کلام دہر، شمس العلماء مولانا محمد عبید الحق خیر آبادی
دہلی میں ۱۲۳۴ھ میں پیدا ہوئے۔ فائدہ ماہر علامہ فضل حق خیر آبادی دلی میں مشرتہ دابر رینڈ ٹرسٹ،
عوام و رعایا میں ہر دلعزیز، اور حکام و دربار شاہی میں معزز و با اقتدار تھے۔ فرزند و بلند کے تولد
پر دایا و تحائف کے دھیر لگ گئے۔ لاکھوں روپے نذرانے میں پیش ہوا بخوش بخت و بلند طالع
مشہور ہوئے۔ زمانہ قیام خیر آبادی میں رویت ہلال کے بعد فال نیک کے طور پر لوگ چہرہ آ آ کر
دیکھا کرتے تھے۔

ہوش منبہالا تو باپ کی علمی مجلسوں کا رنگ دیکھا مفتی صدر الدین خاں آذرہ و عبدالعزیز
کا دربار علمی نظر سے گذرا۔

علمائے :۔ مولانا رشید الدین خاں، مولوی محمد صوفی اللہ بن مولانا شاہ رفیع الدین،

۱۔ مشہور عالم دین مولانا حبیب الرحمن صاحب لدھی مولانا محمد امجد علی خاں کاندھلوی مولانا محمد رفیع الحق خاں دی کے شاگرد ہیں۔ مولانا عبد الحق صاحب
ایضاً والدہ کے ساتھ رہا کرتے تھے تو مولوی صاحب دلعزیز کو بھیجیں میں دیکھا تھا کہ مولانا کے بعد جب مولانا کی خدمت میں جمع ہوئے تھے
ہوئے تو پہل نظر میں پہچان گیا اور شریک دس کر ہوا۔ ۲۔ حق و انصاف و فائدہ خیر خواہ۔

بعد نواب حامد علی خاں نے راجپوت میں قیام پذیر ہونے کی درخواست کی۔ ایک سال نواب کی خاطر سے گزار کر خیر آباد آ گئے۔ یہاں درم بکر، مستفاد اور شریک نفس میں مبتلا ہو گئے۔ زبان و قلب سے ذکرِ الہی میں مشغول رہتے۔ حضرت شاہ اقدس بخش تونسوی سے سلسلہ ہشتیہ میں بیعت تھے۔ آخر عمر میں ولولہ مابعد کی طرح تصوف کی طرف پوری توجہ مرکوز ہو گئی تھی۔

خلف ارشد صاحبزادہ مولانا اسد الحق نے حالت متغیر ہونے پر ہدایات طلب کیں اور ارشاد ہوا۔

”دنیا سے احتراز کرو راجہ و دناہیر سے اجتناب، حب مال تمام برائیوں کی جڑ ہے

مسلمان کے لئے مال و دولت کی خواہش مایوس کی بدترین گناہ ہے“

اسی شب (۲۳ شوال المکرم ۱۳۱۶ھ) میں عالم جاودانی کو روفی بخشی۔ احاطہ درگاہ محمد دم

شیخ سعد میں اپنے دادا مولانا فضل امام اور ان کے استاد الاستاذ مظلّم سندیلوی کے پاس مدفون ہوئے۔

خدائے سخن منشی امیر احمد امیر جینائی نے تاریخ کمی

شمس العلماء زکلیت و ہر چوں تیر زابر تیرہ بر خست

بر لوج مزار امیر بنویس آرمگہ ایام وقت است

مولانا کے اس حادثہ رحلت پر قمریہ ہندستان میں ماتم کیا گیا۔ بنگہ بیرون ہند بھی علماء و اعیان نے سوگ منایا۔ خلیفۃ المسیح سلطان مرکی نے بھی ایک ہفتہ تک مدرسہ انصاریہ میں تعطیل رکھی۔ ملکی اور غیر ملکی جرائد نے مقالات لکھے۔

امیر جینائی کے شاگرد و رشید سنان الملک کے یاض خیر آبادی نے اپنے اخبار ریاض الاخبار میں

آج سے ۴۸ سال قبل جو کچھ لکھا تھا اسے درج کیا جاتا ہے :

علم و فضل کا گھر بے چراغ ہوا

”جناب شمس العلماء مولانا عبد الحق صاحب قبلہ کے انتقال کا مدد مرسیا نہیں ہے کہ

ملک و قوم اس کو بھلا سکے، اس حادثہ سے صرف خیر آباد ہی دارالعلم نہ رہا بلکہ ہندستان

بھی سے یہ فخر مند دم ہو گیا اور ہندستان کے ساتھ عرب و عجم سے بھی کچھ شک نہیں

ایسے آفتاب مہر و فضل کے پنہاں ہونے سے دنیا کے اسلام تار یک ہو گئی۔

مولانا علامہ ابوالاسلام کے عجب قابل قدر یادگار تھے۔ سچ پوچھئے تو شمس العلماء بوی
عبداللہ الحق کی یہ تمام زندہ نام علماء آج تبر خاک ہو گئے۔ ایک ذاتِ واحد میں ایسے
کمالاتِ غریبہ اور اوصافِ عجیبہ کا جمع ہو جانے مرحوم مولانا کی ذاتِ بابرکات کے
ساتھ گیا۔

زمانہ صرف صورتِ ظاہری کا معاملہ نہ بلکہ انہیں کر سکتا وہ نورانی چہرہ، وہ خندہ روی
وہ زندہ دلی، وہ سراپا علم، وہ رعب کمال، وہ شانِ ادب، وہ فضل و جلال۔
دیکھنے والے کے لئے صورت ہی پرکار اٹھتی تھی کہ دنیا سے اسلام کو فخر و ناز آج
اسی قدسی صفات بزرگ پر ہے۔

شمس العلماء کا بہت بڑا احسان دنیا پر یہ ہے کہ وہ دولتِ علم و کمال کو
خاندانی اختصاص کے ساتھ بہت ہی محفوظ طور پر منتقل فرما کر ایک ایسے سینہ کو
گنجینہٴ علوم بنا گئے جو سلسلہٴ فیض و برکت کے عدم انقطاع کا بہت ہی با اعتبار
ضامن ہے۔

ہم امید کرتے ہیں کہ ہزار ہا شاگرد اور اعلیٰ گزشت نظام، شمس العلماء
مرحوم کے وظائف ان کے صاحبزادہ مولانا اسد الحق صاحب کے نام منتقل فرما دیں
کہ مقامات مختلف و ممالک و درود راز کے طلباء رہے اس نہ ہوں اور دارالعلوم خیرآباد
دارالعلوم بنارس ہے۔ اے

جی چاہتا ہے کہ ریاض ہی قلم سے مولانا کے استغفار، جرأت اور وقارِ علمی کا ایک منظر پیش
کرنا چلوں۔ ”دربارِ قیصری“ کے زیرِ عنوان ”ریاضِ آپ اپنے آئینے میں“ کے سلسلہٴ مضامین نگار میں
لکھتے ہیں :-

دربارِ قیصری

جس زمانہ میں ریاض الاخبار ہفتہ وار اور گلکہۃ ریاض ماہوار خیر آباد سے شائع ہوتا تھا
جس کے مطبع کا نام بھی ”نامہٴ پچہ خوشیاں“ تھا،

ملہ نزاریہ ص ۲۱۱ رحمتی احمد جعفری خیر آبادی۔

اعلیٰ حضرت نواب کلب علی خاں بہادر غلہ آشیان نے مجھے میرے استاد حضرت امیر
 مینائی مرحوم و مغفور کے ذریعے سے یاد فرمایا۔ میں اس وقت دربارِ قیصری میں شرکت
 کے لئے جلی جانے کو شدت سے متیاب تھا۔ اس سے پہلے دربارِ قیصری میں تمام
 اخبار نویس ہر صوبے سے مدعو تھے۔ ان کا کیپ خاص تھا جسے ہیکلِ تزیین و
 تکلف نصب تھے۔ دو ایڈیٹروں کے لئے ایک خیمہ ضروری فریچہ و اسباب آرام
 کے ساتھ مخصوص تھا۔ کھانے اور ناشتے کے لئے خاص سرکاری اہتمام تھا۔
 پرتکلف چار، ہر وقت تیار رہتی تھی۔ چمن بندیاں، اعلیٰ پیمانہ پر تیار نظر بہر طرف
 تھیں۔ میں مع نظام احمد مرحوم مالک دیاض الاخبار دہلی گیا۔ کیپ کے سامنے
 ابوالمنصور مرحوم امام فن مناظرہ کے دولت خانہ پر مہمان بنا پڑا۔ شب گزاری کا
 اتفاق وہیں ہوتا۔ کیپ میں پنجابی اخبار کا خیر بھاری شرکت میں تھا۔ مولانا
 مرحوم کے بڑے صاحبزادے خاں بہادر سید ناصر علی صاحب غالب موجود نہ تھے
 بعد کو آگئے۔ آپ کے چھوٹے بھائی سید نصرت علی صاحب، مالک نصرت الاخبار
 دہلی کا زیادہ ساتھ رہتا۔ دن تو دلیان ملک کے عالیشان پُر خضا فردوسی کمپوں میں
 گزرتا جو دہلی کے باہر کوسوں تک پھیلے ہوئے تھے۔ بہر طرف لہلہاتے ہوئے
 چمن نزار سجے ہوئے بازار، ان کی وضع قطع، ان کی آراستگی، یہ بھولا ہوا خواب
 کہاں تک بیان کر سکتا ہوں۔ اسی گلگشت میں ظہیر انور سے بھی شرفِ نیاز حاصل
 ہوا۔ میری یادیابی نواب مردان علی خاں صاحب بہادر خیر پور سندھ کے حضور میں
 باقتدار خاص ہوئی تھی۔ حضور نواب صاحب اور تمام دربار فارسی زبان کا استعمال
 کرتے تھے۔ مجھے مساجد کشمیر کے کیپ میں بھی جانے کا اتفاق ہوا تھا اس بنا پر کہ
 مہاراجہ اس سے پیشتر رونق افروز ملکھنوتھے تو سیدھ ستی رام صاحب تعلقہ دار سولن
 جن کے روابط مہاراجہ سے تھے مجھے بھی اپنے ہمراہ لے گئے تھے مگر اس وقت
 مہاراجہ جبرم واپسی سوار ہو رہے تھے سرسری شرفِ تعارف حاصل ہو سکا۔ دربار
 دہلی کی تشریف میں سیدھ صاحب موصوف بھی تشریف لائے تھے مجھے بھی مہاراجہ

کے کیسپ میں بھڑھلے گئے۔

دربار کیسپ کے قریب پہنچ کر ہم نے دیکھا کہ درباری کیسپ سے شمس العلماء مولانا عبدالحق صاحب ملائے خیر آبادی کسی قدر منقص آ رہے ہیں۔ کشتیر کے ایک اعلیٰ افسر بھی لجاجت کناں ساتھ ہیں۔ مولانا اسی شخص کے ساتھ فینس پر سوار ہو گئے۔ ہم لوگ ایڈی کاننگ کے بھڑھیلے میں آئے ہر طرف خاموشی تھی۔

سینٹ صاحب نے دریافت کیا کہ کیا واقعہ ہے؟ جواب ملا اس وقت واقعہ یہ پیش آگیا ہے کہ شمس العلماء کے تشریف لانے کے لئے یہ وقت مقرر کیا گیا تھا شمس العلماء تشریف لائے۔ ہمارا جرنے براہ تعظیم گوشہ مسند پر جگہ دی۔ مزاج پر سی فرمائی۔ ساتھ ہی حکم دیا کہ ولیمہ کے اتالیق کو تکلیف دو۔ وہ بھی تشریف لائے۔ ہمارا جرنے انہیں بھی شمس العلماء کے مقابل گوشہ مسند پر جگہ دی۔ ممکن ہے شمس العلماء کی نازک مزاجی نے اسے پسند کیا ہو، پھر ہمارا جرنے فرمایا مجھے مدت سے آرزو تھی کہ ایسے بلند پایہ علماء کا کسی مسک پر مناظرہ دیکھوں۔ یہ سنتے ہی شمس العلماء نے براہ فرخنگی کے ساتھ کہا:

”ہمارا جرنے! آپ نے مرغ اور شیر کی پالیاں دیکھی ہوں گی، علماء کی یہ شان نہیں ہے۔“

ساتھ ہی اٹھ کھڑے ہوئے۔ ہمارا جرنے کو عرق آگیا۔ ان پر اس ناگوار واقعہ کا زیادہ اثر تھا۔ ہم لوگ بھی بے ملاقات واپس آ گئے۔

دوسرے روز مجھے معلوم ہوا کہ ہمارا جرنے کشتیر نے افسر علی کے ذریعہ سے گیارہ پارچہ کاغذت اور نقد دو ہزار روپے معذرت کے ساتھ شمس العلماء کی خدمت میں بھیجے۔ شمس العلماء نے بحوالہ کہ مجھے افسوس ہے کہ ہمارا جرنے براہ قدر ذاتی خلعت نقد سے عزت افزائی کی مگر میں اس کے قبول کرنے سے معذور ہوں کیونکہ میں رئیس لاہور کا ملازم ہوں۔

یہ پرچہ نواب مشتاق علی خاں بہادر ولیمہ داسپور کو ان کے کیسپ میں گئے۔

غلہ آٹیاں فرما کر دوائے راہپور بیماری کی وجہ سے دہلی آنے اور دربار قیسری میں شرکت سے معذور رہے تھے۔ پرچہ گزرنے پر ولیعہد بہادر نے غلہ آٹیاں کو اس واقعہ کی اطلاع تیار پر دی۔ ہماری طرف سے گیارہ پارچہ کا خلعت اور نقد دو ہزار پیش کر دیا۔

مجلس العلماء جو کسی بات پر مدارالہمام یا سپرد سے برہم ہو کر دہلی اس شخص سے آئے تھے کہ واپس نہ جائیں اور کسی ریاست میں ملازمت کر لیں اس قدر افزائی پر دربار قیسری کی بعد راہپور چلے آئے اور کچھ کبھی غلہ آٹیاں سے جہاد نہ ہوئے۔

مولانا کو دیکھنے اور برتنے والوں کی زبانی راقم الحروف نے سینکڑوں واقعات سے جو مولانا کے فضل و کمال، حسن اخلاق، استقامت، جرات اور حق گوئی و صداقت شکاری پر دلالت کرتے ہیں۔ لسان الملک حضرت رابع خیر آبادی مرحوم، نواب بشیر احمد فاروقی خیر آبادی مرحوم، صلی اللہ علیہ وسلم مرحوم رئیس خیر آباد، منشی نذر محمد عباس اختر مرحوم، مولوی محمد فاروق نیر مرحوم، مولوی تعمیر احمد فاروقی، مفتی سید فخر الحسن، مولانا حکیم احمد علی، حکیم سید انوار حسین اور مولوی حکیم فخر الحق وغیرہم راوی ہیں کہ مولانا نے ہر نفاست پسند اور نازک مزاج تھے۔ بڑے دبدبہ والے اور باوقار تھے۔ جو کوئی ٹٹنے مہاتا تو اضعاف سے پیش آتے۔ اوقات مقررہ کے علاوہ ٹٹنے کی اجازت نہ تھی۔ علمی دربار میں بدو سے لباس کے ساتھ رونق افروز ہوتے۔ اہل مجلس پر چھائے رہتے۔ کوئی شر و فعل نہ کر سکتا تھا۔ چچ کر بات کرنا ممنوع تھا۔ نشست گاہ پر مسند اور نگینہ لگا رہتا۔ اور گردن قالین بچھے رہتے۔ باہر سے آنیوالے مولانا کے دربار کو امیر کی مجلس سمجھتے۔ دن میں دو تین بار لباس تبدیل فرماتے جس کمرہ میں نشست ہوئی ہر روز واہ پر جوتا دکھا رہتا جس طرف سے کمرے سے باہر ہوتے اور پہننے کے لئے پانچس رکھی ہوتی۔ لباس عمدہ اور اعلیٰ قسم کا زیب تن فرماتے۔ عبا بھی استعمال کرتے۔ بکھڑکے دکھاناروں کو تشریف آوری خیر آباد کا حال معلوم ہو جاتا تو یہی کپاس میل کا سفر طے کر کے اچھی چیزیں لاتے اور منہ مانگے دام پاتے۔

مولانا ملازمین کی چالاکیوں سے کما حقہ واقف ہوتے ہوئے بھی تمباہل سے کام لیتے اور اکثر و بیشتر چشم پوشی فرماتے۔ دوسروں پر اس کا انداز اس انداز میں فرماتے کہ حقیقت ظاہر ہونے

پر بھی ناگوار نہ گذرے۔

مولانا کو ایسا عارضہ لاحق ہو گیا کہ بنگلوں کا شور بہ استعمال کرایا گیا۔ اس نے بنگلوں کے ساتھ بنگے بھی ہائے گئے تھے۔ بشری بھی خدائیں رہتی تھیں۔ کئی دن تک دسترخوان پر بیٹری نہ دیکھی تو درخت کیا۔ شہزادی عازم نے جواب دیا کہ بنگلوں کے ساتھ عمارت کو بند کر دی جاتی تھیں وہ کھا گئے۔ خاموشی اختیار فرمائی مگر جو آیا اس سے ذکر کیا کہ ہماری بیٹری بنگے کھا گئے۔ فرزندِ سعید مولانا اسد الحق سے بھی یہ ذکر آیا۔ وہ کہنے لگے ابا جان! یہ کارستانی شہزادی کی ہے۔ خود کھا گیا، بنگلوں کے سرخوہ یا مولانا نے منہ پھر لیا اور کئی روز بات نہ کی۔ کئی دن کے بعد مغزو تقصیر کے لئے دست بستہ آنکھڑے ہوئے تو فرمایا میں تم سے میں نادان سمجھا ہے۔ شہزادی! صاحب کا پروردہ ہے ہم کیسے اس کو چہرہ بندتے یہ تو تمہارا ہی جگر تھا کہ بزرگوں کے دیکھنے والے کے لئے ایسے الفاظ استعمال کر بیٹھے۔ میں اگر اس نے کھایا بھی تو ہم نے اتنا فیض تو کر لیا کہ وہ خود نام نہان نظر آتا ہے۔ زبان سے کہنے کی گمانزدہ سے بڑوں کے لئے ہے ادبی کے الفاظ آئندہ استعمال نہ کئے جائیں۔

لکھنؤ کے ایک دکاندار مولانا کے لئے الوانیں لے کر آئے۔ مولانا نے ایک الوان اتنی قیمت کی پسند فرمائی۔ قلعان طلب کیا۔ کچھ رقم کی کمی تھی۔ دکاندار سے کہا تم جاؤ ہم روپیہ بھیج کر الوان منگالیں گے۔ طلب یہ حال دیکھ رہے تھے۔ انھیں میں سے حافظ محمد حسن خاں تھے جو کراچی (از مضافات) آگرہ کے زمیندار کے محل کے تھے۔ یہ ذہین ہونے کے ساتھ مولانا کے منہ لگے بھی تھے۔ تا جبر جب چلنے لگا تو یہ اس کے ہمراہ ہوئے اور باہر جا کر اس الوان کو چالیس روپیے میں خرید لائے۔ بعد اصر جب مولانا موقعِ افروغ مجلس ہوئے تو الوان لا کر نذر کی۔ ساتھ ہی یہ بھی عرض کر دیا کہ حسنو! چالیس میں خریدی ہے۔ آپ نے اسے الٹ پلٹ کر دیکھا اور اٹھا کر پھینک دیا۔ فرمایا یہ وہ تھوڑی سی بات ہے۔ یہ دقت ہم کو اہم سمجھتا ہے اور خود بڑا قلعند کا بچہ بنا ہے۔ ہم گڑ کھواتے اور یہ اس کی گڑ کاٹ لے۔ یہ کہہ کر دوبار سے نکال دیا۔

پریشان ہو کر مولانا کے پرانے خدمتگار شہزادی کے پاس پہنچے، کچھ رقم دینے کا وعدہ کر کے اسے سفارش پر آمادہ کیا۔ وہ اٹھا اور الوان کو درست کر کے دہلی پر پلٹ کر ادرمل کے محل میں ہانڈ کر حاضر خدمت ہوا، عرض کیا حسنو! حافظ جی سے وہ الوان واپس کرا کے اور چالیس روپیہ مزید دیکر

پسند کردہ الوان لے آیا۔ مولانا نے الوان دیکھ کر فرمایا۔ حافظ جی! دیکھو کتنا فرق ہے یہ دکا نہ دار ہمارا نام
سن کر آتے ہیں۔ منہ مانگے دام نہ پائیں تو کوئی کاسہ کو آئے۔ لوگوں میں یہ چرچا تو ہے کہ نوایوں
کی مانند ایک بورنیشن تھائے مکتبی ایسا ہے کہ امر اس کی طرح دل رکھتا ہے۔

نفاست پسندی کا یہ عالم تھا کہ ایک روز نوکر سے والا آم لے کر حاضر ہوا۔ آم بہت عذوق تھے
مگر آپ نے دور سے دیکھ کر ہی واپس کر دیا۔ کسی طالب علم نے آم والے سے کہا ان آموں
کو دھو کر کپڑے سے پونچھنے کے بعد چھوٹی ٹوکری میں رکھ کر کسی دوسرے وقت حاضر خدمت ہو
چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا۔ منہ مانگی قیمت دیکر سب آم لے لئے گئے اور ہوائے جانے والے
سے اس کے سلیقہ کی تعریف کی۔

ایکبار کئی مجلس میں صبر و ضبط کو پہنچا کر دیا۔ مولانا کی طبع نازک پر یہ لفظ ساز گراں گذر کر فوراً محض برضا
کی اور کئی وقت تک اس کا اثر رہا۔

حضرت الاستاذ مولانا حسین الدین ناجی مرحوم کا بیان ہے کہ مولانا ٹونک میں اپنی قیام گاہ کے
بالاخانہ پر قشرین فرماتے تھے۔ مگر ہر ایک ہیل گذر جس کے سینکٹ بڑے اور بے ٹکے تھے۔ اسے
دیکھ کر طبیعت میں تکدر پیدا ہوا اور فوراً ملازم سمان درست کرنے کو کہا۔ ہر چند تمام عقیدتمندوں
نے روکنا چاہا لیکن نہ رکے۔ فرمایا جس جگہ ایسے ہیل رہتے ہوں وہاں عباد الحق کیسے رہ سکتے ہیں۔
جرات کا عالم یہ تھا کہ ایک قتل کے سلسلے میں آپ کے شاگرد بریڈ شید مولانا حکیم برکات احمد

ٹونکی پر لازم لگا دیا گیا۔ وہ مولانا کے پاس تھے کہ کو تو ال راہ پور وارنٹ لے کر حاضر ہو گیا۔ واقعہ معلوم
ہونے پر کو تو ال کے ساتھ نواب کی بھی خوب خبر لی کہ اسے بھی ساتھ لے کر آتا جب مزاحمت ہوتا
کہ طالب علم پر یہ جرات کیسے کی جاتی ہے۔ کو تو ال طیش میں بھرا ہوا نواب کے پاس پہنچا اور سارے
الفاظ دہرا دیئے۔ نواب مولانا کے ناز بردار اور قدر دان تھے۔ اس لئے کو تو ال پر ناراض ہوئے مولانا
نے میری توہین نہیں کی بلکہ تو نے کی۔ تو ایسے شخص کے پاس کیوں پہنچا جو نواب کو بھی برا بھلا
کہہ سکتا ہے۔ اس توہین کا صرف تو ذمہ دار ہے۔

مولانا کی تصانیف داخل درس بھی ہیں اکثر چھپ گئی ہیں۔ حاشیہ تفسیری مبارک، حاشیہ
غلام بھٹی، حاشیہ حمد راشد، حاشیہ میرزا ہدایو رباعی، شرح بابۃ الحکمتہ، شرح مسلم الثبوت، شرح کاف

تسبیل الکافیہ بشرح مسلسل الکلام، جو ابرنایہ۔ رسالہ تحقیق قارئین مشہور تصنیفات میں تسبیل الکافیہ اور شرح ہدایۃ الحکمتہ داخل نصاب میں۔ مولانا کی تحریر کا کمال یہ ہے کہ شرح نو متن سے اس طرح مانتے ہیں کہ ذرا تسبیل بیان میں فرق نہیں آتا اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ خود شارح ہی مانتے ہیں کہ متن و شرح نہیں ہے بلکہ مسلسل کتاب ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے مولانا ابو الکلام آزاد عربی، فارسی اور اردو کے اشعار کا سبھا اپنے مضامین و خطوط میں چپا کر تھپیلے جاتے ہیں یہ محسوس ہونا مشکل ہے کہ عبارت شعر کے لئے لکھی گئی تھی یا شعر اس عبارت کے لئے کہنے والے نے کہہ دیا تھا۔ مولانا نے اردو میں زبدۃ الحکمت بھی تحریر فرمائی جسے مولوی امداد حسین کے ذریعہ شائع کیا گیا تھا اب نمایاں ہے۔

اس سے مولانا کی اردو دوانی اور ادبیت کا اندازہ بھی ہوتا ہے۔ یہ کتاب تو میر سے سانسے نہیں ہے جس کا حوالہ دیکھ کر کچھ بتا سکتا العبتہ امیر المغناات پر مولانا نے جو تقریظ تحریر فرمائی تھی اسے تاریخ نثر اردو ترجمہ مولانا احسن مارہروی مرحوم سے نقل کرتا ہوں جس سے ۶۰ سال پہلے کی زبان اور مولانا کا حسن بیان دونوں کا پتہ چل جائے گا۔ ساتھ ہی یہ بھی محسوس ہو سکے گا کہ یہ معلوم قدیم کے ماہر و متبحر علماء، موم و فنون میں کتنا درک رکھتے تھے اور شے کی حقیقت و گڑبگ کیسے پہنچے ہوئے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ کسی اردو لغت پر تقریظ نہیں ہو رہی ہے بلکہ کسی مسئلہ فلسفہ و حکمت کو حل کیا جا رہا ہے۔

”ہر زبان جو مافی الضمیر کی ترجمان ہے اپنے خصوصیات میں ضرور امتیاز رکھتی ہے اگرچہ وہی مفردات، وہی مرکبات، وہی کلمات، وہی تشبیلیں، وہی مقام استعمال، وہی شئیں، وہی مقولے ہیں جو لغات میں مستعمل ہیں لیکن خصوصیات لسانی کا بتانا نہایت مشکل اور کٹر لاغیل ہے۔ یہ مسلم ہے کہ لغت کا موضوع لفظ مفرد ہے مفردات کے، صلی مادے کی جستجو، اشتراک لفظی یا معنوی حقیقت یا مجاز کا بتانا اس کے عوارض ذاتی اور محل بحث میں لیکن اس کے موضوع کو اگر مختلف لفظوں سے محفوظ ہو کر ہر خاص و عام کی زبان پر آتا ہے، اس طور پر محفوظ رکھنا کہ خاص زبان اور اس کے الفاظ اور کلمات لغات افراطی و گمانی سے الگ ہو کر کتاب میں یا بحث

کے مقامات ان عوارض سے الگ ہوں جو عوارض ذاتی یا نوع عوارض ذاتی سے جدا اور عوارض غریبہ میں داخل یا اس کے عین میں کوئی آسان امر نہیں۔ کبھی کبھی اس علوم موضوعیت کے علاوہ خاص خاص وہ پہلو بھی مجھوت عنہ ہو جاتے ہیں جو خاص ایک زبان سے مشتق اور دوسری زبان کے موضوع یا عنوان موضوع کے خلاف ہوتے ہیں مثلاً بعض جملے جو ہیئت ترکیبی کی وجہ سے مفردات کے کل میں اور مفردات اس کے جز ہیں، بظاہر موضوع کی نوعیت اور شخصیت سے الگ اور جدا ہوتے ہیں جس سے یہ شبہ ہو تا ہے کہ کیوں یہ فعل بحث اور موضوعیت میں داخل ہیں۔ لیکن اس مقام پر یہ سمجھنا ضرور ہے کہ مفردات جن کو عام طور پر لوگوں مفردات جانتے ہیں ان سے یہ مفردات عام میں مثلاً "زید" مفرد ہے اور "زید آیا" مفرد نہیں لیکن ان مفردات پر غور کرنے والوں یا موضوعیت کی نگاہ رکھنے والوں کو اس "زید آیا" کو اس وقت میں ضرور بحث مفردات میں داخل کرنا ہو گا جس وقت بصورت مقولہ یا مثل ظاہر ہو جس کا خاص مثلاً یہ ہے کہ مقولے اور امثال بھی اپنے خاص معنی کے لحاظ سے مثل مفردات کے ہیں۔ اسی لئے مطلق زبان کی خصوصیت جو اس کے اجزائے مادی یا ترکیبی سے پیدا ہو ملاحظہ رکھنا لغت کا مقصد اعلیٰ اور غایت قصویٰ ہے۔

راقم کو اس وقت لغت کے پورے مقاصد کا بتانا، اس کے موضوع یا تعریفات سے بحث کرنا منظور نہیں ہے بلکہ اس وقت صرف یہ بتانا اور ظاہر کر دینا ہے کہ امیر اللغات "نے کہاں تک اپنے مقاصد اور اغراض کے پورا کرنے میں کامیابی حاصل کی ہے اور اس کے مصنف نے کہاں تک اس نیت میں اہل غرض کا خیال رکھا ہے؟ امیر اللغات کا اگرچہ اسی ایک ہی حصہ نکلا جس میں لعب محدود ہے لیکن ان اغراض پر نظر کرنے کے بعد جو لغت کے اہم مسائل ہیں اور امیر اللغات میں تحقیق کے ساتھ لکھے گئے ہیں، یہ گنا ضروری ہے کہ یہ لغت اپنی مہمیت کے لحاظ سے ایک نمونہ ہے جس نے مصنف کی تدقیق نظر اور کتب کی مہمیت مسائل کو اس طور پر ظاہر کر دیا ہے جس کو ملک اور قوم فخر اور مباہات کی نظر سے اگر دیکھے تو زیبا ہے اور مجھے معلوم ہوتا ہے

کہ ملک نے اس کو قدر کی نگاہ سے دیکھا ہے۔ اور دولغات کے اشتراک و منفوعات جو اعلیٰ سے اعلیٰ لغت نویس کی نگاہ سے کوسوں دور اور غنی رہ سکتے تھے، ایک لغت کے معنوں کا انتہائی استہساں ایک فرقہ متبعی نظر سے بھی حاصل نہیں ہو سکتا تھا، مغفوات کی تحقیق و مرکبات کی تدقیق جو خصوصیات کے لحاظ سے مغفوات میں داخل ہیں کسی شان سے زبان کی گئی ہے کہ اردو زبان بھی اس تصنیف کو دیکھتے ایک علمی زبان معلوم ہوتی ہے۔ اس کتاب کی عظمت اس شخص پر خوب ظاہر ہو سکتی ہے جس نے کبھی اس قسم کی دماغ سازی کی ہو۔

ہر چند امیر لغات کے مصنف (مولوی منشی میر احمد مینائی مرحوم) کی استاد ی فنی شاہی اور قابلیت علمی مسلم الثبوت ہے لیکن یہ کتاب میری رائے میں اس عام اور خیالی تسلیم کے لئے برہان قوی ہے اور ہندوستان کو ضرور مایہ فخر ہے۔ دعا کرتا ہوں کہ اہل کمال اس کتاب کی پوری قدر کریں اور مصنف اس کو جیسا کہ چاہئے اور جیسا پہلا حصہ ہے اس سے عمدہ حالت پر پورا کر سکے کہ اردو زبان سے محتاجی اور عدم استقلال کا الزام دفع ہو اور یہ عمدہ یادگار زمانے میں رہ جائے۔

محمد عبد الحق اعروی فیروز آبادی عاملہ اشد بطنہ العادی فی العزائم المبارک

۳۰۹ مطابق ۱۸۹۲ء

مولانا کی یہی تجربہ علمی اور تمام صنایع علم پر قدرت تامہ تھا، دوسرے فضل و کمال کا لوہا سنوئے ہوئے تھی۔ وقت کا بڑے سے بڑا عالم مولانا کے گھر خیر اور تعریف کو اپنے لئے سنبھالتا تھا، استاد اعلیٰ مولانا مفتی محمد طیف اللہ علیگڑھی کے دوس میں ایک بار تشریف لے گئے، مفتی صاحب نے حسب عادت درس بند کر کے مرقہ جو کہ پڑائی فرمائی، مزاج پر سی وغیرہ دینی مراتب گفتگو کے بعد، فاضل خیر آبادی نے فرمایا کہ طبع کا وقت بہت عزیز ہے حرج زفر مائیے۔ قاضی مبارک کا دوس ہونے لگا، مولانا منستے رہے، ختم ہونے پر طبع سے کہا کہ تمہارے استاد کی تقریر ایسی ہے کہ اعتراض خود بخود دفع ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا اس کا نتیجہ تھا کہ جو کتاب بھی تصنیف فرماتے اس کی ایک نقل مفتی صاحب کے پاس بھی بھیجتے۔

لے دستہ اعلیٰ مظہر ۳ مکتوب صدر بادجگ بہادر

موصوف کے کتب خانہ میں شرح ہدایہ الکفر اور دوسری تصانیف علامہ کی منتقلی اب بھی موجود ہیں۔
 مولانا کی حیرت انگیز اور استغناء کے ثبوت کے لئے یہ واقعہ بھی کچھ کم اہم نہیں کہ مفضل حق کی ضبط شدہ
 جامدادی میں سے پندرہ سال کے بعد سب خطاب شمس العلماء کے ساتھ جب کچھ گاؤں واپس ہوئے
 تو خیر آباد کا باشندہ سنی یا علی علامہ کا لڑکا بن کر ان پر قابض ہو گیا اور کچھ دن بعد انہیں بیچ ڈالا۔ مولانا
 رامپور میں مقیم تھے۔ اعزہ و احباب کے اصرار کے باوجود اس جھگڑے میں پڑ کر عذر داری بلکہ گناہوار
 نہ کیا۔ شمس العلماء ہونے کے باوجود کبھی اسے باعث فخر نہ سمجھا، نہ اس کے ذریعہ کوئی عزت و وقار
 حاصل کرنے کی کوشش کی۔

والدہ ماجد کی عالیشان و سنگین محل مراٹھوں کے قبضے میں اپنی آنکھوں سے دیکھتے رہے مگر
 اس خطاب کو واسطہ بنا کر اس کے حصول کی سعی نہ فرمائی۔ کثیر و رامپور کے دونوں واقعات نے
 ثابت کر دیا کہ مولانا نے علم کی عزت و شان کو کیسا بلند و بالا رکھا تھا۔ پریشان حالی کے باوجود وطن
 رہائش میرانہ رکھا اور تھے بھی درحقیقت امیر بن امیر بن امیر بن عالم بن عالم بن عالم بن عالم۔
 مولانا کو بلا طلب گورنمنٹ برٹانیا نے ۱۸۸۷ء میں شمس العلماء کا خطاب بھی پیش کیا تھا۔
 فرمایا کرتے تھے باپ کو کالے پانی کیا اور بیٹے کی خطاب سے شک شوق کی۔ جو سند دی گئی
 تھی اس کی نقل درج کی جاتی ہے۔

Sanad

To,

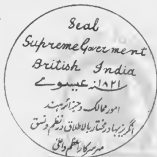
Maulvi Abdul Haque
 of Khair alad in Oudh
 I hereby Confer Upon
 you the title of Shamsul-

ulama as a personal
distinction

Dufferin
Viceroy & Governor
General of India

Fort William

The 16th February 1887



- مولانا نے دو شادیاں کیں۔ زوجہ اولیٰ بنت مولوی فضل الرحمن سے عائشہ بی بی زوجہ محمد حسین
بسن تھیں۔ زوجہ ثانیہ دختر جناب بد علی سے مولانا اسد الحق تھے جو دختر محمد حسین سے منسوب تھے۔
مولانا کے ہزاروں تلامذہ ہیں سے نامور شاگرد حسب ذیل ہیں۔ ان میں سے اول الذکر چارہ
وہ تھے جنہوں نے مولانا کے دربار علمی میں پیدا و سال سے لیکر بیس سال تک تعلیم میں مشرف
کئے ہیں اور اگر کا بہتر ہیں جیسے استاد کی نانہ برداری اور عقاب و غصہ کی برداشت میں گذار رہے۔
۱۔ مولانا عبد العزیز سہارنپوری
۲۔ مولانا نادر الدین
۳۔ مولانا مابد علی جوہر پوری
۴۔ مولانا حکیم برکات احمد بہاری ٹونگی
۵۔ مولانا محمد الحسن اسپوری
۶۔ صاحبزادہ مولوی میر محمد علیاں پانپوری

۱۔ علامہ سید علی ہجویری

۲۔ مولانا محمد طیب مکی

۳۔ خلف الرشید مولانا سید الحق خیر آبادی
۴۔ مولانا سید احمد بخاری والد مولوی حکیم محمد احمد خیری علی گڑھ

فرزند سید مولانا سید الحق کو فرمانروائے رامپور نے مولانا کی وفات کے کچھ دن بعد ہی سدسہ عالیہ اہویر کا پرنسپل مقرر کر دیا۔ موصوف نے اپنی قابلیت سے اس جگہ کو پر کیا اور دریائے فیض علی جاری فرمایا۔ افسوس یہ ہے کہ صرف ایک ہی سال اس عمدہ سہیلہ پر فائز رہے تھے کہ درجہ الاخر ۱۳۱۸ھ کو والد ماجد کی وفات کے پورے ڈھائی سال بعد اس سرائے کافی سے عالم جاودانی کی طرف دست فرمائی اور وہیں کثرہ علامہ حسین کھنوی میں سپرد خاک ہوئے۔ تالیفات میں رسالہ حمید رہ (فن منطق) یادگار ہے۔

اولاد میں مولوی حکیم ظفر الحق خیر آبادی باقیہ حیات ہیں۔ عزیز الحق اور بی بی رقیہ زوجہ حسن رضا سندھی جو بارہ مرتبہ خداوندی میں پہنچ چکے۔
مولانا سید الحق کی وفات پر حکیم عابد علی کو خیر آبادی مرحوم (والد مولانا حکیم احمد علی خیر آبادی) نے قطعہ تاریخ لکھا۔

حیف آن آفتاب فضل و کمال	دفعہ شہنشاہ بنیر زمیں
بود در فلسفہ و منطق فسر و	در اصول و فروع مہر میں
منتخب و مرثیت و فقہ و ادب	تاج قتل گنج دین مستین
در ریاضی و ہندسہ و حکمت	فاصلے در جہاں نبود جنین
ماہ تابان عز و محبہ و علا	مہر دشتان شوکت و تمکین
وائے در رامپور گشت خزاں	بارغ شاداب و سبز شرع دین
پس بمانہما بجاک بسپر ند	شد غروب آفتاب علم و یقین
اخت و اتم از مال خاک بسر	ابن و زرد چہ طول و نار و خیز
اقربا از فراق نادر زناں	دوستاں در غمش نگار و غمیں
مدرسہ از غمش خمیدہ پشت	طلبہ از طالع خاک نشین
کوثر زاد سال فوٹش گفت	علم اکمل مقیم غلبہ بریں

مولانا سید الحق کے ساتھ اس خاندان خیر آباد سے نسلی طور پر علم کا خاتمہ بھی ہو گیا۔ مولانا کے بعد
 نواب صاحب رامپور نے اپنے استاد جانی مولانا عبد العزیز سہارنپوری کو رامپور رکھا۔ مولوی حکیم ظفر الحق کو
 تقسیم کے لئے ان کے سپرد کیا۔ حکیم صاحب نے اپنی توجہ فن طب کی طرف مبذول رکھی اور اس خاندانی و
 ورثاتی علم کو خاص اہمیت نہ دی۔ رامپور کے بعد کچھ دن ٹونک بھی جا کر رہے۔ مولانا حکیم سید برکات احمد
 اور مولانا معین الدین اجیری سے بھی کچھ پڑھا۔ اواسط کتب تک پہنچے پر ٹونک کو خیر باد کہہ کر خیر آباد
 آ گئے۔

حکیم صاحب نے ایک شادی خاندان میں کی۔ ان مرحوم سے اولاد نہیں ہوئی۔ دوشادیاں
 نیکر فوس گئیں، دونوں سے اولاد ہے۔ کثرت اولاد اور ناسازگاری زمانہ کی وجہ سے پریشانی میں زندگی
 گذرتی ہے یہی وجہ ہے کہ اولاد نعمتِ ملت سے محروم ہے

ثَلَاثُ الْاِيَّامِ مَنَادُوا لِسَابِ الْمَنَاسِ

صلی اولاد سے علم کا خاتمہ ہوا تو کیا ہوا زومانی اولاد کے دریائے فیض سے ایک عالم سیراب
 ہو رہا ہے۔ یوں تو مذکورہ بالا تلامذہ میں ہر فرد اپنی نظیر آپ تمام گوسب سے زیادہ با فیض، نیک، پیر
 اور خوش صفات ہستی مولانا سید حکیم برکات احمد کی تھی۔



بِذَرُ الْفَيْضِ لَا مَوْلَانَا حَكِيم سَيِّدِ بَرَكَاتِ أَحْمَدِ لُونْکی

عادی فردی و اصول، جامع منقول و منقول، آیت کردگار، لیکنے روزگار مولانا حکیم سید برکات احمد ہماری لونی ۱۲۸۰ھ میں ٹونک میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد ماجد مولانا حکیم دکن علی حبیب خاص و رہا بہ ٹونک، مینگر ضلع چنہ (ہمارے) کے خاندانِ سادات کے گرامی فرد تھے۔ آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے عزیز اور بہار کے مشہور فاضل مولانا محمد حسن گیلانی سے حاصل کی موصوف کے تعارف کے لئے تحقیق طوسی کی انکیس کے پہلے مقالہ کی تصحیح توشیح کافی ہے۔ گیلانی سے کھنوا اور رامپور کے مدارس دیکھتے ہوئے تکمیل علم حدیث مولانا عالم علی مراد آبادی لکھنؤی سے کی۔ وہاں سے اجیر جوتے ہوئے فن طب کی تکمیل کے لئے ٹونک پہنچے۔ حبیب خاص والی ٹونک سے پڑھنا شروع کیا۔ عسرت آنتا کو پہنچی ہوئی تھی کہ ایک شیعہ سلطان الاولیاء خواجہ معین الدین رحیمی رحمتہ اللہ علیہ کی طرف سے بشارت ہوئی کہ:

”میاں سید گھوڑا نہیں خدا ساری مشکلات آسان کئے گا“

نواب محمد علی خاں کا زمانہ تھا۔ انہیں ولی عہد کے لئے ایک شریعت، عالم متقی اور حبیب اتایق کی ضرورت تھی۔ ایسی جبرہ نت موصوف ہستی سید میرنگی ہی کی ہو سکتی تھی چنانچہ صاحب خاص سے جب مشورہ کیا گیا تو سید صاحب ہی کو تجویز کیا گیا۔ اس طرح حضرت خواجہ بزرگ کی بشارت کے فورا بعد حمدہ اتایقی و سید پرغازر ہوئے اور ترقیوں کا دروازہ کھل گیا۔ جب ویعہد (حافظ ابراہیم خاں فاضل) تخت نشین ہوئے تو سید صاحب نہ صرف حبیب خاص بنے بلکہ وزیر علی کا درجہ بھی نصیب ہوا۔ خان کے خطاب سے بھی مرفوز ہوئے، جاگیریں لگاؤں بھی عطا ہوا۔

سید صاحب کی شادی ضلع مظفرنگر کے قصبہ چھلت کے اس شریف گھرانے میں ہوئی جس کا تعلق امام العلماء حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے تھا۔ انھیں بی بی صاحبہ سے سب سے پہلے دو نقاب علم بطور حوا جس نے ہند کاہل، بھارا، خواہا، کاشغور وغیرہ کے ذرا ت کو روش نمودار کر دیا اور جو آگے چل کر حقیقت میں برکات احمد ہی ثابت ہوا۔

ابتدائی تعلیم کے بعد سید صاحب نے اپنے ایک قدیم دوست اور صوبہ بہار کے مشہور عالم

مولانا طحطا علی و منجھو پوری کو صاف جزا دہ کی تعلیم کے لئے ٹونک بلا لیا۔ حمد اللہ تک درسیات موصوف ہی سے پڑھیں۔ مولانا محمد حسن ٹونکی سے ہدایہ پڑھی۔ استاد کی توجہ اور فانی صلاحیت کی بنا پر طلب علم کا حقیقی جوش و ولولہ پیدا ہوا اور اس کے لئے ٹونک کا دامن بھرا رنگ نظر آیا۔ باپ جو لائق فرزند کو مل بھر کے لئے آنکھوں سے دھیل کرنا گوارا نہ کرتے تھے اور اسی بنا پر ایک جیہ عالم کی خدمت حاصل کر رکھی تھیں، بیٹے کے اشتیاق کو دیکھ کر اطمینان العلم و لوکان بالصدیق کے مطابق اجازت شدہ حال پر مجبور ہوئے۔ ہندوستان کے طول و عرض کی طرف نگاہ اٹھی تو سب سے پہلی اسی محلہ درس پر نگاہ پڑی جو اس زمانے میں علوم عقلیہ کی مرکز و حیدر تھیں تو سب سے زیادہ ممتاز و نمایاں مروج تھا۔ شمس العلماء مولانا محمد عبدالحی خیر آبادی کا قیام خیر آباد کے بجائے نواب کلب علی خاں کی تاج و تاجدار کی بدولت رام پور تھا۔ حمد اللہ اور ہدایہ کا فارغ شدہ یہ طالب علم ایسا غوجی اور میران نعل جیسی ابتدائی کتابوں کے درجہ میں نئے سرے سے شریک کر دیا گیا۔

استاد کی خدمت میں شاگردوں نے ۱۵ سال گزارے، وہ بھی کن صبر آزمائیاں میں، یہ تازہ و نیاز کی حویل داستان ہے۔ اس دور میں افسانوں سے زیادہ اس کی حقیقت سمجھنا دشوار ہے۔

شرح ہدایہ المکتہ شروع ہوئی۔ ایک شوال میں اس کا پہلا سبق پڑھا اور سال آئندہ کے دوسرے شوال میں جا کر دوسرا سبق۔ اس ایک سال کی مدت میں کیا لائق شاگرد کو یہ جرأت ہوئی کہ استاد سے اپنے تفسیر اوقات کا گھر کر سکے اور بے اتفاقی کا شکوہ زبان پر لاسکے، جانتا تھا کہ کامل استاد کی ایک نظر کیا اثر سالوں کی کسر ایک دن میں نکال دے گی اور مدتوں کی مسافت گھٹنوں میں طے کرادے گی۔ یہ امتحان ہمیں ختم نہیں ہو جاتا ہے۔ اسی کتاب کا سبق جو رہا ہے۔ شاگرد عبارت پڑھ رہا ہے جب اس جملہ تفتحنی الرقۃ الیہ "پر پہنچتا ہے تو زبان سے ہال مشدو کے بھائے داؤ مشدو نکل جاتا ہے اور الرقۃ الیہ کو الرقۃ الیہ پڑھ دیتا ہے۔ ادھر یہ منظر مزے نکلا، ادھر کتاب دور پڑی ہوئی تھی استاد غصہ میں آئے سے ہا ہر تھے، جو جی میں آیا کہ رہے تھے، آخری کلمہ پھا کر "میرے درس سے ابھی اٹھ جاؤ، ایسے کم سوادوں کو میں قصداً نہیں پڑھا سکتا"

تعمیل مکمل ہوئی۔ کئی دن کی روپوشی کے ساتھ حاضری کی اجازت چاہی گئی، نفی میں جواب ملا۔ بڑی بڑی سفارشیں ہم پہنچائیں، سب بیکار ہوئیں۔ دو تین ماہ انتظار کے بعد بعد حسرت و یاس ٹونک

والپس ہانا چڑا۔

بار بار مہر آتے اور نئی نئی سفارشیں پہنچاتے لیکن ساری کوششیں لامعاصل ثابت ہوتیں۔
استاد کی بے نیازگیوں اور شاگرد کی نیاز مندگیوں کا یہ سلسلہ دو سال تک جاری رہا۔

پڑھی کہ کر خواہی از خیل بستاں جامی

چشماست مرا آخر غیر از تو کرا خواہم

حضرت الامام مولانا امیری مرحوم کا بیان ہے کہ جب مولانا ناراض ہو گئے اور رسائی کی کوئی تدبیر نظر نہ آئی تو درگاہ خواجہ میں شاگرد نے استاد کی خوشنودی اور معافی خطا کے لئے ایک چٹہ کیا جس میں صرف ایک خشک روٹی کھاتے تھے۔ چٹہ سے فارغ ہو کر قطعاً وقت حضرت مولانا فضل الرحمن گنج مراد آبادی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ موصوف نے دو روز قیام کا حکم دیا تب سے روز قریب مغرب گھر سے ہاتھ پکڑا کر بھیجا اور کہلا بھیجا کہ اب جاؤ۔

چنانچہ جب درو فراق کا مارا ہوا شاگرد خیر آباد پہنچا تو پتہ کی ریاضت اور ٹوٹا ہوا آبادی کی دعا و برکت سے کامیابی کی شکل نظر آئی۔ غلام یہ ہے کہ بالآخر مولانا کے خدمت گزار نے ایک شیش قرار رقم لینے کے بعد کچھ ایسے موقع سے سفارش کی کہ پورے دو سال کے بعد پھر علم کے اس دیوانہ خاں میں بار باری کا موقع ملا۔

علم کی وہ عزت کہ ایک فلسفی نے ایک ہونہار شاگرد کو دو سال کی محنت کا مستحق قرار دیا اور انسانوں پر وہ شفقت کہ ادنیٰ غلام کی اتنی پراسنی قدیم فحشگی زائل ہو جاتی ہے یہ مولانا عبدالحق کی شاہانہ اور فیرانہ طبیعت کے امتزاجی آثار کا عجیب و غریب نتیجہ تھا۔

اس سلسلے میں دو واقعے دلچسپی سے غالی نہ ہوں گے۔ نواب کھب علی خاں کسی کبھی مولانا سے مذاق بھی کر لیا کرتے تھے خصوصاً مولانا کی ذہانت اور حاضر جوابی سے لذت گیر ہونے کے لئے کوئی اس قسم کا واقعہ قصداً کر دیتے تھے کہ مولانا کی زبان سے ایسی باتیں بے اختیار نکلے لگیں۔ ایک دن موصوف نواب کے دسترخوان پر تھے۔ نواب نے غلام کو اشارہ کیا کہ ہڈیوں کو کسی رکابی میں جمع کر کے مولانا کے سامنے رکھ دو۔ رکابی سامنے آتے ہی یہ جملہ زبان پر جاری تھا :

”تم غالباً مستحق کو نہیں پہچانتے اس رکابی کو نواب کے سامنے رکھو“

نواب کے نام کا پہلا جز کتاب "گستاخا" اسی کی طرف لطیف اشارہ فرمایا گیا۔ نواب اس قسم کے لطافت کے منتظر رہتے تھے، اندامت میں ڈوبی ہوئی تھیں کرتے۔

امراء و روسا کے دربار میں جرأت کا یہ حال تھا لیکن غریبوں کے ساتھ مسامت و چشم پوشی کی یہ مدد تھی کہ ایک زمانے میں یہی لائق شاگرد مولانا کے باورچی خانہ کا حساب لکھا کرتے تھے ملازم حساب لکھانے میں گڑبڑ کرتے، ایک دن استاد کی خدمت میں باجراکھ سنایا کہ حساب میں ایک آد کے پان بھی لکھائے ہیں اور پنواڑی کے نام پر بھی ایک آد لکھا یا ہے، ارشاد ہوا۔ تم بڑے نادان ہو، حکمت کی بنیاد حیثیات و اعتبارات پر قائم ہے پان کی حیثیت سے اس نے ایک آد لیا اور پر حیثیت پنواڑی کے دوسرا آد، لولا الاعتبارات لم یطلت الحکمة

بٹیرس لکھا جانے پر اسی ملازم نے جب مولانا کو بگلوں کا بیڑی لکھا جانا باور کرایا تو ہر آنے جانے والے سے اس واقعہ کا ذکر کر کے فرماتے کہ فلاسفہ داخل کو محال سمجھتے ہیں لیکن میرے نوکر کا مشاہدہ ہے کہ بیڑی بگلوں میں کچھ اس طرح درائیں کہ بگلوں کا ہر جھم بڑھا داس کے چیز میں کچھ تبدیلی ہوئی۔

باغری کے ساتھ بے خبری کے یہ عجیب نظام میں جن کی مولانا کی ذات گرامی حامل تھی۔ ہر حال معاوند شاگرد نے پندرہ سال استاد کی خدمت میں اس طرح گزارے کہ جس کتاب حمدانہ کو گھر سے پڑھ کر آئے تھے جب وہاں تک کئی سال میں پہنچے تو ایک بار نہیں کئی بار سعادۂ قراءت سے پڑھا اور سنا۔ نہ صرف انصاف و کس نظام میرے بلکہ قدما کی کتابیں پڑھیں جن میں شمار ابن سینا، شرح اشارات طوسی، افق المین میر باقر داماد، حواشی دوانی، حواشی مرزا جان، خواصاری، مولفات قوشچی خاص طور پر قابل ذکر ہیں، خود مولانا کی تصانیف خارج از انصاف جو اہر ذالیہ وغیرہ بھی پڑھیں۔

تکمیل معقولات کے بعد استاد کی امہانت حاصل کر کے اپنے حقیقی خالواور خاندان دلی الہی کے ایک زیر مشورہ مکتبہ مستند محدث مولانا محمد ایوب پھٹی قاضی ریاست جھڑپ کی خدمت میں حصول علم حدیث نبوی کے لئے حاضر ہو گئے۔

ٹونگ کے طلبہ کی ایک جماعت بھی جن میں مولوی نصیر احمد، مولوی علیل الرحمن اور مولوی عبدالواحد

بھی تھے۔ اس نیربادی شاگرد اور ٹوکی استاد کے ساتھ بھوپال گئی۔ بھوپالی طلبہ بھی شریکِ درس
 ہوئے۔ بھوپال جانے والے تینوں طلبہ فاضل بن کر نکلے۔ ایک در فلیپ ٹونک کے صدر مدرس
 اور دوسرے محکمہ شرعیہ ٹونک کے مفتی اور تیسرے شیخ الفخار ہارنشاہید حیدر آباد بنے۔ ایک ماں
 سے زیادہ بھوپال میں رہ کر مہاجرت فرمائے ٹونک ہوئے۔

زمانہ طالب علمی میں اپنے والد ماجد اور حکیم رضی الدین دہلوی کے خاندان کے کسی فرد سے
 طب کی تکمیل بھی کر لی تھی۔ حکمت و طب دونوں اصطلاحوں کے لحاظ سے واقعہ حکیم تھے اور پرتب
 اتنا غالب رہا کہ بعد وفات بھی حکیم صاحب کی کے نام سے یاد کئے جاتے ہیں۔
 زمانہ طالب علمی ہی میں شادی بھی ہو گئی تھی اور دامپور کے کسی بزرگ سے بیعت بھی
 ہو گئے تھے۔

حکیم صاحب تحصیل علم سے فارغ ہوئے تو والد ماجد حکیم داکم علی کی عیادت میں بہار میں دیکھ
 چکی تھی، تولی مضبوط تھے، چاہتے تو قرائن الامزمت انجام دے سکتے تھے لیکن غلبہ تصوف کی وجہ
 سے ذکر و شغل اور عزت و گوشہ نشینی کی طرف طبیعت مائل تھی۔ نواب صاحب سے عہدہ کر کے
 جہاں اقبال فرزند کو اپنی جگہ مقرر کر دیا۔ مولانا حکیم بکات احمد چاہتے تو اپنے والد کے اثرات اور
 اپنی اہلیت و صلاحیت کی بنا پر جیسے سے بڑا عہدہ حاصل کر سکتے تھے لیکن کبھی مال و جاہ دنیا کی
 طرف توجہ نہ فرمائی۔ معالج خاص کے عہدہ ہی پر مدۃ العمر کتفا کی۔ دنیا سے بے تعلقی کا یہ عالم
 تھا کہ حضرت الامام مولانا معین الدین اجیری مرحوم فرماتے تھے کہ تمام عمر وہ پیر کے پیچھے
 شمار کر پائے۔ زندگی گھلا حصہ درس و افادہ تھا، دوسرے حصہ میں تالیف و تصنیف کا ذوق
 غالب ہوا، آخر عمر میں ہر چیز سے الگ ہو کر صرف اس مشغول میں ڈوب گئے جس کے لئے
 بنائے گئے تھے۔ کل عمر ۶۶ سال کی ہوئی۔ شروعیہ مدرسہ تھے پھر مصنف ہوئے اور آخر میں
 وہ ایک صوفی صافی و روش نیک اندیش تھے۔

بھوپال میں طلبہ کی ہر جماعت مستغیر ہو رہی تھی انہیں میں کچھ طالب علم ہمراہی میں ٹونک
 پہنچے۔ یہاں ہضنا بلو درس کا کٹناڑ ہوا۔ ابتداً آپ کے پاس کچھ مقامی اور بیرونی طلبہ کا اجتماع تھا،
 رفتہ رفتہ آپ کی درسی خدمت کا اعادہ کوئین جوئے لگا۔ ہندستان بلکہ عالم اسلام کے مدبّر پر غور و فکر

میں ایک نوبت تھی کہ ایک زمانے میں صبح پانچ بجے سے لے کر رات کے گیار بجے تک مسلسل سبق پڑھاتے رہتے تھے۔ طلبہ کی کثرت کو دیکھ کر ریاست نے ایک شکستہ مکان میں قلیل تنخواہ پر چند مدرسوں کو رکھ دیا۔ یہ مدرسین تھمتانی طلبہ کو درس دیتے تھے۔ والی ٹونک نواب محمد ابراہیم خاں فیض کے تخلص کی مناسبت سے اس مدرسہ کا نام مدرسہ غلیلیہ رکھا گیا جو خدا کے فضل سے اب تک اسی شان سے چل رہا ہے۔ اس وقت حکیم صاحب کے تمیز الہیہ مولوی مخدوم الحق بہاری اشاگرد علی ترمذی مولانا الحاج حسین الدین خان جھیری اور صدر مدرس ہیں۔ ابتدا میں اس مدرسہ کی دمت صرف ایک والہانہ ملک محدود تھی جس پر چھترپڑا صاحب میں درمی کا بھی نہیں صرف حاجی کا فرشتہ تھا اس میں حکیم صاحب کے پیشے کے لئے روٹی کا چھوٹا سا گدہ تھا۔ سلسلے لکڑی کی ایک تپائی پڑی رہتی تھی جس پر ایسا ٹوچی سے لے کر شفا ملک، قدوری سے لے کر دہائیہ تک اور شکوہ سے لے کر بخاری تک درس ہوتا تھا جس کے غلغلہ سے بخارا، مصر اور افغانستان وغیرہ کی علمی مجلسیں گونج اٹھتی تھیں۔ اس مدرسہ کے فارغین، ہندستان کے بڑے بڑے مدرسوں کے مدرس اور صدر مدرس ہوئے۔ جادا، مرعد کے کوہستانوں میں، کابل کی پہاڑیوں میں، بخارا کے مرغزاروں اور کوئٹہ، خیوہ، تاشقند کی مسجدوں میں مذہب کے لئے نظر آئیں گے۔

بیرونی طلبہ کے کھانے کے دو انتظام تھے۔ پہلی صورت یہ تھی کہ طلبہ کی ایک بڑی جماعت حکیم صاحب ہی کی ذاتی مہمان تھی۔ چار سو روپیہ ماہانہ تنخواہ ریاست سے ملتی تھی۔ جاگیر میں ایک گاؤں بھی تھا وقتاً فوقتاً سسٹل وغیرہ کے موقع پر ریاست خلیفہ رقم بھی پیش کرتی رہتی تھی۔ برسوں دیکھا گیا کہ میں پچیس آدمیوں کا کھانا ایک کرائے کے خانہ میں طالب علموں کے پاس آتا تھا۔ گھر میں کبھی ایک ماہر برہ کے مشکل سے کوئی خدمتگار رہتا تھا لیکن حکیم صاحب کی کراست تھی یا حکیم صاحب کی غیر معمولی محنت کہ تازہ تازہ گرم گرم چائیاں، بکری سے گوشت کا ساں صبح نہ بجے تک ہر کوئل جاتا تھا۔ اسی طرح شام کو مغرب کی نماز پڑھ کر تازہ کھانا کھایا جاتا تھا کچھ طلبہ حکیم صاحب کے علم دوست اصحاب کے مکان پر بعض مساجد شریعہ سے تھے۔ تقریبی جماعت مدرسہ سید سے وضع پاتی تھی۔

طلبہ پر ہر آٹھ ماہانہ مفت فرماتے تھے۔ درس و تدریس کی وقت پورا رعب و بدل رہتا تھا۔ عام مجلسوں میں نصف منگوت، سبب تعین سب کو خطابات سے بھی نواز جاتا تھا۔ ایک رضوی

فلسفہ و منطق کے متعلق فرماتے کہ ان کتابوں کی حیثیت ایسی ہے جیسے پہلوان مکدر و غیرہ ہلائے
 کر مقصد مکدر نہیں بلکہ پیچھے اور قوی مضبوط کرنا ہیں تاکہ اکھاڑہ میں کام آئیں۔ ان کتابوں سے بھی
 ذہنی قوتی کو مضبوط کرنا ہے تاکہ اسلام کی تائید میں مخالفین کی سرکوبی کی جائے۔ یہی مقصد پیش نظر تھا
 اسی کے ماتحت ایک روز خوش ہو کر فرمایا کہ میں نے اپنا دس چند نشتروں کی تیاری کے
 لئے قائم کیا تھا۔ سو الحمد للہ دو نشتر تو مجھے مل گئے۔ ان شاء اللہ ان سے بڑا کام لکھے گا۔

حکیم صاحب سے متعلق جو کچھ لکھا جا رہا ہے اس کا بڑا حصہ شہرہ آفاق شہید مولانا مناظر احسن
 گیلانی پروفیسر جامعہ عثمانیہ حیدرآباد کے ان مضامین سے ماخوذ ہے جو موصوف نے حکیم صاحب کے
 انتقال کے بعد نواب صدر یار جنگ بہادر مولانا محمد عبدالجبار علی خاں شردانی کی ہدایت پر ۱۳۴۷ھ مطابق
 ۱۹۲۹ء میں مسارف اعظم گڑھ کے مسلسل تین نمبروں میں لکھے تھے۔ موصوف نے ٹونک میں اٹھ سال
 گزار کر حکیم صاحب کے دربارے فیض میں شادی کی ہے۔ اس لئے اکثر و بیشتر واقعات و حالات چشمہ
 ہیں۔ کہیں کہیں حضرت الماسا ذمولا نا اجمیری اور دوسرے اکابر سے سنئے ہوئے حالات بھی ہیں
 نے درج کروئے ہیں۔ اب میں مولانا مناظر احسن کے قائم کردہ عنوانات کے ماتحت انہیں کی بہتر
 حسب موقعہ محذوف و اضافہ کے ساتھ درج کرتا ہوں۔

دورِ تالیف

تقریباً بیس سال تک مختلف علوم و فنون کی مسلسل تعلیم و درس کے بعد ادھر پہلے دس پندرہ سال
 سے حضرت نے اپنی توجہ درس سے زیادہ تصنیف و تالیف کی طرف پھیر دی تھی۔ ان کی کل کتابیں
 عربی زبان میں ہیں جن میں بعض تو چھوٹے چھوٹے رسائل ہیں اور مختلف مضامین اور سی کتابوں
 کے شکل مقامات کے حل سے متعلق ہیں۔ ایک ضخیم کتاب آپ نے الحجۃ البازغہ کے نام سے
 لکھی جس میں مابعد الطبیعیات کے چند اہم ابواب پر مجتہد انداز سے گفتگو فرمائی گئی ہے۔ نواب
 فضیلۃ جنگ مولانا انوار اللہ خاں مرحوم استاد حضوری نظام نے اس کو حکومت آصفیہ کی جانب سے
 شائع بھی کرا دیا ہے۔

ایک کتاب آپ نے فارسی سے عربی میں ترجمہ کی یہ مولانا بحر العلوم کی شرح سنار فارسی کا عربی
 ترجمہ ہے۔ کاش شائع ہو جاتی تو نصاب کے لئے بہترین کتاب ہے۔

آخر عمر میں آپ پر تصوف کا غلبہ ہو گیا اور چند اہم کتابیں اس موضوع پر لکھیں جو سب کی سب غیر مطبوع ہیں۔ آپ نے دیانند سرتی کے فلسفہ یا یہ اصول کی تردید میں بڑا بڑا اردو کچھ نوٹ کر لئے تھے جس کو باضابطہ مرتب کر کے صدقہ جاریہ طے روڈ آریہ کے نام سے حضرت کے خلع و شریف میں ملا کر حکیم محمد احمد نے شائع بھی کر دیا ہے۔ اردو میں اگر حضرت کی کوئی یادگار رہے تو یہی ہے۔ بعض نثری جزئیات کے متعلق چھوٹے چھوٹے رسائل بھی ہیں۔ ترمذی شریف کی ایک ضخیم شرح کا بھی آپ نے آغاز کیا تھا۔ بہر حال حدیث و تصوف کے سوا آپ کی تمام تالیفی کوششوں کا تعلق ایسے مسائل سے ہے جس کی ہلکے دم کے دور بعد یہ میں مشکل سے ہوگی۔

ایک رسالہ تاریخی غیر پراختیاد یا عدم اعتماد اور دوسرا نوٹوں کے ہندی کی طرح ہونے یا نہ ہونے پر بھی تصنیف فرمایا گیا ہے۔ اول الذکر رسالہ چھپ چکا ہے۔ دونوں میں دلائل و براہین میں کافی زور صرف کیا گیا ہے۔

مجاہدات و ریاضات

حضرت میں تقویٰ، انابت، اخلاص باللہ اور شوق نبوی کے جوہر ابتدا سے منور تھے لیکن ان میں کب و تاب اس وقت آئی جب علم و عقل سے آپ بالکل خشک کر بیٹھ گئے۔ یہ تو آپ کا ہمیشہ سے معمول تھا کہ رات کے تین بجے ساڑھے تین بجے اٹھ جاتے، تہجد کی نماز پڑھتے، پھر جہر کے ساتھ صبح تک ذکر کرتے۔ صبح کی نماز میں تو کسی مسجد میں باجماعت ادا کر کے ایک خاص منظر قابل دید اس کے بعد یہ ہوتا تھا کہ غانا کے بعد طلوع آفتاب تک مسلسل زور زور سے دونوں ہاتھوں کو اٹھا کر ادھیہ ناٹورہ کا ایک سلسلہ نہایت لمبائی سے شروع فرماتے تھے، مسجد سے اٹھ کر گھر آتے تھکے تیار رہتا تھا، صبح نماز پڑھ کر باغ فوارہ صاحب کو دیکھنے جاتے اور راستہ میں قرآن مجید اور دلائل الزیلت کے اوراد و ختم کرتے۔

آپ پر حج و زیارت کا شوق مسلط ہوا اور حجاز کے سوا شام و فلسطین اور مصر ہوتے ہوئے آپ ہر سال تانے اس کے بعد آپ کا رنگ بدلا ہوا تھا۔ فقر اور درویشیوں کے یوں تو ہمیشہ سے معتقد تھے لیکن اس کے بعد اس جماعت کی دامن آویزی کا جذبہ بہت تیز ہو گیا۔ اسی عرصہ میں ایک ضرورت سے حیدرآباد جانا ہوا۔ وہاں تلاش فقر میں آپ کی نگاہ ایک ایسے فقیر پر پڑی جو اپنی ظاہری شکل و صورت میں ایک معمولی سے آدمی تھے اور رسمی علوم میں بھی ان کا پایہ کچھ بلند نہ تھا لیکن فلسفہ و

منطق کا یہ منہنگ جب اس فقیر کے آستانہ پر حاضر ہوا تو پچاس سال کے سارے سرمایہ کو ان کے قدموں پر نثار کر دیا۔ ان کا نام حضرت کمال اللہ شاہ عرف پھل شاہ تھا۔ حضرت سے بعض لاجبوتی مساکین پر گفتگو ہوئی اس کے بعد حضرت اُبدیدہ تھے۔ اپنی گذشتہ محنت پر بچھاتے تھے تقریباً ایک ماہ تک حیدرآباد قیام رہا۔ وقت کا اکثر حصہ انھیں بزرگ کی چٹائی پر تھیلا نہ بسر کرتے تھے وہ کچھ کہتے جاتے اور جھٹکتے رہتے تھے۔

یہ بزرگ مدہاں کی جماعت صوفیہ کے ایک بڑے اصلاحی گروہ سے تعلق رکھتے تھے ان کے سلسلہ کے بزرگوں نے عربی فارسی میں ایک خاص قسم کا ذخیرہ مختلف کتابوں کی شکل میں مرتب کیا ہے۔ حضرت نے دھونڈو کر یہ کتابیں قلمی و مطبوعہ مرتب کیں اور شاہ صاحب سے اجازت لے کر مرہج فرمائے تو تک جوسے۔ آخر زندگی میں ان کا مشغلہ ان ہی کتابوں کا مطالعہ اور ان سے مطالب استنباط کر کے کئی کتابوں کی تدوین رہ گیا تھا۔ پھل شاہ صاحب نے ایک بار فرمایا کہ میں حکیم صاحب کو عالم مثال میں دیکھتا ہوں کہ ان کے سر پہ تلخ زرد رنگہ رہے اور وہ کسی منصب عالی پر سرفراز کئے گئے ہیں۔ یہ واقعہ حضرت پھل شاہ نے حکیم صاحب کی زندگی ہی میں بیان فرمایا تھا۔

سخاوت

حضرت کا سیدہ منایت وسیع اور چشم کشادہ تھی۔ طالب علموں کے ساتھ جو بہناؤ تھا معلوم ہو چکا اس کے سوا غریبوں، یتیموں اور دوسروں کے ساتھ مخفی طور پر آپ بہت سلوک فرماتے تھے خصوصاً اقرباء کے ساتھ آپ کا سلوک بالکل غیر معمولی تھا۔ تنخواہ کا ایک بڑا حصہ ہر مہینہ ان عزیزوں کو مشاہدوں میں تقسیم کر دیا جاتا تھا۔ اخیر میں عربوں کی مہمان نوازی کا جذبہ آپ پر بہت غالب ہو گیا تھا۔ محبت رسول کی آگ جوں جوں تیز ہوتی تھی۔ دیارِ محبوب کا ہر آنیوالا آپ کو بے چین کر دیتا تھا یہاں تک کہ اسی شوق کے پیش نظر آپ نے چند سال پہلے عربوں کے لئے ایک مستقل ملے اپنے مصارف سے تبرک کرائی تھی اور اس کا نام رباط رکھا تھا جس میں ہر قسم کے آرام کا سامان آپ کی طرف سے تھا۔ تو تک میں جو عرب آتا خصوصاً اگر مدینہ کا ہوتا تو اس کے سامنے معمولی خادم کی حیثیت سے اپنے کو پیش کرتے خود دیتے، امر اسے لاتے اور نواب متا

سے کچھ نہ کچھ وصول کر کے ان عربوں کو دلوانا اپنے اوپر لازم کر لیا تھا۔ حیدر آباد اور دوسری ریاستوں کو اپنے اپنے تعلقات و اثرات کی بنا پر عربوں کی سفارش کے خطوط تحریر فرماتے۔ بہر حال آپ کی اخلاقی صفات میں جو دو بخشش کی صفت آپ میں بہت نمایاں تھی۔

سادگی اور وارفتگی و استغراق

لباس اور سواری وغیرہ میں آپ بالکل سادہ تھے۔ معمولی لباس زیب تن فرماتے مزاج میں وارفتگی حد سے گذری ہوئی تھی۔ درگاہ میں کبھی کبھی الٹا پا جامہ پہن کر تشریف لے آتے۔ پان کھانے کی عادت بہت زیادہ تھی۔ کپڑے اور سامنے رکھی جوتی کتاب میں منہ سے چھالیاں اڑا کر خراب کر دیتیں۔ آپ کی وارفتگی کے قصے بہت مشہور ہیں۔ ایسا بھی اکثر دیکھا گیا کہ سربانی یا حیدر آبادی رومال کے بجائے کندھے پر پچھ کا سنالپ ڈال کر باہر چلے آئے۔ ایک دن حمام کے بجائے پا جامہ سر سے باندھ کر دربار میں پہنچ گئے۔ نواب صاحب کے ٹوکے پر متوجہ ہوئے۔ یہ بھی بسا اوقات ہوتا کہ کسی نے فیس دی، رومال جو کندھے پر اکٹھا ڈالے رہتے تھے اس کے کونے میں باندھ دی لیکن اس طرح کہ رومال میں گرہ لگ گئی مگر روپیہ باہر ہی رہا، جس کا جی چاہتا ہے لیتا۔ کوئی دیا نندار ہوتا تو پیش کر دیتا۔ علمی انہماک اور فکری استغراق ہمیشہ قسم کے معقرات امور میں ایسے افعال کا صادر ہونا نا درشیں ہے۔

قیامت

مزاج میں حرص کا شائبہ مطلقاً نہ تھا۔ مہاراجہ اندور نے مختلف ذرائع سے آپ پر زور دیا۔ بارہ سو مشاہیرہ دنیا منظور کیا اس کے سوا الگھی دھسے کے لیکن آنکھ اٹھا کر نہ دیکھا۔ ان باتوں کا اثر نواب صاحب پر بہت پڑتا تھا۔ خود فرمایا کرتے تھے کہ نواب یہ خیال کرتے ہیں کہ میں ان کو چھوڑ دوں گا حالانکہ ان کا یہ عجیب خیال ہے۔ حیدر آباد و دکن کسی ضرورت سے جانے گئے تو نواب صاحب پیٹ کر کہنے لگے کہ مولوی برکات احمد صاحب! جانے کو تو جانتے ہو لیکن مجھے دھچھوڑ دینا، بھائی ٹونک سے تو تم مجھے دفن کر کے ہی جانا۔ کیا معلوم تھا کہ معاذ بالکس ہونے والا ہے۔ انہوں نے اپنا وعدہ پورا کر دیا۔

ٹونک ہی میں ایک واقعہ آپ کی مالی آزمائش کا پیش آیا تھا۔ اس وقت چاہتے تو

چھ لاکھ روپے جائز طریقہ پر آپ کو مل جاتے لیکن بعض لوگوں کی مردت سے آپ نے اس روپیہ کو بھی طرح ٹھکرا دیا۔

جدال و مناظرہ سے نفرت

بے نظیر منطقی اور فلسفی ہونے کے باوجود آپ جدال و مناظرہ سے متنفر تھے کبھی کسی سے زبانی مناظرہ نہیں فرمایا۔ دیکھیں رامپور کو اب حامد علی خاں کے بار بار طلب فرمانے پر مرنے لگے۔ مولوی عبدالوہاب بہاری سے کچھ مکالمہ ہوا اور بس ! اس مناظرہ کی کیفیت حضرت الاستاذ مولانا اجیری نے اپنے رسالہ ”چهارتا زیانہ قنار“ میں تفصیل سے لکھی ہے اور ان فنی مسکوں کو بھی تحریر فرمایا ہے جن پر گفتگو ہوئی تھی۔ بعض عقلی اور چند مذہبی جزئیات پر آپ میں اور آپ کے بعض معاصرین استاد الاستاذہ مولانا فضل حق رامپوری مرحوم پرنسپل مدر عالیہ رامپور اور شمس العلماء مولانا عبداللہ ٹوکی وغیرہ میں ٹوک جھوک رہی۔ نیز بعض مسائل دیوبندیہ کے متعلق آپ نے کبھی کبھی کچھ لکھا۔

سر سٹو برس کی عمر میں چند شاذ مشا لیں ہیں اور یہ بھی کسی خاص وقتی جوش یا ہیجان کا نتیجہ تھا وہ واقعہ یہ ہے کہ اس قسم کی چھوٹی باتوں سے اللہ نے آپ کو بہت ارفع و اعلىٰ پیدا کیا تھا۔

تلامذہ

وسط ایشیا، ترکستان کے شہروں خصوصاً بخارا، تاشقند وغیرہ سے لے کر بنگال کے آخری حدود تک تقریباً ہر بڑے شہر میں آپ کا کوئی نہ کوئی شاگرد منور و نظر آئے گا اور اچھی حالت میں نظر آئے گا۔ ہر وہ ہندو آپ کے پاس طلبہ خاص کر اس لئے زیادہ آتے تھے کہ علاوہ درس نظامیہ کے آپ خصوصیت کے ساتھ ابن سینا، طوسی، قوشچی، درانی، خوانساری، میر تقی میر وغیرہم کی کتابیں پڑھاتے تھے جو اس زمانے میں ہندستان ہی میں نہیں بلکہ شاید دنیا سے اسلام بھی اس انداز میں نہیں پڑھائی جاتی تھیں۔ ماوراء النہر کے طلبہ میں ان مصنفین کی کتابیں پڑھنے کا خاص شوق تھا۔

علمائے ہند میں مولانا معین الدین اجیری، مولانا فیصل الرحمن ٹوکی، مولانا نصیر احمد بھٹائی،

مولانا عبدالرحمن چشتی حیدر آبادی، مولانا اشرف ملتان، مولانا عبدالسبحان بہاری، مولانا مقبول احمد
 درجہنگوی، مولانا محمود سندھی، مولانا عبید اللہ الاصم بہاری، مولانا عبدالحمید ترمذی، مولانا محمد نصیر
 مبارکپوری، مولانا عبدالقادر بدایونی، مولانا فضل کریم بہاری، مولانا احمد کریم بہاری، مولانا عبدالواسع
 مولانا منظر حسن گیلانی وغیرہم حضرات خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ان میں اکثر ہندستان کے مرکزی مدارس
 کے صدر مدرس یا مدرس رہے ہیں۔ اسلامی علوم کے علاوہ علمی میں وقعت و عزت کی نگاہ سے دیکھے
 جاتے رہے ہیں۔ ان تمام حضرات کا دریائے فیض پور سے شان کے ساتھ ہوتا رہا۔ ان میں سے
 اب جو باقی رہ گئے ہیں ان سے اجیر بہار، حیدر آباد وغیرہ کی مسند درس و افتاء رونق پاری ہے
 ایک عالم دریائے علم کی ان نہروں سے سیراب ہوتا رہا اور اب بھی بالواسطہ یا بلاواسطہ سیراب
 ہو رہا ہے۔

اہل و عیال

حضرت کی پہلی شادی میرنگہ (آبائی وطن) میں ہوئی تھی۔ کچھ ہی دنوں کے بعد ان کا انتقال
 ہو گیا۔ ان سے کوئی اولاد نہیں ہے۔ اس کے بعد بہار ہی کے ایک بزرگ مولانا عبد الرحمن
 ساکن پتر پٹنہ منگی کی صاحبزادی سے آپ کا دوسرا نکاح ہوا۔ حضرت کی یہ بیوی صاحبہ حقیقت
 یہ کہے ان گرامی قدر خواتین اسلام میں سے تھیں جنہوں نے اپنے کو علم و دین کی خدمت میں
 اپنے شوہر کا دست راست ثابت کیا تھا۔ بیوی صاحبہ نے حضرت کے تمام علمی مہمانوں کی خاطر
 مدارات میں صرف ان کے قیام و طعام کا تیس بیس برس تک انتظام کیا بلکہ سچ یہ ہے کہ
 انہوں نے ان بچوں کو مہربان ماں کی طرح پالا۔ اس میں ذرا بھی مبالغہ نہیں ہے کہ بعض دفعہ
 انہیں غریب الدار طلبہ کے مصارف کے سلسلے میں اپنے زورِ خفیہ طور پر فرخت کوٹنے پڑتے
 تھے۔ غلبہ کی کسی ناز برداری کرتی تھیں اس قدر سے اندازہ ہو سکے گا :-

مولوی حکیم ظفر الحق خیر آبادی کو حکیم صاحب تسلیم کے لئے ٹوٹکے لے گئے۔ یہ استاد کے
 پوتے تھے اور دو دماغ عالی کے تنہا چشم و چراغ، ان پر حکیم صاحب کی توجہ و مہربانی سب سے
 سوا ہونا ہی چاہئے تھی۔ موصوف کے حصے میں بھی خاندانی جہاں کافی آیا ہوا ہے اور وہ زمانہ تو
 شہزادگی اور صاحبزادگی کا تھا ہی۔ بسا اوقات ایسا ہوا کہ صاحبزادہ کو کھانا ناپسند ہوا یا دیرینہ چاہا

محمد سعید انصاری صاحب نے اس صاحبزادے کو دیکھ کر فرمایا کہ تمہارے بچے تھے۔ محمد مولوی منی خان

تو آپ نے سالن کی رکابی اٹھا کر باہر سے چوٹی میں پھینک دی اور جو کچھ جی میں آیا کہہ سنایا۔ لیکن اس نیکبخت بیوی صاحبہ نے کبھی شکایت کا ایک حرف زبان پر لانا نہ سمجھا اور ہر طرح معذرت و خوشامد سے رضامند کرنے کی کوشش کی۔

موصوف جب اپنی زبان سے اس قسم کے واقعات سنا تے ہیں تو ان فرشتہ خصلت انسانوں کے تذکرہ پر آبدیدہ ہو جاتے ہیں۔

یہ واقعہ ہے کہ اگر یومی صاحبہ ہوتیں تو شاید برکاتی سلسلے کے ان علمبرداروں کو علمی آبادیوں میں نہیں پایا جاسکتا تھا۔ آپ ہی حضرت کے غلبہ رشید مولانا حکیم محمد احمد مرحوم کی والدہ ماجدہ تھیں اور محمد میاں کے سوا کوئی دوسری نسلی نشانی موجود نہیں تھی لیکن جس کی علمی ذریت زمین کے کناروں تک پھیلی ہوئی ہو گی ہوا اگر ایک اکھڑتے بچے کے سوا اس نے اور کوئی اولاد نہیں چھوڑی۔

ازمدائے سخن شوق ندیم خوشتر

یادگار سے کہ دریں گنبدہ دقار بمباند

مولانا حکیم محمد احمد علما و منضبا، دینا و علما اپنے والد مرحوم کے سچے جانشین تھے۔ والد کے بعد والی ڈپٹک کے معالج خاص مقرر ہوئے اور موصوف کی جگہ درس و تدریس کی ہاگ آپ نے ہاتھ میں لی تھی کہ دو تین سال کے بعد والد ماجد کی خدمت گزاری کے لئے عالم آباد کی کو سدا رہ گئے۔ اور یہ حادثہ علمی بالکل اسی صورت سے واقع ہو گیا کہ حکیم صاحب کے اساتذہ شمس العلماء، مولانا عبدالحق خیر آبادی کو پیش آیا تھا۔ شمس العلماء کے دو سال بعد ہی آپ کے صحیح جانشین مولانا اسدالحق اعزہ و اقرار کو دلبرہ مفارقت دیکر نسلی سلسلہ علم کو منقطع کر گئے تھے۔ مولانا نسیم محمد احمد نے دو یادگاریں چھوڑی ہیں، مولوی محمد میاں اور مولوی صنویاں، دادا کے شاگرد مولانا محمد شریف صدر مدرس دارالعلوم معینہ عثمانیہ جیر شریف کی خدمت میں ہر کہ تحصیل علوم کر رہے ہیں اور بنو بٹیلوں کے استقامت بھی دے رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نہ صرف نسلی بلکہ علمی یادگار بھی ان دونوں کو بنائے لیکن مطہر دار و دار علمی مسائل بھی مرحوم کی یادگار سے ہیں انھیں میں سے احسن الکلام فیہا علم التاجام بھی ہے۔

سے صاحب رحمہ کمالی صاحب المصنفین، کراچی، حیدر آباد، مولوی محمد

وفات

سر سٹھ برس کی عمر کے بعد یکایک آپ مصیبت کی اس منزل پہنچ گئے جہاں انسان دنیا میں غروب ہو کر آخرت میں طلوع ہوتا ہے۔ حکیم صاحب کی وفات کے حالات کے متعلق مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے نجل سعید خلعت ارشد مولانا حکیم محمد احمد مرحوم کے اس مطبوعہ خط کو نقل کر دیا جائے جسے انہوں نے اظہار ہند کے تعزیت ناموں کے جواب میں شائع فرمایا کہ متعلقین کے پاس بھیجا تھا۔

جناب محترم السلام علیکم وعلیٰ اٰلہٖم من اتبعہم الدینی

انجناب کا تار و مکتوب گرامی پیرسلسلہ تعزیت و بر طلب حالات مفصل حالات و وفات والدہ امی سراج المذہب والدین حضرت مولانا بركات احمد صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ موجب منونیت و تسکین خاطر فقیر تحریر ہوا۔ جواباً انھیں ہے کہ حضرت علیہ الرحمۃ کو دو سال سے کچھ زیادہ عرصہ ہوتا ہے کہ ضعف عمدہ کی شکایت تھی۔ سال گذشتہ اسی حالت میں بے تابانہ و پردانہ وار زیارت سلطان دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم و حج ثانی کے لئے روانہ ہو گئے۔ چونکہ موسم نہایت تیز و تند تھا اور طبیعت پہلے ہی سے متحمل تھی اس لئے اسہال معدی میں زیادتی پیدا ہو گئی۔ سفر مبارک سے معاودت فرمانے کے بعد پراپر سلسلہ اسہال جاری رہا۔ غذا بھانے دو وقت کے ایک وقت ہو گئی۔ ریاضت کی کثرت، درس و تدریس کی پوری محویت، تصنیف و تالیف میں کامل انہماک کا نتیجہ یہ ہوا کہ ضعف یونانیو نا برضا گیا اور مرض الموت کی ابتدا۔ یوم علیہ العطر ۱۳۴۶ھ سے اس طرح شروع ہوئی کہ شدت سے دفعۃً بخار ہو گیا اور کامل تئیس روز تک مفارقت نہ ہوا۔ اور پھر درم جگر اور سوا القفس پر کمر نوبت باستفسار رسید۔ امراض کا اس طرح هجوم تھا مگر وہاں صحت جسمانی کی طرف تغافل اور بے توجہی کا وہی عالم تھا جو ہمیشہ رہا اور جس سے صحت کو بالآخر اس خیر درجہ کو پہنچا دیا۔ تکالیف کے اخفا کی اس طرح کوشش جاری تھی۔ ذکر شغل جس سے دم، پاس انفاس، کا سلسلہ برابر جاری تھا۔ اسی وجہ سے دوسرے قوی الدہن بھی ہوئی

ماہ صفر کے اخیر عشرہ میں مرض کی انتہائی شدت ڈبل نمونیہ کی صورت میں ظاہر ہوئی جس کی کمزور جسمانی تاب دلا سکی اور آفتاب فضل و کمال مغرور جمیع الاول، ۳۴ھ کو شب کے ۳ بجے غروب ہو گیا۔ انا لله وانا الیہ راجعون۔

وما کان قیس هنکہ خلعت واحد

ولکنہ بنیان قوم قصد ما

وفات شریفہ سے ایک شب پہلے وصیت فرمائی کہ :

”میرے مدثر اور رباط کا پوری طرح خیال رکھنا، درس و تدریس کا

سلسلہ پوری قوت کے ساتھ قائم رکھنا۔ میرے والد ماجد حضرت

مولانا عظیم داکم علی صاحب بہاری رحمۃ اللہ علیہ کا عرس خزانہ باری

رکھنا، میرے فاتحہ کا بہت خیال رکھنا۔“

دو معلومات کا لپ پانچ ماہ قائم رہا مگر ایک روز بھی مشفقہ علی ترک نہ ہوا۔ جمعہ کے

روز حضرت کی زندگی کا اخیر دن اور یوم الرحل تھا۔ میں جمعہ کی نماز سے واپس ہوا تو

”الشرف فی حقیقۃ التصوف“ کے مطالعہ میں مستغرق تھے۔ انہیں ایام عیادت میں

تین عین علمی تصانیف فرمائیں جن کا اختتام زندگی کے لمحات کے اختتام کے ساتھ

ہوا ہے اور جن کو حضرت علیہ الرحمۃ کے معلومات کا شجرہ سمجھنا چاہئے اور جن میں

اقتناع فیذی البنی صلی اللہ علیہ وسلم و امتناع کذب الواجب جل مجدہ کو ایسے قوی تراور

روشن دلائل و حجج ساطعہ اور براہین قاطعہ سے ثابت کیا گیا ہے کہ حضرت رحمۃ اللہ

علیہ جیسا امام وقت ہی کر سکتا تھا۔ اور قیسری کتاب تصوف کے مسائل مشککہ کے حل

میں بہترین کتاب ہے۔ ان برس کتب کی تصانیف شروع مرض میں اس امر سے

مطلع ہونے کے بعد کہ اب دنیا سے کوہج ہے، شروع کی گئی اور وفات

بالا تر ہے۔ کترین نے ایک ہفتہ بعد (یعنی ٹھیک اس روز سے جب اعلیٰ حضرت
 سکرا عالی وقار دام مکلم واقباہم نے تشریف ارزانی فرما کر
 رحمہ تعزیت ادا فرمائی اور فرمایا کہ اب فرائض منصبی یعنی معالجہ سرکاری و عبادت جنتوی
 انہام دو امور مدرسہ کا کام شروع کرو، سب کام شروع کر دے ہیں، علی اللہ التوکل
 و بہ الاتقسام۔ سرکاری معالجہ کی خدمت اگرچہ باقاعدہ مع تنخواہ چھ ماہ روپیہ
 جاگیر موضع ٹھکریہ اپریل ۱۹۲۶ء سے میرے نام منتقل ہو چکی ہے۔ میں ذمہ دارانہ
 حیثیت سے کام کر رہا ہوں۔ نیز مدرس کا سلسلہ باقاعدہ ۱۳۲۵ھ سے حضرت
 رحمۃ اللہ علیہ کے ایما سے جاری کر رکھا تھا مگر حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی موجودگی
 کی وجہ سے عیب بے ٹکری واستغناء تھا اور فرائض مستحب کا درجہ رکھتے تھے۔
 اب فرائض فرائض ہیں۔ خدا کے فضل سے دارالعلوم کے کل طلبہ پورے جوش و
 مصروفیت کے ساتھ تعلیم حاصل کر رہے ہیں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے بعد مجھ پنا
 تدریسی نظام الاوقات بدل دینا پڑا۔ اپنے اکثر اسباق ماتحت مدرسین کے پاس
 منتقل کرنا پڑے تاکہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے متعلقہ اسباق اپنے ذمہ لے سکیں
 چنانچہ میں نے ایسا کیا۔ نیز میں نے حضرت مصروف کے بعد مولانا عبد الرحمن
 چشتی اشگر و شید حضرت رحمۃ اللہ علیہ و مدرس مدرسہ فقہی دہلی کو اپنا اسٹنٹ
 کر کے بلا لیا ہے اور وہ بھی مصروف تدریس میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے تلمیذ اعظم
 حضرت مولانا تفسیر احمد صاحب مدظلہ خصوصیت کے ساتھ درس تفسیر حدیث میں
 مصروف ہیں مجھے امید ہے کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا فیض علمی انشاء اللہ ہمیشہ
 اسی طرح جاری رہے گا اور آپ اس کے نئے اوقات مخصوصہ میں دعا فرمائیں گے
 حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی یادگار میں ایک مسجد اور پناہ کا بھی سنگ بنیاد رکھا گیا ہے
 امید ہے کہ آپ حسب مراسم قدیم کارلائقہ و خیریت مزاج سے یاد فرماتے رہیں گے
 حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ کی غیر مطبوعہ تصانیف کا سلسلہ اشاعت عنقریب شروع
 کیا جاوے گا اور انشاء اللہ جناب کے لئے اس کے مطالعہ کا موقع ہوگا۔ فقط

نیازمند

کسرتین ابرو الحسنات محمد احمد الشاشی معالج خصوصی فرما نوازے ٹونک
ناظم اعلیٰ و صد المدبر سیرج ارا العلوم نظامیہ غلیلیہ ٹونک (راجستان)

علامۃ السنہ مولانا معین الدین الاجیری

۲۵ صفر ۱۲۹۹ھ ————— ۱۰ محرم ۱۳۵۹ھ

الہجر العظام والہجر القمقام، اللوہی القیامۃ، والتطبیق التکلیفۃ، علامۃ السنہ حضرت الاستاذ
مولانا الحاج معین الدین الاجیری رحمۃ اللہ علیہ کی وفات حسرت آیات کے بعد ہندوستان کے
مشہور فاضل علامہ سید سلیمان ندوی نے معارف عظم گدھ لبدیل ۱۹۴۰ء میں تقریبی مضمون سپرد
قلم فرمایا تھا پہلے وہ نقل کرتا ہوں اس کے بعد اپنی معلومات و مشاہدات کا کچھ حصہ مختصر طور پر
پیش کرنے کی سعادت حاصل کروں گا۔

۱۰ محرم الحرام ۱۳۵۹ھ میں ماشورہ کے دن علم و عمل بفضل و کمال، مہابد و
استقامت، اور تقویٰ و طہارت کی ایک ایسی سند خالی ہوئی جو غائبہ صمد و راز
نک خالی رہے گی، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اس سے ہماری مراد حضرت مولانا معین الدین الاجیری رحمۃ اللہ علیہ کا سانحہ
احتمال ہے ایہ مادہ محض مولانا کے اہل خاندان یا مسلمانانِ اجیریہ کے لئے نہیں
ہے بلکہ سارا اسلامی ہند اس سے متاثر اور اپنی کم نصیبی پر نوحہ کرتا ہے۔

وما کان قیس ملک ہذاک واحد

ولکنہ بنیان قوم قصدا

مولانا ایک نو مسلم گھرانے میں پیدا ہوئے تھے۔ والد ماجد مولانا عبدالرحمن صاحب
مرحوم بلیا کے رنجولے نو مسلم راجپوت تھے اور والدہ بھی داخل اسلام ہوئی تھیں

علوم میں ایسا شروع ہو گیا کہ جس کی نظیر کم دیکھی گئی ہے۔ اس وقت سے درسِ تدریس کا سلسلہ جاری ہو گیا۔ ہندستان اور ہندستان سے باہر ملج بھنڈرا، پمیں، اخٹانستان اور دوسرے ممالک سے طلبہ جوق در جوق آنا شروع ہو گئے۔ اسی زمانہ میں ایک خاص واقعہ نے آپ کی شہرت کو چار چاند لگا دیئے۔ واقعہ یہ ہے کہ مولانا عبدالحق صاحب صاحب تفسیر حقانی کے زیرِ مہتمم آریوں سے ایک مناظرہ ترتیب پایا تھا۔ آریوں کی طرف سے ہندو و اشاعتِ مذہبی بحث کر رہے تھے۔ مسلمانوں کی طرف سے بھی بڑے بڑے مناظر گنگوکر رہے تھے۔ تین دن سے سلسلہ جاری تھا جب مولانا کی باری آئی تو آپ نے روح، مادہ، پریش کی قدامت کے سلسلے میں شد و قدم کی طویل بحث کو اس خوبی سے بیان فرمایا کہ صرف ۷ منٹ میں ہندو بحث جی جواب ہو گئے اور موافق و مخالفت آپ کے تجربہ علمی کے قائل ہو گئے۔

اسی قسم کا ایک مکالمہ نیز پائس فراب ماسٹری خاں مرحوم والی داپور کی تحریک پر مولانا عبدالحق صاحب صاحب منطقی بیماری مرحوم سے ایک خاص علمی مسکن پر ہوا تھا جس کا نتیجہ بصورتِ کتاب شائع ہو چکا ہے۔

ڈھائی سال مدرسہ نعمانیہ لاہور میں صدر مدرس رہنے کے بعد ۱۳۲۶ھ میں اجمیر کو شرفِ سکونت بخشا اور ۱۳۲۸ھ میں مدرسہ معین الحق قائم کیا۔ سرکارِ نظام جب اجمیر تشریف لائے اور حضرت مولانا کے درس میں مسلسل چھ وقت شریک ہوئے تو اس قدر متاثر ہوئے کہ غفلتِ شاہانہ سے سرفراز فرمایا اور مولانا الفواران صاحب جہاز اللہ عیسیٰ کی تحریک پر مدرسہ معین الحق کو معینیہ عثمانیہ قرار دیکر ساڑھے بارہ سو روپیہ ماہانہ اس کے لئے جاری فرمادیا۔ مولانا اس مدرسہ کے صدر مدرس ہوئے اور پندرہ سال تک یہاں درس دیا۔ ۱۳۳۰ھ میں کارپورازان مدرسہ اور مولانا میں اختلاف ہوا۔

چنانچہ انہوں نے استعفا دیکر محرم ۱۳۳۸ھ میں دارالعلوم حنفیہ صوفیہ کے نام سے ایک دوسرے مدرسہ قائم فرمایا اور ۱۳ سال تک اس مدرسہ کے طلبہ کو اپنے فیوضِ علمی عمل سے سرفراز فرمایا۔ یہ مدرسہ اب تک قائم ہے اور شہر کے غریب مسلمان اسکو

چلا رہے ہیں۔ دارالعلوم معینیہ عثمانیہ سے علیحدگی کے باوجود اس کے اراکین، مدرسین، طلبہ اور دیگر متعلقین سے تعلقات خوشگوار رہے۔ ۱۳۵۱ھ میں مدرسہ کے اراکین حضرت مولانا کو پہلے اپنے یہاں واپس لائے لیکن سیاسی اختلافات کے نتیجہ کے طور پر ۱۲ مارچ ۱۹۳۹ء مطابق ۱۳۵۸ھ کو حکم سرکار نظام دارالعلوم معینیہ عثمانیہ سے آپ الگ ہو گئے۔ لیکن اس علیحدگی کے بعد بھی ملحقہ مدرسہ پوری آب و تاب کے ساتھ قائم رہا۔

اس زمانہ مدرسہ تدریس میں دوسرے علمی مشاغل بھی جاری رہے چنانچہ مولانا نے تصانیف کا ایک معتد بہ ذخیرہ چھوڑا ہے جس کا اکثر حصہ بھی طبع نہیں ہو سکا ہے۔ مثلاً ترمذی شریف کا ایک ناقص حاشیہ، وجود علم و معلوم، کلی طبی اور مسند دہرہ مشکل اور جامع تقریریں، حضرت خواجہ غریب نواز کی محققانہ سوانح عمری وغیرہ۔ یہ چیزیں انشاء اللہ جب اہل علم کے سامنے آئیں گی۔ اس وقت ان کو معلوم ہوگا کہ کاجیر کے اس پوریہ انشیں کی نگاہ تحقیق کتنی بلند تھی۔

آخری زمانے میں درگاہِ اہل کی اصلاح کے متعلق جو فتوے مولانا نے مرتب فرمایا تھا وہ اس قدر جامع اور موثر تھا کہ ایک طرف تو ہندستان اور جرمن کے علمائے اس کی تائید کی اور دوسری طرف میلان سبیل نے اس بل کے ان تمام نقائص کو دور کیا جن کا شریعت اسلام سے تصادم ہوتا تھا۔

یہ تھی مولانا کی علمی زندگی! علمی زندگی کا یہ حال تھا کہ اجیر میں صد ہا بدعات کا فائدہ کیا۔ اسلامی نقطہ نظر سے ملک کی صحیح رہنمائی میں باوجود چند در چند مشکلات کے کبھی مطلق کمی نہیں فرمائی۔

تحریرِ خلافت میں مذہبی کمٹو کے جرم میں دو سال کی قید و بند کو اس پامردی اور عالی مرتبتی سے برداشت کیا کہ علی برادران نے قدم چوم لئے جس زمانہ ابتلا میں مولانا گفایت اللہ صاحب صد جلیۃ العلماء اور مولانا احمد سعید صاحب نانظم

جسیتہ العلماء قید و نظر بندی کی تکلیفیں اٹھا رہے تھے۔ اس وقت تحریک کی رہنمائی کے لئے آپ پر مہنت و ملی تشریف لے جاتے اور جامع مسجد میں نماز جمعہ کے بعد مسائل حاضرہ پر تقریر فرماتے۔ جسیتہ العلماء کے اجلاس امر و ہر کی صدارت فرمائی اور مستقل نائب صدر رہے۔ صوبہ راجپوتانہ کی مجلس خلافت کو آپ کی صدارت کا ہمیشہ فخر حاصل رہا۔ تحریک کشمیر کے زمانہ میں مجلس احرار اسلام کے ڈکٹیٹر رہے۔ مسلمانوں کے سوا براہ ران وطن بھی آپ کی سیاسی بصیرت کے معرفت اور اس سے متاثر تھے۔

ان علمی اور سیاسی مشاغل کے ساتھ ساتھ سلوک اور تزکیہ باطن کی طرف بھی پوری توجہ تھی۔ مولانا کے والد شاہ عبدالرزاق صاحب فرنگی ملی سے بیعت تھے اور خود مولانا شاہ صاحب کے صاحبزادہ حضرت مولانا شاہ عبدالوہاب صاحب والدہ حضرت مولانا عبدالباری صاحب فرنگی ملی مرحوم سے بیعت تھے۔

استغفار، رجوع الی اللہ، توکل وغیرہ آپ کی طبیعت ثانیہ بن چکے تھے۔ بخوبی سال تو بڑے ہی صبر و استقامت اور متوکلانہ زندگی کے تھے۔ فرائض تعلیم و افتاء اور رشد و ہدایات کی ادائیگی کے بعد کبھی لوگوں میں بلا ضرورت نہ ٹھہرتے۔ ارباب دولت، اہل دنیا، خصوصاً امراء و حکام سے ہمیشہ بے تعلق رہے لیکن جب کوئی خدمت والا میں حاضر ہوتا تو اپنے قلب میں مولانا کے اخلاقی لاجملہ کا خاص اثر تیکر واپس جاتا۔

عبادت کا یہ حال تھا کہ فرائض کے سوا نوافل و مستحبات کے بھی ہمیشہ پابند رہے۔ تا دم واپس اپنے اوراد و اشغال میں فرق نہ آنے دیا۔ حق گوئی میں کسی بڑی سے بڑی حاکم سے بھی نہیں ڈرے۔ اسلاف کی سنت کے مطابق قید و بند کی مصیبت سے بھی دوچار ہوئے لیکن اس کو بھی ہنسی خوشی برداشت کیا اور ہمیشہ وہی کیا جو ایک مجاہد اور ربانی عالم کو کرنا چاہئے۔

ذات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت و شفقتی کا یہ عالم تھا کہ بخاری بیوہ میں جب یہ حدیث آئی کہ حضور کے مرض و وفات کی تکلیف دیکھ کر حضرت فاطمہ

رضی اللہ عنہا بے اختیار پکار اٹھیں "یا ابتاہ" ۱۶ سے میرے باپ! سرکارِ بدو عالم نے فرمایا لا اکرب علی ابیک بعد الیوم آج کے دن کے بعد تمہارے باپ پر مصیبت نہیں ہے، تو اس جملہ پر حضرت مولانا بیاب ہو جاتے۔ اُنسو ٹپکتے ہیں چھ نکل جاتی، لہذا اوقات غشی طاری ہو جاتی، مدرسہ میں دس دس دیتے وقت ہر مرتبہ یہ واقعہ پیش آیا ہے۔

طلبہ اور علماء سے بہت محبت فرماتے تھے۔ جو نادر طالب علم مولانا کا مرکزِ توجہ بن جاتا تھا۔ ہر سال موسمِ بہار میں طلبہ کا ایک تفریحی جلسہ جس کو اجیر کی اصطلاح میں "گولٹ" کہتے ہیں منعقد ہوتا۔ اس جلسہ میں ہر ملک کے طلبہ کے موجد کھیلوں کا مظاہرہ ہوتا تھا۔ مولانا طلبہ کی خاطر اس تفریحی اجتماع میں بھی شرکت فرماتے۔ بیت بازی ہوتی، اس میں ایک فریق کی طرف مولانا بھی ہوتے۔ آپ ہی کا فریق اکشر غالب رہتا۔ اس لئے کہ مولانا کو اردو و فارسی کے ہزار ہا اشار یاد تھے۔

یہ واقعہ حیرت کے ساتھ منا جاتے گا کہ ڈیڑھ سو روپیہ شاہرہ پاتے تھے لیکن تیس روپیہ ماہوار کے سوا باقی پوری رقم طلبہ، سامانِ تعلیم اور نادر کتب کی فراہمی پر صرف کر دیتے تھے۔ کتاب کتنی ہی قیمتی ہو لیکن امکان بھراس کو ضرور خریدتے اور خواہ دو گنی، سگنی قیمت ادا کر دیتی مگر بہتر سے خریدتے قسم اُن پاک بہتر سے بہتر جماعت کے مہیا فرماتے، گلہ کے بہترین کارخانہ میں بھیج کر اعلیٰ قسم کی جلدیں بندھواتے تھے۔

۵۔ محرم الحرام ۱۳۵۷ء کو ایسے بیمار ہوئے کہ آخر وقت تک پاؤں سے محذور رہے، دل و دماغ البتہ صحیح رہے اور اس حالت میں بھی سلسلہ درس و تدریس جاری رہا۔ وفات سے دس یوم پیش تک حدیث کے اسباق چوتھے بسپہ زندگی ہی میں عرصہ دراز سے گورنریاں کو اپنا مسکن بنا لیا تھا۔ احباب کے امر و نصیحتوں میں ایک مختصر مکان بن گیا تھا جس کی نکلیں دارالعلوم کی امن قہر سے ہوئی جو کبھی نے بطور اعتراف خدمات مولانا کو پیش کی تھیں۔ اسی مکان میں مولانا کا انتقال ہوا،

ہزار مسلمانوں نے جنازہ میں شرکت کی، جنازہ کی چار پائی میں لمبی لمبی میان ندھی لگئی تھیں۔ بیک وقت پچاسوں مسلمان کڑے جاتے تھے۔ پھر بھی ہجوم اور لوگوں کے اشتیاق کی کوئی حد نہ تھی۔ خواجہ اجیری کی درگاہ میں مسجد شامجانی کے زیر سایہ تدفین ہوئی۔ قبر میں اتارنے وقت درودیوار اور دختروں پر انسانوں کا ہجوم تھا۔ پیمانہ نگاہ میں دوپچھے (مولوی عبدالباقی صاحب اور ایک صاحبزادی) اور ایک بیوہ ہیں۔

اجیر کے قیام کی مدت ۳۴ سال اور کل مدت حیات ۶۰ سال ہے۔ یکسا عجیب اتفاق ہے کہ ٹھیک ماٹورہ محرم میں جب لوگ واقعہ کر بلا سے سو گوار تھے اس شہید علم و عمل نے دنیا سے کوچ کیا۔ اور اجیر میں اہل دل نے دوسرے محرم کا سوگ کیا ؟

میری باریابی و حاضری

علامہ سید سلیمان ندوی کی زبانی حنفیہ الاستاذ کی مختصر ۶۰ سالہ کہانی آپ سن چکے ہیں۔ میں نے چاہا تھا کہ فاضل اجیری کی وفات کے بعد معین اخبار اجیر کا کچھ عین الدین نمبر نکل جائے تاکہ زندگی کے ہر پہلو پر مختلف اہل قلم کو کشی ڈال سکیں۔ ادارہ معین پہلے ہی سے تیار تھا۔ میری گفتگو کے بعد اس نے نمبر نکالنے کا اعلان کر دیا۔ میں نے حضرت الاستاذ کے تلامذہ اور عقیدت مند اصحاب کو توجہ دلائی۔ اکثر نے کچھ نہ کچھ کہہ کر بھیجا۔ ہندستان کے مشہور شعرا نے قطعات تاریخ لکھے وہ بھی ایک جگہ جمع کئے۔ خود میں نے مفصل سوانح میری لکھی۔ جب سب مواد اکٹھا ہو گیا تو مرشد عین الدین پیشکار درگاہ معنی کے دجو اس وقت معین کے مہتمم خاص تھے، حوالہ کر دیا۔ اور ظاہر ہے کہ اجیر میں قیام کی وجہ فاضل اجیری سے استفادہ استفادہ تھا۔ اس کا سلسلہ ختم ہو چکا تھا۔ کچھ روز قریب فاتح خوانی کے بعد وطن واپس چلا آیا۔ میں نے ادارہ معین کو بار بار توجہ دلائی، دو ایک بار خود بھی ہا کر گفتگو کی لیکن وعدوں کے سوا کچھ ہاتھ نہ لگا۔ مجھ پر جو کہ جمع کردہ مواد کا مطالعہ کیا اور اس کا سلسلہ دوم تحریر جاری ہے لیکن ہر بار ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ دوم تیر خود جا کر یہیم تقاضے کئے مگر طرحت منت سماجت کی، مختلف دوستوں کو واسطہ بنایا لیکن لامحالہ حاصل نہ ہوا۔

پشیکار سعید الدین خدا جانے کیوں وہ مجروحہ دینے کو تیار نہیں حالانکہ ان کے شر اور دیار کے ایک فاضل روزگار کے کمالات علمی و عمل سے دنیا و شناس ہوتی جو ان کے لئے بھی باعث فخر و بڑا۔ اگر اس وقت وہ مواد پیش نظر ہوتا تو بعض اہم حصوں کا اور اضافہ ہو سکتا تھا۔

میں رجب ۱۳۵۲ء کے پہلے ہفتے میں سلسلہ عرس حضرت خواجہ بزرگ رحمۃ اللہ علیہ اجیر حاضر ہوا تھا۔ اس وقت خیر آباد میں ہدایہ، بیضاوی، میرزا بدر رسالہ وغیرہ بزرگ درس تھے۔ دارالعلوم مینین عثمانیہ کے دورہ حدیث کے طلبہ کے امتحان اور دستار بندی کے سلسلے میں حضرت میرزا احمد مولیٰ درگاہ و مستم دارالعلوم کے دو لکھہ پر مدار و مشائخ کا اجتماع تھا۔ میں بھی حاضر ہو گیا۔ سب سے پہلے میں حضرت استاد کی زیارت کا شرف حاصل ہوا۔ اس اجتماع اقبال میں علم و فضل کا یہ میل چمک رہا تھا، گفتگو میں سب پر چلیا ہوا تھا، ہر بات و نشیں ہوتی چلی جاتی تھی۔ جی نے اسی ڈیڑھ گھنٹہ کی درجہ گری کی ثنائی۔ دوسرے وقت در دوست پر حاضر ہو کر مددِ خاطر کیا۔ بڑی خندہ پیشانی سے شرف پذیرائی بخشا گیا۔ میں خیر آباد واپس پہنچا اور وہاں سے رخصت ہو کر مکان اور مکان سے ۴ شہان ۱۳۵۲ء مطابق یکم نومبر ۱۹۳۱ء کی صبح کو وارڈا جمیر ہوا، دو لکھہ پر پہنچ کر معلوم ہوا کہ ہسپتال میں صاحبِ فرش میں، ارنیٹھ پھوڑا گردن پر ٹکلا تھا جس کا آپریشن ہو چکا ہے۔ میں سید عا ہسپتال پہنچا۔ حضرت چار پائی پر استراحت فرماتے، ارگڑڈ ٹامڈہ اور تھیدہ تھندوں کا جھوم تھا۔ کچھ دیر بعد باریابی ہوئی۔ مسرت و شفقت کا اظہار فرماتے ہوئے وہیں قیام کا حکم دیا، تفرینا دو ہفتے وہاں رہ کر خدمت کی سعادت نصیب ہوئی۔

اس پھوڑے کی رگیں مغز و مانع تک پہنچ گئی تھیں چنانچہ آپریشن کے وقت آلات سے ایک ایک دگ کو نکال لایا اور یہ سن کر حیرت ہوئی کہ ادویہ، بیوشی وغیرہ کے بغیر آپریشن کرایا، فرماتے تھے کہ فلسفہ کا ایک مسئلہ سامنے رکھ دیا تھا اس کے حل کرنے میں منہمک ہو گیا اور اسکا پتہ بھی نہ چلا کہ گوشت کس سے اور کتنا کا مانگا جو لوگ موجود تھے وہ بھی حیرت زدہ تھے، یہ تھا علمی استغراق!

ہسپتال سے نکل کر کچھ دن کے لئے تبدیل آب و ہوا اور ضروریات دارالعلوم خفیہ صوفیہ کے پیش نظر احمد آباد کا سفر فرمایا۔ میں بھی ہر کام رہا، رمضان میں واپسی ہوئی۔ شوال میں

میرے بعد مدرس و رفیق عزیز مولوی سید نجم الحسن خیر آبادی کے پہنچ جانے پر سلسلہ مدرس شروع ہوا
 چنانچہ ۲۲ شوال ۱۳۵۴ء مطابق ۱۸ جنوری ۱۹۳۵ء شنبہ کو محمد اللہ، ہدایہ اولین، شرح ہدایۃ
 اور میرزا محمد سالار کے اسباق شروع کرائے گئے۔ ہم دونوں کو اپنے دوست کہہ رہی رہنے کا
 حکم دیا۔ اس وقت تارا گڑھ کے راستہ میں پہاڑی پر ایک مکان میں اہل دعیال کا قیام تھا
 خود حضرت شہسے دو میل دور گوبرگیاں کی ایک مسجد سے متصل حجرہ میں قیام فرماتے تھے۔
 وہیں حضرت کا کتب خانہ تھا، دو تین طلبہ بھی وہاں رہتے تھے جن کا کھانا پہاڑی سے تیار ہو کر
 وہیں پہنچتا تھا۔ صبح کی نماز اور تلاوت سے فارغ ہو کر دو میل چل کر دارالعلوم معینیہ عثمانیہ درگاہ معلی
 کی مسجد تدریس کو رونق دیتے۔ ۱۲ بجے تک سات آٹھ اسباق چڑھا کر ٹھیک دوپہر میں چارپانچ
 فلاںگ چڑھائی کی مسافت طے کر کے پہاڑی پر تشریف لاتے۔ کھانا تناول فرما کر کچھ دیر قیلولہ
 کر کے عصر کی نماز جماعت سے ہم لوگوں کے ساتھ ادا فرماتے اور ہمیں عصر تک چھاتے رہتے
 عصر کی نماز جماعت سے چھ کراپنے مستقر گوبرگیاں چلے جاتے۔ شب کو دو میں مطالعہ کتب
 فتویٰ نویسی اور دوسرے علمی مشغل میں مصروف رہتے۔ یہ معمولات جاڑے، گرمی اور برسات
 تینوں موسموں میں اسی التزام کے ساتھ پورے فرماتے۔ ان تین طلبہ کے ساتھ ہم دونوں کا
 کھانا بھی اندر ہی پکنا۔ ایک خبر رسالہ صاحبزادی اور بی بی صاحبہ کے سوا کوئی حازر نہ رہتی۔
 غلبہ کوشید مولوی عبدالباقی ملو جن کی عمر اس وقت چودہ پندرہ سال تھی کھانا لاکر مانڈ کھاتے
 اور اس کے بجائے کہ ہم خدمت کرتے انہی ہماری خدمت کرتے۔ اس پر بھی حضرت کا اسرار یہی
 تھا کہ ہمارے کھانے کا بار خود اٹھائیں، بڑی اتمہاؤں کے بعد یہ صورت گوارا فرمائی گئی کہ جتنے افراد
 کا کھانا پکاتا ہے اور جتنا اس پر صرف ہوتا ہے اسی حساب سے مصارف ادا کئے جائیں چنانچہ آخر
 تک یہی سلسلہ رہا۔ اہل دعیال کی تربیت اس طرح فرمائی تھی کہ بچوں کو کبھی اچھا کھانے اور اچھا
 پینے کی طرف راغب نہ دیکھا۔ باقی میاں سحر کے متعلق جب کبھی ہم لوگ توجہ دلاتے تو فرماتے
 کہ ان کو طالب علم بن کر رہنے دو۔ صاحبزادہ بنا کر رکھا گیا اور تم بھی کبھی کوئی میرے بعد اچھ
 آنکھ تو کوئی بات پوچھنے والا بھی نہ ملے گا۔

بیوی صاحبہ کا یہ عالم تھا کہ دونوں وقت اپنے ہاتھ سے کھانا تیار کر کے ہم پانچ طلبہ کو

اوقات مقررہ پڑھتیں۔ صبح کو ناشتہ نماز کے بعد ہی تیار کر دیتیں۔ مہینوں ایسا ہوا ہے کہ حضرت الانساؤ نے صبح کی نماز گونہریاں سے اکر دنگا کی اکبری مسجد میں پڑھی ہے اور ہم دونوں نے بھی پہاڑی سے اتر کر وہیں جا کر نماز ادا کی ہے۔ اس کے فوراً بعد عیاضوی یا کسی دوسری کتاب کا سبق شروع ہو گیا ہے۔ ان ایام میں ہمارے چھٹے سے پہلے جبکہ کافی اندھیرا ہوتا تھا ہمیں چار اور ناشتہ تیار ہو کر نادر سے آجاتا تھا۔ لانے والے باقی میاں ملے جوتے تھے۔ باقی میاں تنہا صابن دوتے تھے۔ ان سے پہلے دو بھائی سن شعور کو بچھڑکے عالم آخرت کو سدھار چکے تھے۔ اس پر باپ کے دربار میں طالب علم بیٹے کی یہ قدر تھی کہ معمولی کھدرا کا لباس استعمال کراتے اور کوئی موجودہ فیشن کی چیز نہ استعمال کرنے دیتے۔ ہم ہرونی کمرے میں تین سال سے زیادہ رہے۔ اس درمیان میں کبھی بیوی صاحبہ یا صاحبزادی صاحبہ کی آواز باہر سننے میں نہیں آئی حالانکہ صرف چند گز کا مشکل سے فاصلہ تھا۔

آپ کو سنکر حیرت ہوگی کہ زمانہ عداوت و زامی کیفیت میں بھی روٹ کی آواز نہ سنی جاسکی بلکہ اس شہید علم و عمل کی وفات اور دوائی جنازہ پر بھی جبکہ ہم تمام ملتہ بگوش اور اغزو و احباب امان صبراً تقہ سے چھوڑ چکے تھے وہ پیکر استقامت اور جانشین رسول کی تربیت یافتہ خواتین بدستور کوہ عزم و وقار بنی رہیں اور خدا شاہد ہے کہ گھر کے اندر بھی آواز نہ کرے کسی مرد نے نہ کسی۔ یہ قطعی صیح تعلیم اور کچی تربیت !

عزیزوں کے ساتھ حسن سلوک کا برتاؤ دیتا۔ میرے علم میں ہے کہ بعض غریب مرنے اکر اکر ہفتوں رہتے مکتے ایسے بھی تھے جن کی مستقل امداد کرتے تین ہشتہ گان میں سے دو بقیہ حیات تھیں جن میں سے ایک بیوہ اور ضرورت مند تھیں ان کی ہر ماہ مستقل طور پر خبر گیری فرماتے۔ یہ سب سے بڑی بہن تھیں ۲۹ ذیقعدہ ۱۳۵۶ھ مطابق یکم فروری ۱۹۳۸ء کو ان کا انتقال ہوا۔

دوستوں کے ساتھ جس انعام سے پیش آتے اس کی نیکر کم دیکھنے میں آتی بے دوستی تعلقہ فاروں، نوابوں، صاحبکاروں سے نہیں بلکہ غریب طبقہ کے افراد سے قطعی حکیم سید انصار الحسن خیر آبادی عرف سید میاں، بابو عبدالحکیم، مستری رمضان بخش اور حاجی عبدالستار۔ یہ چار مخصوص مخلصان با وفا اور محبان ہے رہا تھے۔ دوسرے تیسرے روزان کا حاضر خدمت ہوتا۔ دکھ درد میں

شریعت بنا، دو مشوروں پر عمل کرنا ان کے لئے لازمی تھا۔ مولانا کے قائم کردہ دارالعلوم خفیہ صوفیہ کا خوش اسلوبی سے چلانا اور اس کے لئے سرمایہ کا انتظام کرنا۔ انھیں حضرات کے سپرد تھا انہوں نے آخر وقت تک حق رفاقت ادا کیا۔ نذامی کیفیت میں جنگ کی پٹی سے جدا نہ ہوئے روح نے نفسِ انصری سے انھیں کے ہاتھوں پر پرواز کی۔ یہ تھا خلاص و محبت اور دوستوں کا حق رفاقت؛ لہٰذا رشتہ داروں سے بڑی محبت سے پیش آتے۔ آپ کا دو منزلہ عایشانِ آبائی مکان درگاہ کے بالکل متصل ہے اب براہِ بردشتار الملک حکیم نظام الدین کی قیام گاہ ہے۔ مولانا چونکہ شہر کے شہر و شہر کو ملی مشاغل کے لئے مضر سمجھتے تھے اور فطرۃً تنہائی پسند واقع ہوئے تھے اس لئے کرایہ کے مکان میں شہر کی چھپشوں سے دور پہاڑی پرسکونت پذیر ہو گئے تھے۔ براہِ زادہ حکیم نصیر الدین ندوی سے غیر معمولی محبت کرتے تھے اس لئے اپنا حصہ مکان ان کے نام کر دیا اور خود عمر بھر کرایہ کے مکان میں رہے۔ صرف آخری ایک سال اپنے معمولی تیار کردہ مکان میں شہر سے دو میل دور گورنریاں میں مع اہل و عیال گذارا۔

آپ کے دو علاقائی بھائی بھی تھے۔ ان دونوں کی پرورش و تربیت اولاد کے مثل کی۔ مولوی غازی بھی الدین اجیری عرفہ پیار سے میاں اور محمد میاں آپ ہی کے پاس رہے۔ آخر الذکر کا انتقال مولانا کے دو سال بعد مولانا ہی کے مکان پر ہوا۔ اول الذکر خلافتِ کمیٹی کے سیکریٹری بننے کی وجہ سے بھی چلے گئے تھے اور وہاں سے آنے پر متاثر ہونے کے بعد علیحدہ اقامت گزیرے ہو گئے۔ اچھے مقرر اور دانش پر داز ہیں، اجیری کی سیاست میں کافی ہاتھ رہتا ہے۔ درگاہ کمیٹی اجیری کے مجبر بھی ہیں۔

اعلا، کھٹا، اور اعلانِ حق میں بڑے جری تھے، حکومتِ ہند، برادرانِ وطن اور مفساق مسلمانان سے حرمتِ امورِ شرعیہ و ملیہ پر مقابلے رہے۔ احاطہ درگاہ میں فاحشہ عورتوں کا گانا ہوتا رنڈیوں کا اجتماع رہتا، مولانا نے اس کے خلاف علمِ جہاد بند کیا، مسلمانوں کی ایک دیندار جماعت کو ساتھ لے کر اذانِ عثمانی، دنیا دار اور عیش پرست طبقہ آڑے آیا۔ بالآخر حق کی فتح

ملے مولوی محمد شریف خلیفہ جامع مسجد بھیرور، مشرفِ دارِ علم نصیر آبادی اور مولوی سید غلام محمد عثمانی رئیس بیابان سے مولانا کو ملی خصوصیت تھی اور یہ تینوں حضرات بھی کونکے بھائی ہی رہے۔

ہونی اور جناب میرزا احمد متولی درگاہ معلیٰ نے یہ اعلان کر دیا کہ زمانہ فاحشہ بھی نقاب کے بغیر داخل اماطہ نہیں ہو سکتیں اور ان کا گانا وغیرہ سب بند کر دیا۔ میرے قیام اجیر کے زمانے میں ایک مرتبہ ماشورہ محرم جمعہ کو پڑا، عین جمعہ کی نماز کے وقت درگاہ کے متصل بازاروں میں نقاروں اور شور و شغب کا طوفان برپا ہوا۔ جمعہ کی نماز کے بعد خدا کا یہ شیر کھڑا ہوا اور جامع شاہجہانی میں تحفظ ناموس اسلام پالیسی مدلل و پرجوش تقریر کی کہ ہزار ہا مسلمانوں کا یہ اجتماع عظیم ناز و قطار رو رہا تھا، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ مولانا مہولہ جو سابق قوم کو یاد دل رہے ہیں عوام کے رجحان کے خلاف آواز اٹھانا بھی بڑا جرات دہ ہے۔

ایک مرتبہ شب کو ایک جلسہ میں شاہجہانی مسجد میں تقریر فرما رہے تھے کہ اطلاع ملی کہ وہاں سے سے متصل مومین مسلمان تاج دیکھنے میں مشغول ہیں کسی تقریب میں ایک مسلمان صاحب شہر نرڈی کا ناہج کر دیا تھا۔ تقریر سے فارغ ہو کر کچھ مسلمانوں کو لے کر چل پڑے۔ مولانا کو آتا دیکھ کر بعض مسلمان وہاں سے ٹل گئے، بعض اپنے مثل مثل تفریح میں غفلت انداز دیکھ کر آمادہ پیکار ہوئے۔ ایک بلند مقام پر پہنچ کر مولانا نے پیغام حق پہنچانا شروع کیا اس طرح وہ مجلس رقص و سرود محفل و عظ و نصیحت سے بدل گئی۔

اس معاملہ میں مولانا کسی بڑی سے بڑی شخصیت کے سامنے بھی نہیں چمکنے تھے۔ ۱۳۵۲ء میں جب حج کے لئے روانہ ہوئے تو آپ کو اسی جہاز پر جگہ ملی جس پر ملکہ دکن سفر کر رہی تھیں۔ نگران کار کے طور پر خطاب یافتہ ایک بڑے عہدیدار بدیاست ان کے ہمراہ تھے۔ ایک مجلس میں کسی نے مولانا کا تعارف نواب صاحب سے کرایا۔ مولانا کے علم و فضل اور بلند شخصیت کا انظار کرنے پر بھی نواب صاحب نے کوئی ٹھٹھکتاہٹ نہ دی لیکن جب مولانا کا اجیری ہونا معلوم ہوا تو بڑی تعظیم و تکریم کے ساتھ دست بوسی کی۔ مولانا کو ملال آیا تو گیا۔ ارشاد ہوا ہم نے ۱۳ برس حصول علم قرآن و حدیث میں آنکھیں پھوڑیں، اللہ و رسول کا علم دین حاصل کیا لیکن علم کثافت کا مستحق نہ بنے، صرف اجیری ہونا سب سے بڑی کرامت ہو گئی۔ اجیر میں تو کافر و فاسق کھٹ خنزیر بھی بستے ہیں، اگر صرف اجیری ہونا عزت کی نشانی ہے تو بد دین و کافر، کتا اور سور بھی قابل تعظیم ہوتے۔ نواب صاحب بڑے فہم و شہسار ہوئے۔

ایک دوسری مجلس میں یہی نواب صاحب پرانے نظام تعلیم پر تجربہ فرما رہے تھے اس کی فرسودگی پر دلائل پیش کر رہے تھے مولانا سے زہد کیا فرمایا کیا کریں ہم تو سی نظام تعلیم پر مجبور ہیں آپ کی بڑی مہربانی ہوگی۔ اگر تمام پرانی چیزیں بدلوا دیں۔ نماز، روزہ، حج، اور زکوٰۃ سب پرانی چیزیں ہو چکیں۔ جب تک یہ جاری رہیں گی۔ ہدایہ، شرح وقایہ اور قدوری وغیرہ کا درس بھی جاری رہے گا۔ آپ ان سب چیزوں کو بدل دیں ہم نیا نظام تعلیم خود بخود بنالیں گے۔ اسی طرح وہ نواب صاحب خاموش ہوئے۔

مولانا کا سیاسی مسلک تحریک خلافت سے لے کر خود وقت تک ایک ہی رہا، غیر ملکی حکومت کا خاتمہ اور استعلاص وطن کی جدوجہد میں تمام اقوام ہندوستان سے شریک عمل، مجلس احرار اسلام، جمعیتہ العلما ہند، آل انڈیا خلافت کمیٹی، انڈین نیشنل کانگریس، ہرنادادی پسند جماعت کے رکن رہے، صوبائی اور مرکزی صدر و ڈپٹی صدر رہے۔ آخر عمر میں جبکہ ۲۰ مارچ ۱۹۳۷ء مطابق ۱۷ جمادی الثانی ۱۳۵۶ھ کو دہلی میں مبتلا ہو کر پاؤں سے معذور رہی ہو چکے تھے اور اس معذوری کے باوجود سیاسی سرگرمیاں حسب کستور جاری بھی تھیں، حریفان حرص و آذ اور خواہشمندین اقتدار نے آخری حربہ استعمال کیا۔ ایک دہلی مرناساز جنت کی مکمل تصویر تقابلاً بظاہر لٹکانی شاگردی اور عقیدہ مندی کا مدعی لیکن یہ باطن مولانا کو اپنے منصوبوں کی تکمیل میں سب سے بڑا سنگ گراں سمجھتا تھا ایک طرف حکومت سے ساز باز اور دوسری طرف مسلمانوں کا سیاسی وکیل بننے رہنے کی کوشش کرتا رہتا بعض اہل غرض افراد کو شریک سازش بنا کر حکومت نظام سے مصلحت کا سلسلہ شروع کیا کہ حکومت نظام جس دارالعلوم (میں نے پٹنہ جیلا کے کفیل جوں اس کا صدر المدینین یاہود قادیان کے حلیف کی بیخ کنی میں مصروف رہے تحقیقاتی وفد جب پٹنہ میں اجیر نہ پایا۔

اس وفد نے مولانا سے عقیدہ مند اذاعاز میں ریاست کی مجبوریاں ظاہر کرتے ہوئے سیاست سے کنارہ کشی اور علمی خدمات ہی میں توجہات کے انحصار کی التماس کی مولانا نے بات کی تہ تک پہنچ کر فرمایا جہاں تک علمی خدمات کا تعلق ہے، حصول علم کے بعد سے کوئی دور ایسا نہیں گذرا کہ اس سے غفلت برتی گئی ہو۔ تحریک خلافت کی دو سالہ قید میں جیل خانہ کی چار دیواری میں بھی دوسرے فنون کے ساتھ دورہ حدیث بھی ہوتا رہا تھا۔ مولانا کے ساتھ بعض قلمدانہ بھی شریک رہے جن ہو گئے

تھے جو اصول مقصد زندگی بن چکا ہوا ہے اس حیات مستعار میں کیونکر چھوڑا جا سکتا ہے۔ دفعہ
دوپس نکلا گیا اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۲ مارچ ۱۳۵۹ء مطابق ۲۰ محرم ۱۳۵۹ء کو محکم دولت نظام مولانا
کو دوسری خدمت سے سبکدوش کرنے کی اطلاع متولی درگاہ معلیٰ اور مقتصد مدرسہ میرٹھ راجہ صاحب
مرحوم کے پاس آگئی۔ مولانا کی زندگی کا یہ آخری سال تھا۔ پورا سال بھی نہ گزرنے پایا تھا کہ دس روز
قبل ہی ۱۱ محرم الحرام ۱۳۵۹ء کو سفر آخرت اختیار فرمایا۔ یہ آخری سال مولانا کا بڑی عسرت کے
ساتھ گزرا۔ پاؤں سے معذوری اور مسلسل علالت کے ساتھ یہ مالی پریشانی ناقابل برداشت تھی۔
حق و صداقت اور اصول پوری کی پاؤں میں یہ صعوبتیں خندہ پیشانی سے برداشت کیں
اور یہ سنگ جبریت ہوئی کہ وفات کے وقت کل خزانہ عامرہ سولہ روپیہ کچھ ادھامس مسند و قلم
سے نکلا تھا۔

سبکدوشی کے بعد دارالعلوم کی جانب سے قاعدہ کے مطابق فالہا بارہ سو روپیہ ملا تھا۔ ہم
سب کے اصرار اور حاجی عبدالستار کے اہتمام سے گورنریاں کی افتادہ زمین پر مختصر مکان تعمیر ہوا
جس کا نام مولانا نے "زاویہ" رکھا۔ دنیاوی جائیداد میں اولاد کے تحفہ ہی ترکہ پوری تھا۔
کتابوں سے عشق تھا۔ بہترین الماریاں اور درازیں بنوائے اور ترتیب سے کتب میں رکھتے
مغفون کے علاوہ کتاب کی عمدہ کتابت و طباعت بھی پسند آنے کے لئے کافی تھی۔ کتاب پسند
آنے پر ممکن قیمت پر خرید فرماتے۔ مولوی سید نجم الحسن خیر آبادی کے پاس استنبولی طباعت کی
دسوقی شرح مختصر معانی تھی جس کے حاشیہ پر مختصر اور حوصل میں شرح تھی۔ مولانا کے پاس جو
دسوقی تھی اس میں کئی کتابیں تھیں۔ مولانا کی خواہش تھی کہ ایسی دسوقی مل جائے جس کے ساتھ
اور کتاب میں نہ ہوں۔ مولوی نجم الحسن نے اپنی کتاب دکھلائی تو پھر ٹک گئے۔ فرمایا کہ میں ایسی
دسوقی مل جائے تو مجھے مزہ ہو گا دو، شاگرد تھے مزاج شناس، کہنے لگے اگر حضرت اپنے مجموعہ
شروح تھیں کے ساتھ مصنفی شرح موطا عنایت فرمائیں تو کتاب حاضر ہے۔ فوراً معاہدہ ہو گیا۔
خود راقم السطور کی مسلم شریف کے حوصل جو سبز کاغذ پر عمدہ بھیجی ہوئی تھی اپنی مسلم شریف و "الف لیہ
(عربی) کی دونوں جلدیں عنایت فرمائیں بعد میں کسی وجہ سے اقرار فرمایا تھا۔

۲۷ جنوری ۱۹۳۹ء کو جامعہ سمیت پورے درجہ نسلی تو سین کے مسئلے میں جب گولی چلی

۱۰ بیسیوں مسلمان خاک و خون میں منتظرِ شہید ہوئے اور وہاں کے مسلمانوں نے اپنے آپ سے ہجرت کی ٹھانی تو حضرت الامامؑ ۲۴ مارچ ۱۹۳۹ء کو معذوری کے باوجود افہامِ ذہنی کے لئے دوسری بار بچے پور تشریف لے گئے۔ ہم دونوں بھی ہمراہ تھے عبدالرحمن شہر گڑ کے مکان میں قیام ہوا کہ یہی امیر جماعتِ مبارکین تجویز ہوئے تھے۔ عبدالرحمن مذکور کے پاس کمرہ معطر کا ایک نقشہ تھا جس میں ایک ایک چیز وہاں کی دکھائی گئی تھی۔ دورانِ قیام میں میزبان نے وہ سب سامان باقاعدہ مرتب کر کے دکھایا اور اس کے ساتھ حدیقہ حکیم سنائی کا ایک قلمی نسخہ دکھلایا جو ایران کے کسی خوشنویس کے ہاتھ کا لکھا ہوا تھا۔ دریافت کرنے پر ایک ہزار قیمت بتائی گئی۔ مولانا دیکھ کر ہلکا سا ہنسنے لگے۔ اجمیر پہنچے پر کئی بار فرمایا کہ اگر ہزار دہے جوتے تو ابھی خرید لیتا۔ اور شوق کے بے پناہ جذبہ کے ماتحت مولوی محمد اللہ خطیب جامع مسجد سبے پور سے معتقد خاص کو خط لکھ دیا کہ کسی صورت سے وہ نسخہ حاصل کرو لیکن ایک ہزار سے کم پر عبدالرحمن رضا مند نہ ہوئے۔

ایک بار بچے پور کا کتب خانہ دیکھتے تشریف لے گئے۔ اسبابِ راجہ کی چار جلدیں مطالعہ کے لئے باضابطہ لائبریری سے حاصل کیں اور ان کو لیکر اجیر آ گئے۔ سیکرٹری لائبریری نے تار دیا کہ یا تو کتاب بھیجے ورنہ دو سو روپیہ وصول کیا جائے گا۔ مولانا نے فوراً ہی تار کے ذریعہ رقم طلب روانہ کر دی اور کتاب پر قبضہ کر لیا۔ فرماتے تھے کہ اگر پانچ سو طلب کرتے تو بھیجتا۔

قرآن شریف عمدہ کاغذ اور بہتر کتابت و طباعت کے جلدیہ کرتے۔ اس قسم کے تمام قرآنِ پاکِ ذہبت کتب خانہ تھے۔ فرمایا کرتے تھے کہ میرے کتب خانہ سے اگر ایک کتاب بھی چلی جائے چاہے وہ کتنی ہی معمولی ہو تو میں سمجھوں گا کہ سارا کتب خانہ چلا گیا۔ ہر سال کتابوں کو دھوپ دلاتے اور باقاعدہ جائزہ لیتے۔ کتابیں سب موجود ہوتیں تو شہرینی وغیرہ سے متعلقہ طلبہ کو فواز تے۔

صحرایہ سے متعلق بستی باب کی شرح برجندی تھی مولانا کے کتب خانہ میں تھی۔ میں نے اس کی نقس کی اجازت چاہی جو خوشی سے مل گئی۔ میں نے نقل شروع کی ہی تھی کہ رمضان کا ہمارے سہ ماہی اسی مہینے ہم لوگوں کو اپنے وطن جانے کی اجازت مل جاتی تھی جب میں چنے لگا تو برجندی کے متعلق قرآنِ مجید میں مذکور رمضان کے اوقاتِ فرصت میں خوب نقل کروں گا۔

انتہا منظور نہ ہوئی۔ بار بار اصرار پر بھی نفی میں جواب ملا۔ میں نے عرض کیا آپ مجھ پر اطمینان نہیں کرتے۔ فرمایا تم پر بیٹے سے زیادہ مجھ سے ہے لیکن تمہاری زندگی پر مجھ سے نہیں۔ خدا خواستہ تمہارا انتقال ہو جائے تو تمہارے وارثوں سے کون لڑے گا۔ ہاں اگر اپنی زندگی کا اطمینان دلا دو تو کتاب کا اطمینان بھی کر لوں گا۔

کتابوں کی طباعت و کتابت کی طرح عمدہ جلدوں سے بھی شغف تھا۔ کلکتہ کی بندھی ہوئی جلدوں کا بہت شوق تھا۔ علی العموم دہلی جلد بندھوایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ جلد کی خوبصورتی کا ذکر ہو رہا تھا۔ مولوی محمد عباس بہاری نے دو جلدیں کلکتہ کی بندھی ہوئی دکھائیں۔ دیکھتے ہی گریہ ہو گئے۔ فرمایا افسوس میرے کتب خانہ میں ایک جلد بھی ایسی نہیں ہے۔

انتقال سے تین چار ماہ پیشتر بمبئی اور سورت سے کتابیں منگوائیں۔ اس کے کلکتہ جلد بندھنے کے لئے بھیجیں جس کا بے صبری سے انتظار رہتا۔ روزانہ مولوی نجم الحسن کو اسٹیشن پر پتہ لگانے کے لئے بھیجتے۔ خدا فدا کر کے پارسل آیا۔ جلدیں واقعہ قابل دیکھیں۔ الماری میں اپنے سامنے ترتیب سے رکھوائیں پھر فرمایا اب دیکھو میرا کتب خانہ کیسا معلوم ہوتا ہے مولوی نجم الحسن نے تعریفوں کے پل باندھ دئے تو بہت خوش ہوئے۔ میں نے بھی شرح ہامی اور فرائد کی جلدیں ساتھ ہی بندھوا کر منگوائیں اور مولوی محمد عباس بہاری کی وہ دونوں کتابیں بھی خریدیں جن کی جلدیں مولانا کو دکھائی گئی تھیں۔ یہ کتابیں ماشاء اللہ عبدالغفور اور اس کا منیر عقیس انیسویں مولانا ان خوشنامہ جلدوں سے زیادہ عرصہ تک محفوظ نہ ہو سکے اور شانہ جلد کتابوں کے مطابق کاموقد بھی ملا کیونکہ ایک ماہ بعد دنیائے فانی سے عالم ہادانی کو ترشہ اپنے لئے گئے۔

احادیث میں کنز العمال اور لغت حدیث میں مجمع البحار بہت پسند فرماتے تھے۔ تفسیر احمدیہ، رسائل الارکان الاربعہ، آب حیات اور حاشیہ قاضی علامہ فضل حق خیر آبادی اکثر پیشتر مطالعہ میں رکھتے۔ آخر الذکر کے متعلق فرماتے تھے کہ حاشیہ فضل حق کامیں نے برسوں سفر و حضر میں اس طرح مطالعہ کیا ہے جس طرح کوئی قصہ کہانی کی کتاب پڑھتا ہے۔ نصب الایہ نے تخریج احادیث المدایہ کا بہت اشتیاق تھا۔ فرماتے کہ مدینہ منورہ میں مولانا عبدالسبانی فرنگی ملی لکھنوی صاحب مدنی مرحوم نے مجھ سے فرمائش کی تھی موصوف کی عکس قابلیت اور

کمال علمی کے مولانا مقرب تھے فرماتے تھے کہ حکیم صاحب مولانا بركات احمد دہلوی بہاری، بھی ان کی تعریف کیا کرتے تھے۔ ایک روز مولوی نجم الحسن نے نصیباً یہ کے ذریعہ طبع ہونے کی خوشخبری سنائی تو بہت مسرور ہوئے۔

فقہاء کے بہت مداح تھے۔ ہدایہ جلد ثالث خاص ذوق اور توجہ سے پڑھاتے تھے۔ امام صاحب کی دلیل بیان فرماتے وقت چہرہ جو جس سے سرخ ہو جاتا تھا، فرماتے تھے کہ، ایسا شخص کئی دو سر پیدایا ہی نہیں ہوا۔ عام طور پر فقہاء کی نگاہ رسمی اور دقیقہ سنجی کے بہت مداح تھے۔ فقہاء کے خلاف اگر کسی کی زبان یا تحریر سے کوئی بات آپ کے علم میں آتی تو سخت براہم ہو جاتے تھے۔

ہدایہ جلد ثالث، ترمذی شریف، قاضی مبارک، شہرح چغتائی اور رضی اللہ عنہ شریف بڑی دلچسپی سے پڑھاتے تھے۔ عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ بڑی کتابیں پڑھانے والے اساتذہ ابتدائی کتابوں میں وہ ذوق اور مہارت نہیں رکھتے جو بالائی کتابوں میں ہوتی ہے لیکن مولانا کو یکساں کمال تھا۔ فزندہ سعید مولوی عبدالباقی سکر کو سمجھانے اور یاد کرانے کے لئے مرقات اور سکندر نامہ کی سماعت پر مولوی نجم الحسن کو مامور فرما دیا تھا۔ موصوف کا بیان ہے کہ اس خوبصورتی اور سہولت سے سمجھاتے تھے کہ بے آسانی ذہن نشین ہو جاتا تھا۔ لطف یہ ہے کہ فارسی میں بھی پورا پورا تجربہ تھا چنانچہ سکندر نامہ میں اکثر مولوی نجم الحسن سوالات بھی کرتے رہتے تھے۔ برادر بزرگ محمدناہد خان سکر کو میری استدعا پر انوار سبیلی شروع کرا دی تھی۔

جب موجودہ نظام حیدرآباد سلطان العلوم میر عثمان علی خاں باغابا جیر شریف حاضر ہوئے اور مدرسہ معین الحق قائم کردہ مولانا امین اپنے اساتذہ نواب فضیلت جنگ مولانا انوار اللہ خاں صدراموہر شریعہ دکن کے ہوا چہنچہ تو مولانا کی درس گاہ میں جاری سبقت کو دلچسپی سے سناؤ تو انوار (اصول فقہ کی اوسط کتاب مصنفہ ملا احمد حیون رحمۃ اللہ علیہ) اساتذہ عالمگیر بادشاہ کے درس کی فرمائش کی۔

مولانا نے اس کے سبق کی ایسے مدلل طریقہ پر تقریر کی کہ نظام صاحب کو دم بھگایا۔ دوراً قیام میں چھوڑ کر شریک درس ہوئے اور فرمائشی اسباق کی سماعت کی غلبت شاہناز اور ایک ہزار روپے نوازا۔ اور مدرسہ معین الحق کو دارالعلوم معینہ عثمانیہ میں تبدیل کر کے ایک ہزار سے زیادہ

مشاہیرہ مقرر کیا جو اب تک پرستور جاری ہے۔

مولانا نقلی و عقلی مسائل میں اپنی مستقل رائے رکھتے تھے، اور کافی تلاش و جستجو اور تحقیق و تفتیش کے بعد نتائج پر پہنچتے تھے۔ مختلف فہم مسائل کو چھوڑ کر باقی مسائل میں امام ابن تیمیہ کے فضل و کمال کے مداح تھے۔ حدیث ”لا تشا الرمال“ وغیرہ پڑھاتے وقت ان کے مسلک کا رد و تبلیغ فرماتے کلام پاک کی آیات کے سلسلے میں فرمایا کرتے تھے کہ ہر آیت علیحدہ علیحدہ ہے لہذا رابطہ پیدا کرنے کی کوشش بے سود ہے۔

سورہ یوسف کی آیت فلما رأینہ اکبرنہ وقطعن ایدیهن وقلن حاش لذلک ماہذا ابشرا ان ہذا الاملک حکیم میں امام اہل تفسیر کی رائے سے اختلاف تھا۔ فرماتے تھے کہ ذرا بصر کی کیفیت حسن یوسف کی بار نہیں بلکہ ان کی عظمت و جلالت و عظمت کی بنا پر ہوئی تھی ورنہ ”ہلک حکیمو“ کہنے کی کوئی وجہ نہیں تھی۔ اس باب میں بخاری شریف کی کتاب التفسیر سے بھی استشاد فرماتے تھے اور یوں بھی بہترین تفسیر بخاری کی کتاب التفسیر ہی کو سمجھتے تھے۔

حوض کے بارے میں وہ درود کو ضروری نہ سمجھتے تھے اعاذ باللہ اور سرزمین عرب میں پانی کی قلت سے دلائل پیش کرتے تھے۔ فرماتے تھے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کسی مسجد میں بیٹھے تھے۔ ماہ کبیر سے متعلق سوالات کئے جا رہے تھے۔ آپ نے اس مسجد کے حوض کی طرف اشارہ کر دیا، بعد میں جب اس کی پیمائش کی گئی تو اتفاق سے وہ درود نکلا۔ لوگوں نے اسی کو دلیل بنا لیا۔ جسے صحیح ہونے کے لئے فقہاء حنفیہ نے مصر کی شرط لگائی ہے پھر مصر کی تعریف میں فقہاء کے مختلف اقوال ہیں۔ مولانا نے طعام الدین استاذ النکل کا مسلک اختیار فرمایا تھا جو رسائل الارکان الاربعہ میں مولانا عبد العلی بجز العلوم فرنگی علی سے منقول ہے کہ مصر وہ ہے جہاں انسانی فروتنی میسر آسکیں۔

ما اہل بد لغیر اللہ میں حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے حرمت کے دائرہ میں ان جانوروں کو بھی داخل کر لیا ہے جو کسی بزرگ کے فاتحہ وغیرہ کے ہم سے موسوم و متعین ہو جائیں۔ مولانا کا مسلک شاہ صاحب کے مخالف تھا اس پر ایک مبسوط معقنہ مضمون

بھی لکھا تھا جو نفع ہو گیا اور روز افزوں نصحت کی خرابی نے دوبارہ لکھنے کا موقع نہ دیا۔
مسئد تشکیک میں جہاں مولانا علیہ الرحمہ خیر آبادی نے شرح مقامات میں وجہ واجب
میں تشکیک باعتبار شدت وضعف مانتے ہوئے ایک توجیہ کی ہے۔ مولانا نے اپنے استاذ
الاسانؤ سے اختلاف کیا ہے اور مؤدبانہ الفاظ میں ایک مضمون کا اعلان کرتے ہوئے تحریر کر لیا تھا کہ یہ
اصلی توجیہ فقیر کے ذہنِ غفل سے بعید ہے۔ یہی وہ مسئلہ ہے کہ جب ۳۵ء کے آخر میں مولانا کے
کاروبار کیلئے اریٹھ پھوڑا، نکلا تھا اور گردن میں چھ انچ گہرا شگاف دیا گیا تھا تو بلا کسی بیہوشی کی دعا کے
اتنا جراتاً آپریشن کرانے پر اس نے کمر مت باندھ لی تھی کہ مسئلہ مذکورہ بالا میں غاضل خیر آبادی سے
عالمِ قلم میں مناظرہ شروع کر دیا تھا۔ مولانا فرماتے تھے کہ اسی استغراق میں تمام منزلیں طے
ہو گئیں۔

تعلیم و تدریس اور تصنیف و مقالہ سے آخر وقت تک پوری دلچسپی دی۔ بخاری شریف
کے پاروں کے شرعی نوٹ تاج کینی لائبریری کے فرمائش پر اردو میں تحریر فرمانا منظور کرے تھے
اور ایسی حالت میں پہلے پار سے کے حاشیہ پر نوٹ تحریر فرمائے جبکہ بیٹھنے کی جگہ چھوڑا نکلا
ہوا تھا۔ برادرِ خود حکیم نظام الدین امیری کے مکان پر علاج کی غرض سے قیام تھا۔ چلنے پھرنے
سے معذور ہو ہی چکے تھے۔ بعض مقامات کی شرح اپنے ہاتھ سے لکھی اور اکثر کامولوی سید محمد حسن
سے املا کرایا۔ اس میں مولانا کو دلچسپی یوں بھی بڑھ گئی تھی کہ غویہ مقلد مولوی وحید الزمان حیدر آبادی
کے اس قسم کے شرعی نوٹوں کے ساتھ بخاری شریف شائع ہو چکی تھی جس میں امام اعظم اور دوسرے
ائمہ ثلاثہ کے مسائل پر جامعہ چوہن میں بھی تبصرے۔ بلند بانگ و عودوں کے باوجود جب اسے تاج کینی
نے تہارتی مصلحتوں کی بنا پر طبع نہ کرایا تو بہت براہم ہوئے۔

جناب میرزا احمد مرحوم متولی درگاہ معلیٰ و معتقد دارالعلوم حنیفہ عثمانیہ احمدیہ اور دوسرے بعض
تخصیص کی فرمائش پر مولانا نے حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے صحیح حالات و مرتب
کرنا شروع کئے تھے۔ اس کی تکمیل بھی اسی زمانہ علالت میں فرمائی جو انتقال کے ایک سال بعد
”نثار خواجہ“ کے نام سے شائع ہوئی اور پہلا ایڈیشن ہاتھوں ہاتھ نکل گیا۔ میرزا احمد کے نام
کی رعایت سے ”نثار خواجہ“ نام تجویز فرمایا۔ مولانا محمد یونس میرٹھی ناظم دارالعلوم حنیفہ عثمانیہ

خطیب جامع شاہجہانی درگاہ معنی نے کتاب کے آخر میں مولانا اور کتاب سے متعلق جو صفات لکھے ہیں وہ دیکھنے سے متعلق رکھتے ہیں اس میں اپنی مہربانی سے میرا اور مولوی سید نجم الحسن کا ذکر بھی کیا ہے کہ ہم دونوں نے استادِ مکرم کا حق رفاقت آخر تک کس طرح ادا کیا اور مولانا نے کس کس طرح نوازا۔

اسی زمانہٴ علالت میں ترمذی شریف کی شرح لکھنا شروع کی۔ جب ایک جزو ہو جاتا تو ہم دونوں بھی نقل کر لیتے۔ ابواب الطہارۃ بھی ختم ہونے پائے تھے کہ زندگی نے ساتھ چھوڑ دیا بہر حال جتنا کچھ ہو گیا ہے وہ بھی اپنی اہمیت کے لحاظ سے کچھ کم نہیں ہے۔ مولانا کی وسعتِ نظر اور مہارتِ معلوم نقلیہ کا اس سے اچھی طرح اندازہ ہو جاتا ہے۔ اصل مسودہ مولانا کے ہاتھ کا لکھا ہوا موصوف کے کتاب خانہ میں مولوی عبدالباقی سلمہ کے پاس محفوظ ہے اس پر جا بجا ملاحظہ مولانا نے میرے نام (اشاد الشرافی) سے چڑھایا ہے۔

مولانا نے مضامین فن کی تشریحات بھی فرماتے رہتے تھے۔ خاص خاص مسائل پر مطبوعات بھی تحریر فرما دیتے تھے چنانچہ علم و معلوم، دہلاور وجود پر مبسوط مضامین خود مولانا کے دستِ مبارک کے لکھے ہوئے میرے پاس موجود ہیں۔ آخری مضمون شوال ۵۵ء میں ختم کیا تھا۔ زمانہٴ علالت و معذوری میں بھی بعد عصر کے سلسلہ جاری رہتا چنانچہ حدیث الاخریٰ ۱۳۵۸ء سے لے کر ۱۵ ذی قعدہ ۱۳۵۹ء مطابق ۲۴ دسمبر ۱۹۳۹ء وفات سے ایک ماہ تک پس روز قبل تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ وجوہِ رابطہ متعلق تصدیق، تحقیق تصدیق، تحقیق اجزاء قضیہ و تصدیق، مقولات عشر کلّی طبعی وغیرہ جیسے محرکہ الارافہ فی مسائل کی املا کرائی۔ ۲۷ نومبر ۱۹۳۹ء مطابق ۲۳ رمضان المبارک ۱۳۵۸ء کو مشہد کو بھاری شریف اور ۲۸ نومبر ۱۹۳۹ء مطابق ۱۶ شوال ۵۸ء کو منگل سنسن ابی داؤد ختم ہوئیں اس کے بعد ۲۹ نومبر ۱۹۳۹ء مطابق ۱۷ شوال ۵۸ء کو کو سلم شریف کرا دی گئی۔ کچھ اسباق ہو پائے تھے کہ میں سخت بیمار پڑ گیا اور تقریباً دو ماہ اس کا چکر رہا۔ ایک ماہ صاحبِ فراش رہ کر تبدیل آب و ہوا کے لئے غیر آباد علیگڑھ چلا گیا۔ وہاں سے ۱۵ ذی الحجہ ۵۸ء مطابق ۲۶ جنوری ۱۹۴۰ء کو واپس لاہور پہنچا۔ اپنی بد نصیبی پر بے انتہا غم تھا کہ ان آخری ایام میں خدمتِ متعلقہ سے محروم رہا۔ واپسی پر پھر سلم شریف کے اسباق شروع ہوئے۔

اس زمانہ علالت اور آخری ایام حیات میں میں اور مولوی سید محمد الحسن ہم دونوں ہی خدمت گذاری اور استفادہ کے لئے مخصوص ہو گئے تھے۔ ۸ فروری ۱۹۴۰ء مطابق ۲۸ رذی الحجہ ۱۳۵۸ھ پنجشنبہ تک سابق و استفادہ کا سلسلہ رہا۔ یکم محرم الحرام ۱۳۵۹ء مطابق ۱۰ فروری ۱۹۴۰ء شنبہ کو مرض نے شدت اختیار کر لی صبح بخاری اور آئے کریمہ کا ختم کیا گیا، بکری ذبح کی گئی، شام کو کچھ افاقہ ہوا تیسرے روز حالت کچھ اور متنبہل گئی۔ ۹ محرم الحرام کو حالت مایوس کن ہو گئی دوسرے دن اطباء بھی ناامید ہو گئے۔ آخر تیسرے روز ۱۰ محرم الحرام ۱۳۵۹ء مطابق ۱۹ فروری ۱۹۴۰ء یکشنبہ کو عظیم الشہید کر بلا سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے وقت اسی یوم عاشورہ میں یہ آفتاب علم و عمل اور مہتاب رشد و ہدایت ہمیشہ کیسے غروب ہو گیا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ گویا نرا اعلیٰ حالت سے دس روز پہلے تک درس حدیث جاری رہا منطق و فلسفہ جو فلاں فن تھا اس کا سلسلہ دو ماہ قبل ہی منقطع ہو چکا تھا جب بیماری نے نازک صورت اختیار کی اور موصوف کو مایوسی ہوئی تو فرمایا :-

افوض امری الی اللہ ان اللہ بصیر بالعبادۃ

جب تک زبان نے کام دیا بار بار اپنی حالت کو دیکھ دیکھ کر اس آیت کی تکرار فرماتے تھے اور سورہ تیس تسکینِ فاطر کے لئے پڑھوا کر سنتے تھے صحابہ کرام میں سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ پر جان فدا کرتے تھے۔ ان کے ایمان و یقین کی نظیر نہیں ہوتے تھے فرماتے تھے انہوں نے خدا کو پہچان کر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچانا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر خدا کو جاننا۔

حضرات اہل بیت کے ساتھ خاص انس اور لگاؤ تھا بخاری شریف میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے مسئلے میں حضرت سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کا جب یہ قول پڑھاتے کہ اے انس! ہمارے دونوں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر مٹی ڈالتا کیسے گوارا کر لیا تو بہت خفا ایک صبح نکل جاتی اور ایک عرصہ کے لئے رבודگی سی پیدا ہو جاتی۔ جب بھی حدیث شریف میں یہ موقع آتا ہے یہی کیفیت ہوتی ہے۔ ایک بار زمانہ علالت میں دورانِ گفتگو میں یہ واقعہ زبان پر آ گیا صبح نکلی، حالت متغیر ہو گئی، بدن پر دھندھاری ہو گیا۔

خیال آبادی خاندانِ علم میں اس جامعیت کا کوئی دوسرا فرد نہیں گزرا۔ تفسیر، حدیث، فقہ

قرائتِ سجادہ نشین سیال شریف (انجیب) ، صاحبزادہ باقم جان سندھی ، مولوی غابر حسین ،
امام عید گدہ دہلی ، مولوی غازی محمد الدین اجیری ، مولوی نور الدین غلط مولانا قمر الدین اجیری ،
مولوی عبد شکور بہاری ، مولوی عبدالحمید اجیری ، مولوی افتخار احمد چوہدری بہاری ، حضرت مخدوم
الانام شاہ مقبول میاں قلندر خیر آبادی اور حکیم نصیر الدین ندوی وغیرہم قابل ذکر تھانہ ہیں۔
مولانا حافظ مفتی سلطان حسن اکبر آبادی اور مولانا مناظر حسن گیلانی نے
بھی استفادہ کیا ہے۔

مولانا بڑا ماضی پر محسوس کو بیعت نہ فرماتے تھے۔ مولانا احمد علی نانچھن خدام الدین لکھنؤ نے خطوط کے ذریعہ مصر کی انتہا کر دی۔ خود بھی حاضر ہوئے۔ سیکڑوں انتہاؤں کے بعد شرف پذیرائی بخش گیا۔ اسی طرح سید عبدالمجید احمد آباد (تائے واسے) ہاتھ دھو کر پیچھے پڑ گئے تو مجبور ہو کر ان کو بیعت کرنا پڑا۔ ان دو حضرات کے سوا کسی اور کا بیعت کرنا میرے علم میں نہیں ہے۔

بیعت مصافحہ وضیافت کے لئے اذن عام تھا۔ اکثر حضرات کو اجازت بھی بخشی گئی۔ ۵ اکتوبر ۱۹۳۹ء مطابق ۲۱ شعبان ۱۳۵۸ھ غیب نہر کو مجھے اور رفیق محترم مولوی سید نجم الحسن خیر آبادی کو بھی یہ سعادت نصیب ہوئی۔ حدیث مصافحہ وضیافتہ مع اسناد پڑھ کر مصافحہ فرمایا اور اسودین^۱ پانی اور کچھ بوسے ضیافت کی۔ اسناد پر دستخط ثبت فرما کر اجازت بیعت بھی مرحمت فرمائی۔

مولانا مفتی کفایت اللہ، علامہ سید سلیمان ندوی، شیخ الاسلام مولانا سعید بن احمد مدنی اور دوسرے اکابر علماء مولانا سے بڑی عزت و احترام کے ساتھ ہمیشہ آتے تھے۔ اول الذکر دونوں حضرات کبھی کبھی فنی و علمی مسائل کی تحقیق گفتگو بھی کرتے۔

علامہ ڈاکٹر اقبال مرحوم جب یورپ گئے اور وہاں انھیں لکچر بھی دینا تھا تو جناب میر غلام محسین نیرنگ کی معرفت مولانا سے زمان یا دھر پر مضمون لکھایا تھا۔ اس کی انگریزی کر کے وہاں کی علمی مجلس میں وہ مضمون پڑھا جو بے حد پسند کیا گیا۔ وہاں سے واپسی پر مولانا کو شکریہ کا خط لکھا تھا۔ مولانا نے ایک موقع پر وہ خط مجھے بھی دکھایا تھا۔ معلوم نہیں اب بھی کاغذات میں وہ محفوظ ہے یا نہیں؟

مورنا کو فلسفہ کے مسائل پر اس قدر عبور تھا کہ انہیں سے اہم مسئلہ پر حسبہ گھنٹوں تقریر

کر سکتے تھے، میرا ذاتی مشاہدہ ہے۔

شہباز عظیمیؒ میں احمد آباد، سورت اور کبھی کا سفر ہوا۔ دوسرے طالب علموں کے ساتھ مجھے بھی ہر کافہ کا فوٹو حاصل تھا۔ رمضان کا پورا مہینہ تقریباً بمبئی ہی میں گذارتا ترمذی شریف اور سرچی کے اسباق جاری رہے۔ کبھی سحری اور کبھی نماز فجر کے بعد یکسلسلہ رہتا ہی درمیان میں مولانا نے علم و علوم پر تحقیقی مضمون لکھنا شروع کر دیا۔ نہایت باریک قلم کے ۴ صفحات لکھ ڈالے۔ درمیان میں بیسیوں کتابوں اور افاضل کے حوالے دے گئے حالانکہ ہمارے علم میں ہے کہ ایسی کوئی کتاب اس وقت مولانا کے پاس نہیں تھی جس سے فائدہ اٹھا سکتے۔ مولانا سے استفادہ کرنے والے جانتے ہیں کہ مولانا کا سب سے علوم و فنون کا گنجینہ تھا علم درمغیہ نہ تھا، افسوس اس قدر بے شکست و آں ساقی نہ ماند

جامع مسجد شاہجہانی درگاہ معلیٰ جمعی کی پشت پر خاص محراب کے متصل با محاطہ ”چار یاری“ میں یہ کوہ معزم و شہادت یکبر علیہ السلام اور مخزن فضل و کمال ۱۰ محرم الحرام ۱۳۵۹ء سے آسودہ خواب ہے اور اس کی قبر بھی عسی بہت شان کا پورا منظر بنی ہوئی ہے، یہ رحمۃ اللہ تعالیٰ ہے

طبع فاتحہ از فلق ندر ایم شہباز

عشق من از پس من فاتحہ جو رقم قبیل

جیسا کہ گذر چکا ہے مولانا نے شاہ خواجہ صاحب خراساں جوتے ہوئے مرتب کی تھی۔ وفات کے دوسرے سال طاعت کی نوبت آئی۔ مولانا محمد یونس صاحب سابق ناظم دارالعلوم معینیہ عثمانیہ و خلیفہ جامع شاہجہانی درگاہ معلیٰ احمدیہ شریف نے فاتحہ کتاب میں جو انہما بقفیدت کیا ہے اس کا کچھ حصہ نقل کر دینا مناسب نہ ہو گا۔

آخر میں اپنے چند اشعار قطعہ فاتحہ بقفیدت کے طور پر پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔

فاتحہ کتاب رحلت مصنف علام

یہ کتاب مصنف علام نے جس محققانہ نظر اور مجتہدانہ رنگ میں لکھی ہے اپنی نظیر آپ ہے حضرت خواجہ کے حالات طہیات میں اب تک ایسی مستند تاریخ مرتب و مدقون نہیں ہوئی جسکی

بڑی ضرورت تھی خصوصاً تہذیب جدید کا حاصل کرنا۔ القعدا دگر وہ جو ہر منقول کو عقل و فلسفہ کی روشنی میں
 دیکھنا چاہتا ہے، اور تعلیم یافتہ طبقہ جو ہر روایت کو درایت کی میزان میں توڑنے کا خوگر ہے، اس کے
 لئے وہ تمام تصانیف جن میں خوش عقیدتی سے کام لیا گیا ہے ناقابل تسلیم ہیں اور عوام کی زبان
 پر جو روایات جاری و ساری ہیں پایہ اعتبار سے ساقط اور حضرت خواجہ کی اس مقبولیت عامہ کا
 مشاہدہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ بلا تفریق قوم و ملت مخلوق خدا بلا امتیاز شاہ و گدا افواج
 در فوج اور مروج و رموج آپ کے آستانے پر پروانہ وار خدا ہو رہی ہے۔ اس کشش و جاذبیت کی
 حقیقی قلم اور اصلی راز معلوم کرنے کی روز افزوں طلب نے اس گروہ کو جو حیرت بنا رکھا تھا ایسا
 مرکز عقیدت خواجہ جس کی مات سو برس گزر جانے پر پریشان ہے اپنے دو ہر حیات میں کیسا آئینہ دار
 جمال و کمال ہو گا۔ ہر تین و مہذب شخص انگشت حیرت بدعاں کر ایسا مقبول و مسلم و ملی القدا اور اس کے
 صحیح حالات و سوانح اس درجہ پردہ خفا میں کچھ زبان زدو رطب و یابس روایات کے سوا اصلی
 واقعات مخفی و مستور، اس کی اور اس طلب کو دیکھ کر حضرت علامۃ السنہ مولانا معین الدین آجیری
 علیہ الرحمۃ نے قصہ فرمایا کہ آپ کے مستند قرائع و حالات آپ کے مسلم کمالات و کرامات مؤلفانہ
 شان اور معتقدان بان کے ساتھ کتابی صورت میں مرتب و مدون کئے جاویں اور اس طرح
 کہ ادب و عقیدت کی ایمانی آنکھ کا سر نور افرا ثابت ہوں اور اصحاب علم و روایت کے لئے
 مستند دلیل و رہنما۔ فقہ الحمد کہ یہ تصنیف لطیف اسی جامعیت کی حامل و دعائی مرتب ہوئی حضرت
 خواجہ کے سوانح حیات، آپ کا علم و عمل، آپ کا زہد و ورع، آپ کا جہاد و مجاہدہ غرض زندگی
 کا ہر شعبہ نور افرا آئی اور معارف ربانی کی تفسیر ہے، ہر قدم شریعت کی روشنی میں اٹھا ہے، ہر عمل
 اسوۂ نبوت کا عکس اور پر تو ہے۔ مؤرخین کے گمراہ کن اختلافات کو تاریخ نبی کی شہادت سے ایسے
 جہتہ انداز سے فیصل کیا ہے کہ پڑھ کر وجد آجائے اور منہ بعض مذہبی اختلافی مسائل پر لطیف
 اشارات کے ساتھ بڑی لطف بحث فرمائی ہے کہ ہر مصنف کو سوائے تحسین و تسلیم کچھ نہیں ہے۔
 کاش مولانا مرحوم چند سال قبل صحت جسمانی اور فرائض خاطر کے وقت اس تصنیف کا موقع پاتا
 تو وصیت بیان اور اس تصنیف کی وقعت و شان بہت ہی اعلیٰ اوارفع ہوتی۔ یہ تو مولانا نے
 س ماحول میں تصنیف فرمائی ہے کہ ایک طرف جسمانی عوارض نے آپ کو چند سال سے مضطرب

بوشت بنادیا تھا کر نشست و برخاست تو کچھ کر بٹ بدلنا بھی بلا دوسرے کی امداد کے ناممکن تھا
 دوسری طرف چند جاہ طلب شاگردوں (جو اس واقعہ کے سبب کے غمگینوں) نے دیکھا کہ
 وجود کو اپنے لئے سنگِ مہا سمجھتے ہوئے حکومت کی نظر میں مشتہر کروا حتیٰ کہ دارالعلوم حیدرآباد
 کے منصبِ صدارت (صدر مدرس) سے عظیم گورنمنٹ نظامِ قنداشد مکہ ہٹا کر مولانا کا فرائضِ خاطر
 مفقود کروا لیکن اس جو شِ محنت اور اس بے دست و پائی کے عالم میں بھی آپ حمایتِ ملت
 اور تحریکاتِ حاضرہٴ اصلاح امت میں برابر مسلمانوں کی مذہبی رہنمائی کے لئے سرکافت و سہل و اس
 معذوری کی حالت میں مقامی میں جلسوں میں ہمیشہ تقریر فرماتے یہاں تک کہ سب پور کے عالم
 آشوبِ ماحول میں وہاں پہنچ کر رہنمائی کی تحریکِ ہجرت کو روکنے کی تلقین فرمائی ان مشاغل
 کے ساتھ درس و تدریس کا سلسلہ بھی برابر جاری تھا کہ حضرت علامہ کا محبوب ترین مشغلہ بلکہ غذائے
 روح یہی تھا چنانچہ دورہٴ حدیثِ شریف کا دس وفات سے دو ہفتہ قبل تک جاری رہا اور
 اس دریائے علوم کے لئے مستقیماً میں سے دور آخر کے خوش نصیب مستفیض طلبہ کیلئے علوم
 کے لئے اس حالت میں شبانہ روز مولانا کے گرد حلقہٴ زن رہتے تھے خصوصاً جناب مولانا
 شاہد شروانی اور جناب مولوی نجم الحسن صاحب خیر آبادی کے متعلق مولانا کی دلی خواہش اور پوری محنت
 کوشش تھی کہ ان دونوں جو ہر قابلِ شریعتِ نادوں کو بھر کمال علمی بنادیں کیونکہ ہر دو اولیٰ العزم
 سعادت مند جوان صالح طالبانِ علوم نے خود کو مولانا کی خدمت و رضا جوئی کے لئے وقف
 کر دیا تھا چنانچہ ان کی تکمیل اور اس کتاب کی ترتیب کے متعلق ہی آپ نے داعیِ اجل کو لبیک
 کہا۔ اس خدمتِ علم (تدریس) اور اس نذرِ عقیدت (تصنیفِ شاہِ خواجہ کا صدقہ تھا جو اس جن
 قبول کی موت میں غدا ہر جو کہ عشرہٴ محرم کے روز سیدنا امام حسین (علیہ علیٰ جہد السلام) کی
 عین شہادت کے وقت مولانا نے جانِ جانِ آفریں کو بچہ کی اور جینا نہ بھی اس ترکِ احتشام
 سے اٹھا کر باوجود بقیاں لگا دینے کے لوگوں کو کندھا دینے کا موقع نہ ملا۔ اس شانِ قبول کے
 ساتھ ساتھ دیکھا عالمِ پناہ میں اندرونِ خطہٴ صالحین (چاریار) متصل بحراب جامع مسجد شاہجہانی
 آپ مدفون ہوئے۔ الحق کہ یہ مجاہدِ عظیم فاضلِ مسلم جس کی کمالاتِ علم و عمل اسی جن قبول کا اہلِ تحاجو
 غیب سے نفا ہر ہوا۔ تبحرِ علم، محرومت و علمِ نبد و ایثار، صبر و استقلال، تحریر و تقریر و صحبتِ اخلاق

شہرچی۔ جہد کی حامی، جرأت تام، ردا داری و مساوات، استغناء و توکل، تسلیم و رضا غرض جہد
 میں ساری و معنوی کی ہامیت جیسی قدرت نے آپ میں ودیعت رکھی تھی بہت کم دیکھتے ہیں
 آئی ہے۔ افسوس کہ مولانا کی وفات سے مسندِ علم و فضل خصوصاً اجمیر میں بے رونق ہو گئی۔ امتِ مسلمہ
 مستفیدین متفرق و منتشر ہو گئے جن کے لئے مولانا کی ذات نے اجمیر کو مرکزِ توجہ بنا رکھا
 تھا۔ افسوس !

اُن قدحِ بلکست و اُن ساقِ نماد

انا لله وانا الیہ راجعون۔

عبدعالمز کا مورخ موجودہ دور کے علماء کی تاریخ میں جس مرتبہ پر آپ کا نام نامی درج
 کرے گا وہ اخبارات کے کالموں میں دیکھئے یا قائدِ ان ملک و ملت کے ان جذبات سے
 پوچھے جو غالباً ہمیں قبر کے نام سے شائع ہونے والے ہیں یا ہو چکے
 افسوس کہ حضرت علامہ کا یہ نقش آخر انشا خواجہ ابوالہی زیور طبع سے آراستہ نہ ہونے
 پایا تھا کہ مصنفِ علامہ واصل بحق ہو گئے ۔



نذرِ عقیقہ

بہ ہادی رشتہ مواعین الدین اجیری
۱۳۵۹ھ

مزیج خلق و ملاذ خاص و عام	خزین الطاف و مخدوم انام
مہرِ عالم تاب علم و معرفت	زہد و علم و فضل کے ماہِ تمام
یہ تفسیر و حدیث و فقہ دیں	بہرِ ذخائرِ معانی و کلام
فنِ تاریخ و ادب میں بے نظیر	منطق و حکمت کے لاشافی امام
تھا لقب علامۃ السند آپ کا	اور معین الدین اجیری تھا نام
و عطا و افتاء و درس و تالیف علوم	رات دن اس کے سوا کچھ تھا نہ کام
تھی زبانِ فیض گویا ہر گھڑی	فرقِ باطل کے لئے حق کی حسام
راہِ آزادی میں کہیں تشریف لیاں	سجنِ یوسف بھی بنا دارِ القیام
خدمتِ ملک و وطن میں پیش پیش	نفاست میں بہت اونچا مقام
فضلِ حق سے تھے امامِ حریت	کارِ راجح میں تیغِ بے نیام
ہو نہیں سکتا خصال کا شمار	اس دعا پر اب جو نشا بد افتام

اپنی رحمت سے عنایت کر خدا

جنت الفردوس میں عالی مقام

چشمہِ لیلیٰں رہے جاری سدا

رحمتوں کا ہونہ ولی ان پر مدام

ملک پر مصروف تاریخ خاصِ ذہبت رکھتے تھے حضرت پروردگار نے ہادی علی بن ابی طالب صاحبِ بیتا پوری رحمت اللہ علیہ سزاؤِ عظمیٰ سے
اسالیبِ رحمت فرمادے تھے۔ دونوں بزرگوں کے ناموں کا اس موقع پر اجتماع جتنی باری "خدا و رسول کا نام بھی جو رحمت سے لائق تھا"

راقم السطور محمد عبدالشاہد خاں شروانی

عجب درواست جانم زانیدم کوچوں گسرم
ولا! خون شوکتا بر حال خود یک لفظ خون گسرم

اُس وقت جبکہ ہلال سرور و بہت فلکِ صفاست پر افقِ نکلتے سے طلوع ہو کر بدرِ کمال بنے سے قبل ہی خسوف و کسوف ضبط و منع کی منزل میں داخل ہو رہا تھا یہ ہلالِ شوم و نحس آسمانِ دنیا پر نمودار ہوا یعنی جنوری ۱۹۱۵ء میں یہ تنگِ خفاقی، ناواقفِ حقائق و دقائق، اپنی تنہیال ریاست بھیکن پور ضلع علیگڑھ یو۔ پی میں پیدا ہوا، آباؤ اجداد کا مسکن موضعِ بھاموں ضلع ایبٹ بھیکن پور سے ۶ میل پر واقع ہے، بھاموں، اضلاع علیگڑھ اور ایبٹ کی سرحد پر آباد ہے۔ اس کے جانبِ غرب ایک میل پر موضعِ بلوٹہ علیگڑھ کی حد میں اور جانبِ مشرق اسی قدر فاصلہ پر موضعِ ڈھولنہ ایبٹ کی حد میں ہے۔ جانبِ جنوب موضعِ کناوہ اور جانبِ شمال موضعِ کنوٹی ہے۔ کناوہ، ایبٹ اور کنوٹی علیگڑھ میں محسوب ہے۔

والد مرحوم اردو، فارسی اور حساب و سیاق میں مہارت تامہ رکھتے تھے میاں جی سید حبیب اللہ حسین پوری مرحوم کے شاگرد تھے۔ میاں جی صاحب کا انتقال ۱۹۴۴ء میں بھی ہوا۔ جو ہے، جو ہے راقم السطور کو بھی شرفِ نیاز حاصل تھا۔ فارسی و سیاق کی کتابیں انہیں از بر تھیں۔ فارسی کے اچھے شاعر تھے، ساری طرزی شروانی خاندان کی تعلیم و تدریس میں گزاری بڑے وضع و بزرگ تھے، آخر عمر تک عیدین کی نماز پڑھانے بھاموں آتے رہے۔

والد مرحوم کو تعلیم سے خاصہ لگاؤ تھا فارسی کی کتابیں اور امدادِ شریح کے اردو ترجمے ان کے پاس تھے۔ برادرِ گرامی منشی عبدالماجد خاں مرحوم کی رسمِ بسم اللہ بھیکن پور میں ہوئی، حافظ سید مصطفیٰ حسن ٹکینوی نے کرائی۔ جب میں اس کو کوہنچا تو آبائی وطن بھاموں میں میانچی محفوظ علی برامی کو مکان پر رکھا میری بسم اللہ موصوف ہی نے کرائی، موصوف شاعر بھی تھے۔ فارسی وارد و دونوں میں کافی دسترس تھی۔ دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے۔ آخر جمعرات کو ۶ میل پیدل چل کر قلعہ خضر منزل نواب باہ

لہذا رضی اللہ عنہاں مرحوم کے دربار میں کہا ہوا کلام ہا کر سنا تے۔ علاوہ داد و تحسین کے نذرانہ بھی پاتے۔ مجھ پر غیر معمولی شفقت فرماتے۔ خالق باری مجھے پوری حفظ کرا دی تھی۔ قرآن مجید بھی حفظ کرا نا شروع کر دیا تھا۔ سورۃ بقرہ ہی حفظ کر پاتا تھا کہ سخت بیمار ہو گیا۔ سال بھر میں چار بار موتی جھرو نکلا۔ بعض مرتبہ سرسامی کیفیت بھی طاری ہو گئی۔ ایک سال بعد جب بیمار پو سے نہایت ملی تو سورۃ بقرہ بھول چکا تھا۔ پھر اس معادت سے محروم رہا۔ میاں جی صاحب بیت بازی بھی کراتے رہتے تھے اس لئے سینکڑوں اشعار یاد کرادیئے تھے۔

ہم دونوں بھائیوں کے ساتھ گاؤں کے دوسرے غریب بچے بھی پڑھتے تھے بعض روکے ازادہ شہزاد اپنی ٹوپی میں کانٹے لگالتے تھے۔ میاں جی صاحب کے چپٹ مارنے پر وہ کانٹے موصوف کی انگلیوں میں پیوست ہو جاتے۔ پھر ان کی ڈنڈوں سے کافی مرمت کی جاتی۔ کچھ عرصہ بعد میاں جی صاحب اپنی پیرائہ سالی کی وجہ سے اپنے وطن چلے گئے۔ ہم نے کچھ دن غمناک رہاں صاحب کی چوپال کے مکتب میں منشی محمد ادریس خاں سے بھی پڑھا۔ پھر ہم قصبہ ساور ضلع ایشاپنی خاں صاحبہ کے یہاں گئے۔ تو والد مرحوم نے مولوی عبدالرزاق عرف کلمے مولوی صاحب مرحوم کے پیر و گویا، دو تین ماہ وہاں پڑھتے رہے۔ بھائیوں آئے پرچہ کچھ فورا کوئی انتظام تعلیم نہ ہو سکا تھا اس لئے موصوف نے خود پڑھانا شروع کر دیا غرض یہ ہے کہ ہم بسم اللہ کے بعد سے زندگی کے آخر لمحات تک دیہات میں تعلیمی دشواریوں کے باوجود والد مرحوم نے ایسا کوئی دور ہم پر نہ گزرنے دیا جس میں تعلیمی سلسلہ جاری نہ رہا ہو۔ ہم کہیں رشتہ داری میں جاتے تو وہاں بھی اس سے بچھاؤ چھوٹا ابتدا میں ایک بار میاں جی صاحب کے پاس سے پیشاب کے بہانے سے میں گھڑا کر روپوش ہو گیا والد مرحوم کو پہچاننا تو ایسی مرمت کی کہ آج تک اس کی لذت یاد ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا تھا کہ پھر ہمیں روگردانی کی ہمت نہ ہوئی۔

بھائیوں کو دو سال کے لئے جہیں چھوڑنا پڑا۔ والد مرحوم موضع پنیراضلع علیگڑھ میں نواب بہادر محمد نزل اللہ خاں کی جانب سے عامل و کارندہ بنا کر بھیج دیئے گئے تھے۔ اس موضع کیساتھ اس نواح کا پورا علاقہ جس میں دس بارہ دیہات شامل تھے موصوف کے پیر و گویا گیا تھا اس موضع میں موصوف پہلے زمیندار کی حیثیت رکھتے تھے۔ ہمارے نانا محمد محمود خاں شروانی

بلکین پوری کے ترکہ سے سسرال سے موصوف کو یہ حصہ ملا تھا۔ چونکہ موصوف کے تعلقات و اثرات اہل علاقہ سے دیرینہ تھے اس لئے بڑی شان سے کام چلایا۔ دو سال قیام رہا۔ اس درمیان میں خاص پنہا میں اپنی کوششوں سے پرائمری اسکول جاری کرایا۔ ہم دونوں بھائیوں کی تعلیم کی خاطر پہلے مولوی عبدالعہد خاں پروردی اور پھر حافظ عبدالسلام خاں کٹاوی کو بلا کر رکھا یہ دونوں بزرگ موصوف کے عزیز بھی تھے اس لئے ہم دونوں بھائیوں پر بڑی شفقت فرماتے تھے۔

والد مرحوم کا خیال تھا کہ مجھے انگریزی تعلیم کے لئے مسلم یونیورسٹی میں داخل کرانیں اور براہِ گرامی کو طبعی کالج دہلی بھیجیں۔ اسی سہان کو عربی کی کتابیں شروع کرادی گئی تھیں۔ اس معاملہ میں نواب بہادر سے مشورہ بھی ہوچکا تھا۔ انہوں نے دونوں کے داخل کرنے کا وعدہ کر لیا تھا۔ یہی منصوبہ تھے کہ اچانک والد مرحوم بیمار ہوئے اور بیمار کی استطاعت کھینچنا کھاسب فرما کر ہو گئے۔

اسی درمیان میں نواب محمد ابوبکر خاں رئیس اعظم دادوں منیع ملیک گڑھ نے اپنی جاہ و دیں سے ساڑھے تیرہ ہزار کے منافع کی جائداد ۱۹۲۳ء میں وقف کی تھی اس میں امراس، مساجد، مسافروں کا قحہ بزرگانِ دین کے ساتھ ساتھ ساڑھے تین ہزار مدرسہ عربیہ کے لئے وقف کئے اور اس کے یہ شرط بھی رکھی کہ اہانت، اہنی و سماوی سے اس رقم وقف میں کمی اتنے پر پہلے مدرسہ کی رقم کا لحاظ رکھا جائے گا۔ اس رقم سے کچھ بچے کا توحصہ صدی تقسیم ہوگا۔ چنانچہ ۲۴ نومبر ۱۹۲۳ء کو مدرسہ عربیہ کا افتتاح وادوں میں کر دیا گیا۔ مولانا وجیہ الدین احمد خاں، امبوی اور مولوی جن الدین چھوڑی مرحوم نے درس و تدریس کی ابتدا کی۔ مولوی محمد شریف خاں، مولوی نور محمد، مولوی سید مسعود علی، مولوی نظام الدین نوشوی، مولوی رفیق علی سہارنپوری، مولوی قسطنطنیہ خان تروہی حافظ عبدالرؤف ملیک دھمی، مولوی محمد مسلم چھوڑی، مولوی محمد ابوظفر خاں چھوڑی وغیرہم اسباقون "اداون" کا درجہ رکھے ہیں۔ طلبہ میں سب سے پہلے ہی لوگ داخل مدرسہ ہوئے تھے۔

انہیں ایام میں والد مرحوم کا انتقال ہوچکا تھا۔ ہمارے چھوٹے ماموں منشی محمد علی خاں شروانی بلکین پوری اس وقت موضع کنولی میں مولوی محمد جان خاں شروانی رئیس دادوں کی طرف

سے کارندے تھے۔ جماعوں کنوئی سے ایک میل پر واقع تھا اس لئے اکثر آمد و رفت رہتی اور
 ہر طرح جم سب کی دلہی کرتے رہتے۔ موصوف نے برادر گرامی کو تو سیاق و سبب لکھا ناشر مرع
 کیا اور مجھے دادوں لیکھا کہ مدرسہ عربیہ میں داخل کر دیا۔ ۱۹۲۵ء میں جبکہ میری عمر دس گیا سال
 تھی میں نے عربی شروع کی، چھ مہینہ مدرسہ کی ماہ پہلے شروع ہو چکا تھا اور طلبہ سال اول کا کافی نصاب
 ختم کر چکے تھے اس لئے یہ صورت رہی کہ دن میں اسباق میں مشرکیت مہتا اور بعد مغرب مجھا اور مولوی
 حبیب الرحمن کنوئی کو جو میرے ساتھ ہی داخل ہوئے تھے مولانا وجیہ الدین احمد خاں دوڑس الادب
 اور میزان الصرف پڑھاتے۔

نواب صاحب کو مدرسہ سے بڑی دلچسپی تھی۔ جسے فیاض، سیر چشم اور عالی حوصلہ انسان تھے
 علم کی بڑی عزت کرتے اور طلبہ کو گھر سے زیادہ آرام پہنچاتے۔ سرکشی، ہیبت بازی اور فٹ بال
 بیچ وغیرہ کراتے تھے اور جیتنے والوں کو انعامات و اکرامات سے نوازتے۔ طلبہ کی ساری ضروریات
 زندگی کا مدرسہ کفیل تھا۔ نواب صاحب کی داد و دہش مزید براں تھی۔ ہندستان کے ہر گوشے سے
 طلبہ پہنچنا شروع ہو گئے۔ اساتذہ کے تبحر اور منت و شفقت نے مدرسہ کو اور چار چاند لگائے۔ دیکھتے
 دیکھتے دارالاجل خطہ دارالعلوم بن گیا۔ ایک بی بی صاحبہ نے چار پانچ ہزار سالانہ آمدنی کا وقف کر دیا
 پھر بھی اغراجات دیکھتے ہوئے گئے تو نواب صاحب کی ذات کفیل بن گئی۔ نواب صاحب کا نام ۱۲ رمضان
 ۱۳۵۴ھ مطابق ۱۹۳۵ء کو مسلسل غلات کے بعد انتقال ہو گیا تو ازر وئے وقف نامہ مرحوم کے
 برادر خرد نواب حاجی محمد غلام محمد خاں حافظی رئیس عظیم موہن پور و دادوں مدرسہ اور وقف کے
 متولی ہوئے۔ موصوف نے برادر گرامی کے نقش قدم پر چل کر مدرسہ کی شان و عظمت کو ذرا بڑھ
 لگنے دیا موصوف نے ۴ ربیع الاول ۱۳۶۲ھ مطابق ۱۹۴۳ء کو اپنے پیرو مرشد حافظ محمد اسلم
 خیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ کے آستانہ پر جان، جاں آفرین کے سپرد کی اور وہیں پائیس میں دفن ہوئے
 مرحوم کے بعد واقف کے علم ناذ بھائی مولوی محمد جان خاں تین سال سے متولی ہیں۔ آپ کے
 دو تولیت میں نصف درجن طلبہ سے زیادہ کبھی تعداد نہیں ہو سکی اور شاید کبھی کوئی توقع نظر
 آتی ہے۔

مدرسہ میں حافظ قاری مولوی غلام نجی الدین خاں علی بھٹی اور مولوی حفیظ الدین کرمانی خیر آبادی مرحوم

کا تقریبی ہو چکا تھا۔ اول الذکر سے شوقِ قرارت سال ڈیڑھ سال کی۔ ان دونوں استادوں نے بھی دہری کتابیں پڑھائیں۔ ماسرید مظہر علیہما صاحب فرید آبادی مرحوم پرائیویٹ سیکرٹری، نوب صاحب مرحوم سے انگریزی بھی شروع کر دی تھی۔ عربی ترجمہ اور خوشنویسی کی شوق مولوی حاجی محمد سلامت اللہ پکھنوی نصرت استاد العلما مولانا مفتی محمد عطف اللہ رحمۃ اللہ علیہ سے جو شرفِ منزل پر اجودادوں سے نصرت میل پر واقع ہے، اقامت گزری تھی وہاں شام کو جا کر کرنا پڑتی۔

اسی دو میان میں ایک مرتبہ قدوة السالکین ربقة العارفين مولانا الحاج محمد باوی طیفان سہا پوری رحمۃ اللہ علیہ مرحوم کے ایام میں نوب صاحب کی استعداء و اصرار پر داوود تشریف لائے۔ واقعات کو پڑھ کر کئی تقریریں ہوئیں۔ کچھ اس انداز سے واقعات کی تصویر کشی فرماتے کہ سننے والے بے قابو ہو کر جنیں مارنے لگتے۔ بیان میں وہ اثر تھا کہ بچے بوڑھے سبھی روتے روتے بے حال ہو جاتے۔ جب تک مولانا کا قیام رہا موصوفہ و تقاریر کا سلسلہ جاری رہا۔ میں بھی اپنی نوعمری و کم علمی کے باوجود بڑا متاثر تھا۔ سینکڑوں آدمی مولانا سے بیعت ہوئے۔ تقریباً سارا مدرسہ ہی بیعت ہو گیا، انھیں میں سے میں بھی تھا۔

مولانا کی عمر نوے سال سے تجاوز تھی۔ کبھی پر دوسرے اظہارِ مجلس میں لاتے۔ دو چار قدم سے زیادہ نہ چل سکتے تھے اور وہ بھی دوسروں کے کانڈھوں پر ہاتھ رکھ کر، حضرت شاہِ حافظ محمد اکمل شیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ کے غلیظہ اور نواب صاحب مرحوم کے پیڑھائی تھے۔ اسی نسبت سے کبھی داوود آجاتے تھے۔ نواب صاحب کے والد ماجد نواب محمد سعید خاں مرحوم اور تقریباً پورے خاندان حافظ صاحب جی سے بیعت تھا۔ مولانا نے اس پرانے مانی کے باوجود ہمیشہ تراویح مسجد پہنچ کر پڑھیں اور رمضان میں پورا قرآن پاک تراویح میں کسنا۔ پایہِ شریعت اور متبع سنت تھے۔ وہ مجلس وغیرہ کئی کتابوں کے مصنف ہیں۔

۱۰ ربیع الاول ۱۳۴۸ھ بروز شنبہ میرٹے معالیٰ خاں لکھنؤ میں انار شریف میں وصال ہوا اور وہیں مدفون ہوئے۔ کچھ مذہبی تقریبات کے لئے انار شریف کے لئے وقف بھی فرما گئے ہیں۔ ہر سال ربیع الاول میں موتے مبارک سرکار رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس جگہ زیارت ہوتی ہے، بڑا جہوم ہوتا ہے مجھے یہ سعادت بھی حاصل ہے کہ دفن میں شریک ہوا اور اطری ہار

زیادت سے بعد وفات مشرف ہوا میں اس وقت خیر آباد میں پڑھتا تھا۔ خیر آباد دکن سے پچاس میل ہے۔ اطلاع آنے پر کافی لوگ وہاں سے گئے انہیں میں میں بھی تھا۔

میں شرح تہذیب، تاریخ الخلفاء، قدوری وغیرہ پڑھ رہا تھا کہ مدرس میں نیا انقلاب آیا۔ مولانا وجیہ الدین احمد خاں رامپور شریف لے گئے اور مولانا شاہ عہد الدین سنبھلی نے منہ بصدار فتح پوری مسجد دہلی سے اگر سنبھالی لے گئے وہ تعلیمی سال ختم کر کے دوسرے سال ذی قعدہ ۱۳۴۷ء مطابق ۱۹۲۹ء میں غلاب صاحب سے ہاضما بطاعت عاجل کر کے میں خیر آباد چلا گیا۔ یہاں مدرسہ عربیہ نیازیہ میں مولانا حاجی محمد بشیر خاں رامپوری سے ۲ ذی الحجہ ۱۳۴۷ء مطابق ۱۹۲۹ء کو جلالین قطبی اور بدر سعید یہ شروع کیں۔ دیوانہاں احمد سادیب مدرسہ مولانا حافظ عزیز الرحمن مدوی سے شروع کیا۔ میں تقریباً سات سال تک خیر آباد رہا۔ ان دونوں اساتذہ نے پوری دیکھی و شفقت و توجہ میرے حال پر مبذول رکھی۔

مدرسہ میں ۹ ذی الحجہ ۱۳۵۱ء مطابق ۱۹۳۳ء بروز شنبہ ایک طلبہ کی انجمن بھی قائم کی جس کا نام انجمن اشاعت الدین رکھا۔ ہر ہفتے خاص خاص موضوع پر تقریریں ہوتیں خیر آباد کے اکابر اور ارکان مدرسہ کو بھی دعوت دیکر شریک کرتے۔ متوفی مدرسہ اس کے نگران مولوی منظور احمد خاں رامپوری مدرسہ مدرسہ صدر، اور میں ناظم بنایا گیا تھا۔ انجمن کے لئے دارالمطالعہ علیہ قائم کیا جس میں کتابوں کے علاوہ رسالے و اخبارات بھی جاری کرائے۔ اکابر اسلام کی تاریخ وفات پر مختلف مقررین ان کے حالات بیان کرتے۔ سالانہ مجلس سیرت و میلاد بھی منعقد ہوتی جس میں باہر سے کسی اچھے مقرر عالم کو مدعو کیا جاتا۔

۱۹۳۳ء میں زلزلہ بہار کے موقع پر ہماری انجمن نے بڑا کام کیا خیر آباد سے کافی رقم جمع کر کے نائب میر شریعت بہار مولانا محمد سجاد اور دوسرے ذمہ دار حضرات کو بھی اخبار الختم حقیقت وغیرہ میں میرے مضامین چھپتے تھے انجمن شائع ہوتے رہے۔ خیر آباد میں رہ کر شعر و شاعری سے بھی دلچسپی جو گئی تھی مشاعروں میں مٹھی نزل بھی پڑھتا۔ رسالے مینانہ، انتخاب اور ان نظموں غزلوں اور شاعری سے متعلق مضامین بھی شائع کرتا رہتا۔ سرگزشت علیگڑھ میں بھی اکثر کچھ لکھ چھپا رہتا۔ مرزا ابراہیم بیگ مرحوم بڑی محبت و شفقت فرماتے تھے۔ علیگڑھ آنے پر موصوف بھی کے یہاں قیام رہا ۱۹۳۴ء

میں نواب بسااور محمد مزمل اللہ خان شروانی نے آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے سائل اجلاس میرٹھ میں جو خطبہ صدارت پڑھا اس کا عربی ترجمہ کر کے ۱۰ دسمبر ۱۹۳۲ء کو مرحوم کی خدمت میں پیش کیا۔ موصوف جیش کی طرح بڑی شفقت سے پیش آئے اور ۱۲ دسمبر ۱۹۳۲ء کو نواب حاجی غلام محمد خاں حافظی مرحوم کو ایک خط لکھا جس میں میرے متعلق یہ سطور بھی تھیں۔ یہ خط میرے پاس محفوظ ہے:

عزیز و بھلا شاہد خاں نے میرے خط کا انفرنس کا عربی ترجمہ دکھایا۔ میں بہت کستا ہوں کہ میں اس ترجمہ کو پڑھ کر حیران ہو گیا اور میرے دل نے ہزار ہا تحسین و آفرین کہیں۔ آپ کے اس خیر جاری کو آپ کی مدد اور توجہ سے ایک غریب دیہاتی عزیز اس قدر قابلیت اور لیاقت سے مستفیض ہوا ہے آپ کے حق میں اور نیز اس کے حق میں صدقِ دل سے دعا کرتا ہوں۔ میں ان کے مضامین اور اشعار متعدد اخبار میں پڑھتا رہا ہوں لیکن اس عالمانہ قابلیت کا مجھ کو وہم و گمان بھی نہ تھا۔ جزا اکھرا اللہ خیر الجزاء و حفظکم من کل البلاء والابتلاء
امین شوامین۔

علامہ الامام مولانا معین الدین اجیری کا تذکرہ علم و فضل مولوی حکیم غفر الحق اور مولوی حکیم حافظ احمد علی خیر آبادی سے اکثر اچکا تھا۔ خود جب ۱۳۵۲ھ میں اپنی آنکھوں سے اس سے بڑھ کر مشاہدہ کیا۔ مولانا کے دربار میں کے دربار میں شبان ۱۳۵۲ھ میں مستقل طور پر پہنچ گیا۔ مولانا کے تذکرہ میں اپنے قیام اور تعلیمی نظام کے متعلق مختصر اسب کچھ لکھ چکا ہوں۔ اس تذکرہ کا حال اس پٹے خط سے معلوم ہو سکتا ہے جو موصوف نے میرے خدمت میں پہنچنے سے قبل میرے خط کے جواب میں لکھا تھا۔ اس نامہ گرامی سے وقارِ علم، ادب، ہمت اور استقلال کے پہلو بھی معلوم ہو سکیں گے:

عزیزم! صانکھرا اللہ تعالیٰ عن التوائف و حکیم السلام و رحمۃ اللہ وبرکاتہ۔
رقیمہ و داد موصول ہوا۔ آں عزیز کی روانگی کے بعد جناب مولوی حکیم احمد علی صاحب کاسفار ششی خط موصول ہو گیا تھا، اس کا جواب بھی دے دیا گیا کہ تعمیل ارشاد

ہوگی۔ آپ کے جانے کے بعد پھر جسے کئی تکلیف میں فقیر مبتلا ہو گیا۔ اب تک اس کے شدید درد میں مبتلا ہوں، پھوڑا لگدی پر نمودار ہوا ہے، عمل جراحی بھی اسپر ہو گیا ہے۔ آپ میری جانب سے بالکل مطمئن رہیں۔ میں جیسا آپ کی حضوری میں تھا ویسا ہی اب ہوں۔ آپ صرف اپنے شوق و اغلاس پر نظر رکھیں جس قدر شوق علم اور میرے ساتھ اغلاس آپ کو ہوگا اسی قدر میری توجہ آپ کے حال پر ہوگی، غائب کیا خوب کہتے ہیں سہ

مت پوچھ کہ کیا حال ہے میرا ترسے پیچھے
یہ دیکھ کر کیا رنگ ہے تیرا میرے آگے

اس فلسفہ پر آپ نظر کریں گے تو ہمیشہ مطمئن رہیں گے۔ حق تعالیٰ آپ کو فائز المرام کرے اور سلسلہ خیر آباد کو آپ کے دم سے زندہ رکھے۔ ہم تو اب قبر میں پڑ چکے ہیں، آپ ہی جیسے ارباب شوق و جوانوں سے بقا پسندی تو قعات قائم کئے ہوئے ہیں۔ والسلام فقط

فقیر معین الدین کان اشد لہ دار النور اجیر

(۱۲ رجب ۱۳۵۴ھ)

سچسی زندگی کا آغاز اجیر ہی سے ہوتا ہے۔ مجلس حرار اجیر رحمہ سے ختم ہو چکی تھی۔ ۱۰ فروری ۱۹۳۸ء مطابق ۸ رجب ۱۳۵۶ھ کو اس کا دوبارہ افتتاح ہوا مجھے بھی اس کا رکن بنایا گیا۔ اس کے قبل میں انڈین نیشنل کونگریس کا پرمنا بطور ممبرن چکا تھا۔ ۲۱ جنوری ۱۹۳۸ء مطابق ۱۸ رجب ۱۳۵۶ھ سے مستقل کھتر پسند شروع کر دیا۔ دونوں جماعتوں کا رکن و ممبر بن جانے کے بعد سیاست میں عملی طور پر حصہ بھی لینا پڑا۔ اکثر تقریریں بھی سیاسی جلسوں میں کرنا پڑیں۔ اس وقت فلسطین پر بڑا جبر و تشدد جاری تھا جو قعات ہندستان تک پہنچتے تھے انہیں پڑھ پڑھ کر خون کھوتا تھا۔ یوں فلسطین کے مسئلے میں طبیعت پر قابو نہ رکھ سکا اور پوری بافیاد تقریر جانفش جہانی میں کر ڈالی۔ اس سے قبل تین تقریریں اسی قسم کی خطرناک اور رک چکا تھا۔

بالآخر ۱۵ دسمبر ۱۹۳۸ء کو گرفتار کر لیا گیا۔ بعد میں کئی ہزار کی ضمانت اور چیلکوں پر رہائی ہوئی

مقدمہ چنانہ شروع ہوا۔ مسٹر اختر حسین اسسٹنٹ کمشنر کی عدالت میں ۶ ماہ تک پیہم پیشیاں ہوتی ہیں
 کئی کئی گھنٹے کٹھن سے میں کھڑا رہنا پڑتا۔ فیصلج اوقات کے سوا کچھ حاصل نہ تھا۔ یہ وقت میرے بڑے
 بڑے امتحان کا تھا۔ حضرت استاد پاؤں سے معذور اور صاحب فراش تھے، حصول علم اور خدمتِ شیخ اولین
 مقاصد زندگی تھے۔ ادھر سرپرستوں اور بزرگوں کا تعاون تھا کہ یہ کچھ کر گورنمنٹ راجپوتانہ میں نقل کر دیا
 جائے کہ دورانِ تعمیر و قیام اجیس میں سیاست میں حصہ نہ لوں گا۔ اس بے یقینی پر آمادہ نہ ہونے پر تمام
 سرپرستیوں سے ہاتھ کھینچ لیا گیا اور بے تعلقی کا اظہار کر دیا گیا۔ یہ بھی مبرور شکر کے ساتھ برداشت کیا
 اب وہ وقت آیا کہ عدالت کے کٹھن سے میں جن فخروں پر مقدمہ چلا تھا ان کے متعلق مجھ سے پوچھا گیا
 میں نے تمام باتوں کا اقرار کیا۔ اخبار انجیم دہلی، احرار سمار نیپور، اور معین اجیس اس کے شاہد ہیں
 آل انڈیا مجلس احرار اور جمعیتہ العلماء ہند کے ناظمان نے لکھا کہ اس وقت جیل جانا مقصد میں شامل
 نہیں، بلا وجہ بند ہونے سے فائدہ نہیں، ان کا مطلب یہ تھا کہ اگر فیصلہ عدالت ہو تو پویل کی جائے کر اس کی
 فوٹ ہی نہیں آئی۔ چھ ماہ کی زبان بندی کا محشر ریت نے حکم سنایا اور یہ چھ ماہ اس وقت ختم ہوئے جب
 حضرت الاستاذ ذنیاس عالم آخرت کو روانہ ہو چکے تھے۔

قدرت کا نظام نو دیکھئے کہ زبان استاد کے جبرِ تعزیت میں کھلی جو کانگریس کمیٹی کی طرف سے ہماؤن
 ہال میں ۲۴ فروری ۱۹۳۰ء کو منعقد ہوا تھا۔ میں ۱۹۳۹ء میں شہر کانگریس کمیٹی اجیر اور ۱۹۴۰ء میں صوبہ
 کانگریس کمیٹی راجپوتانہ کا منبر منتخب کیا گیا۔ مجلس احرار کا زمرہ دار علیہ اور بھی بنا دیا گیا۔ جمعیتہ العلماء ہند کا
 رکن مرکزی بھی رہا۔ اجیر سے واپسی پر ایک سال تک احباب نے صدر مجلس احرار علیگڑھ بنادیا صوبائی
 اور مرکزی کی رکنیت بھی سزا دل دی۔ عام ونمود سے نفرت اور ملی و تعلیمی مشغولیت نے سیاسی انہماک
 سے باز رکھا ورنہ اب تک خدا جانے سیاست کی کس منزل پر پہنچ چکا ہوتا۔

مولانا کی وفات کے ایک ماہ بعد میں اجیر سے خیر آباد پنپا اور واپاں ایک ہفتہ رہ کر دادول
 پنپا اور دسر عریہ حافظہ سعید پر ریاست دادول میں علیگڑھ میں ۲۲ مئی ۱۹۴۰ء مطابق ۱۹۴۰ء
 سے فرائض کرس و تدریس انجام دینے لگا۔ سب سے پہلے سابقہ ہدایہ جلد ثالث، مسلم الثبوت اور
 تفسیر بیضاوی سے پڑھا، ان کے علاوہ دوسری کتابیں بھی زبردس رہیں۔ خدا کا شکر ہے کہ تین
 سال تک اپنی بساط کے مطابق دیباچہ تدریسی سے یہ فرض انجام دیا اور اس درمیان میں متولی تدر

یہ ان مہنتی اور طلبہ کو کسی تعلیمی و انتظامی شکایت کا موقع نہ ملا۔

متوفی مدرسہ نواب حاجی محمد غلام محمد خاں عارفی کا ربیع الاول ۱۳۶۲ھ میں انتقال ہوا۔
 او۔ تانوں وقت نامہ کے مطابق واقع کے ہم زاد مجاہد مولوی محمد جان خاں رئیس دادوں متولی
 ہوتے ہیں۔ موصوف مدرسہ کا یہ سال کسی نہ کسی طرح پورا کرتے ہیں۔ تپیل کلاں کے محبوب مدرسہ
 کہلاتے ہیں۔ مولانا محمد امجد علی اعظمی، مولوی محمد شریف خاں دادونی، اور راقم اسطور کو مطلع کیا جاتا
 ہے کہ مدرسہ خرابیوں کا اس قدر بار برداشت نہیں کر سکتا ہے اس لئے آپ کی خدمات سے
 محرومی پر افسوس ہے۔ مولانا محمد امجد علی اعظمی سات سال سے صدر مدرس تھے۔ بمبئی، اتر پردیش
 مدرسوں کے صدر مدرس رہ چکے تھے۔ کمرہ مشق کی بنا پر درسیات میں پوری مہارت رکھتے ہیں۔
 مولانا جاہدیت اللہ خاں جو پوری مرحوم غیہ حضرت علامہ فضل حق خیر آبادی کے شاگرد اور مولانا سید
 سلیمان اشرف بہاری مرحوم سابق صدر شعبہ دینیات مسلم یونیورسٹی علیگندہ کے ہم درس اور استاد
 برادر ہیں۔ مولوی محمد شریف خاں مدرسہ دادوں ہی کے فارغ التحصیل اور اس کے سب سے پہلے
 طالب علم ہیں، فراغت کے بعد اسی مدرسہ میں مدرس ہو گئے تھے، ان دونوں کے استحقاق اور
 قدیم علاقہ کا بھی خیال نہ کیا گیا۔ ہمارے بعد مولوی غلام امام پورس بدایونی کو صدر مدرس بنایا گیا،
 وہ بھی دو برس میں تنگ آکر شہان ۱۳۶۵ھ میں وطن چلے گئے۔ اب مدرسہ جس منزل سے گزر
 رہا ہے اس کا ذکر اور پکا ہے۔ خدا، مولوی سید مسعود علی کو ثبات و استقلال بخشے۔ کہیں وہ
 بھی بددل ہو کر نہ کسی اختیار نہ کر لیں۔ موصوف بھی اس مدرسہ کے "اسابقون الاولون"
 میں سے ہیں۔ رامپور اور فاضل سے سند فراغت حاصل کر کے کئی سال مدرسہ قادریہ بدایوں میں
 مدرس رہنے کے بعد جناب مولوی امین الدین چھروی کی ولایت پر دادوں پہنچ کر مدرسہ جوئے
 اور دو سال سے علمی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ چار میل پر آبائی وطن ہے اور وہ میل پر والد ماجد
 لازم ہیں اس لئے موصوف قرب کی بنا پر دادوں اقامت گزریں ہیں۔

دادوں سے سبکدوشی کے بعد شوال ۱۳۶۳ھ میں نواب صدر یار جنگ بہادر نے اپنے کتابخانہ
 حبیب گنج میں جا کر بعض اہم خدمات سپرد کیں۔ ابھی پورا سال بھی ختم نہ ہوا یا تھا کہ میں ایک چھانک عاشرے
 دوچار ہو گیا۔

اجیر سے واپسی اور مدرسہ داوول میں تقرر کے بعد میں نے یہ مناسب سمجھا کہ ایسی جگہ سکونت اختیار کی جائے جہاں سے ملکی سہولتیں حاصل رہیں۔ آبائی وطن بھاموں شرک سے دور غام نامہ پر واقع تھا۔ جمہوری قائدانہ شروعاتی کام کرنا اور قدیم مسکن تھا۔ یہ دو تین ہزار کی آبادی کا بڑا گاؤں شرک کے بالکل کنارے واقع ہے، دو فرلانگ پر ندی بہتی ہے، ۳ فرلانگ پر صیب گنج و بھیکن پور اور دوئل پر جانب جنوب داوول اور اتنے ہی فاصلہ پر جانب شمال قصبہ چترہ ہے جہاں انانج کی بڑی منڈی، تانگر، اور لاری اور کچا کا ڈاکا ہے۔ تمام ضروریات زندگی وہاں سے پوری ہوتی ہیں موشیوں کا ہسپتال اور طبیوں اور ڈاکٹروں کی پرائیویٹ وکانیں بھی ہیں۔ قصبہ داوول میں مدرسہ عربیہ نقانہ اور شفا خانہ ہے۔ مدرسہ عربیہ داوول اور کتب خانہ صیب گنج کے قرب کی وجہ سے جمہوری میں مستقل سکونت اختیار کرنا طے کیا اور نواب صدر یا جنگ بہادر سے مقول مہاجرہ دیکر جامع مسجد سے متصل ایک بلند اور چواروں جانب عمارت کے لئے حاصل کی اور اس پر غام اور پختہ عمارت اپنی سہولت و ضرورت کے مطابق ۱۳۶۱ھ مطابق ۱۹۴۲ء میں تیار کرا کے پیر و مرشد کے نام پر ”ہادی منزل“ نام رکھا۔ شاہد رحمت مقصود سے ہادی منزل“ تاریخی مصرع ہے جس کا پتھر بیرونی برآمدہ کے وسط پر نصب ہے اس جگہ کے دوسرے لوگ بھی خواہشمند تھے اور مدتوں سے اس کے حصول کی کوشش کر رہے تھے۔ نواب صدر یا جنگ بہادر نے ان سب پر راقم اسطور کو ترجیح دی تھی

میں رجب ۱۳۶۴ھ مطابق جون ۱۹۴۵ء میں ایک ہفتہ کے لئے اجیر عرس میں چلا گیا۔ میرے متعلقین اپنی رشتہ داری میں سہا و رو بھیکن پور پہلے گئے مکان مقفل اور دروازے پر آدمی سو رہا تھا کہ ۱۵ جون ۱۹۴۵ء کی شب کو ایک منظم سازش کے تحت مکان میں مٹی کا تیل اور بیڑول چھڑک چھڑک کر آگ لگا دی گئی، سامان، چھتیں، در و دیوار سبھی کچھ جل کر بھسم ہو گیا۔

خدا شاہد ہے کہ اس حادثے نے میرے دل کو ذرا بھی متاثر نہیں کیا اور میں اس بے سرو سامانی میں بالکل ہی طرح مطمئن رہا اور مجھ جیسے سامان راحت کی موجودگی میں رہتا تھا اور حسبِ مشاہدہ خداوندی و احسانِ عہدہ سر بک فحادث کہہ سکتا ہوں کہ حضرت عتیل، بکپوری کے اس شعر کا مصداق ثابت ہوا،

تو کل کا پشما ہے کہ امینان پسید اگر

دھوسامان کا پابند یہ سامان پیدا کرا

آینا نشوں کا مقصد انسان کا ثبات و استقلال دیکھنا ہوتا ہے۔ خدا کا ہزار ہزار شکر ہے کہ میں اس امتحان میں کامیاب ہوا اور امید ہے کہ زندگی کے ایسے بیشمار حوادث کا جو قومی زندگی کے لوازم سے ہیں، مقابلہ کرتا رہوں گا۔

سیاسی طور پر میرا مسلک بالکل صاف ہے۔ استقلال وطن و قوم کے لئے تمام ہندوستان سے شراک و اتحاد اور غیر ملکی حکومت کی بیخ کنی و امتیصال، ہر آزادی خواہ جماعت سے تعاون و ہر رجعت پسند گروہ سے ہیزاری و تنفر، ہر شیعہ و سنی سریت کے ساتھ صفا آرائی اور ہر شیعہ و سنی سے گریز پائی، انگریز اور ہندوستان کے سوال پر پورا ہندوستان فی اسلام و کفر کے سوال پر پکا مسلم و شیعہ سنی کے سوال پر پختہ سنی۔ یہی میرا مسلک ہے اور یہی سیاست، یہی میرے غیر آبادی، ساتھ کا طریقہ تھا، اور یہی میرا طریقہ،

مکان کی تعمیر کے بعد ہی میرا نکاح ۲۸ ربیع الثانی ۱۳۶۱ھ مطابق ۱۵ مئی ۱۹۴۲ء بروز جمعہ سنبھلی ماہوں فلک حاجی محمد عمران خاں شروانی بھیکین پوری کی بڑی صاحبزادی سے ہو چکا تھا۔ منشی عبدالعزیز خاں شروانی بھیکین پوری اور منشی اظف الرحمن خاں ڈوسوئی شاہد تھے۔ چار ہزار روپے رائج الوقت مهر مقرر ہوا، مولانا شاہ مصباح الحسن مودودی بھونڈوی نے نکاح پڑھایا۔ ایک سال کے بعد ۱۵ جمادی الاول ۱۳۶۲ھ مطابق ۱۹ مئی ۱۹۴۳ء کو شخصیت ہوئی۔ مکان کے حادثہ آتشزدگی کے ڈھائی ماہ کے بعد خدا نے کیا بانی یعنی ۱۸ رمضان المبارک ۱۳۶۲ھ مطابق ۲۷ اگست ۱۹۴۵ء بروز دو شنبہ بعد شام روزِ بیدار عطا فرمایا، آثارِ خوش طالعی چہرہ سے جوید ہیں،

بالائے سرش زہوشمندی

میناف ستارہ بندی

نیک فال کی طور پر محمد مجاہد خاں نام اور جمال میاں اور رشدی میاں خطاب رکھا گیا۔ مجاہد صرف شاہد کا قافی ہی ہے بلکہ اس نے شاہد کو مفت میں "ابوالمجاہد بھی بنا دیا ہے اور الاسماء مستنزل من السماء کے مطابق فال نیک بھی ہے۔ خدا زندگی دے تو صاحب رشد و ہدایت اور محقق و مجاہد بنے۔ یہی انسان کی سب سے بڑی معراج ہے۔ صحت و تندرستی اور حسن و خوبی میں ہزاروں میں ممتاز ہے اللہم احفظہ من شر النواصب! ذرا سی ترسیم سے

محمد عبدالشاد خاں شروانی تاریخی نام بن جاتا ہے۔ شریک حیات عبدالطفلیت ہی میں شفقت ماکھی سے محروم ہو چکی تھیں۔ سوئیہاں کے واسطے نے دہشتی مزاج عادت ثانیہ بنا دی۔ از دو اجماعی رشتہ کے بعد بھی اس میں کمی نہ آسکی جس کی وجہ سے گھر حنٹ تو نہ بن سکا مگر خدا کا شکر ہے کہ جو بھی نہ بنا، جیسے بس است !

اب ایک سال سے یعنی ۳۰ ستمبر ۱۹۴۵ء مطابق ۱۳۶۴ھ سے لندن لائبریری مسلم یونیورسٹی علیگڑھ کے اورینٹل اسٹنٹ لائبریری کے عہدہ پرفرائض منصبی انجام دے رہا ہوں۔ لندن لائبریری اپنے فوادِ محفوظات کی وجہ سے بڑی دولت کی مالک ہے۔ مولوی سبحان اللہ خاں گورکھپوری مرحوم مولانا عبدالسلام مرحوم، مرزا شہسباز آزاد آبادی مرحوم، مولانا احسن مارہروی مرحوم اور دوسرے اکابر کے کتب خانوں کے شمول نے اسے اور بھی مہمیت دے دی ہے۔ نواب صدر یا درجنگ بہادر نے اپنا نادارڈو کتب خانہ بھی از روئے وقف نامہ ۱۳۶۴ھ اپنی وفات کے بعد مسلم یونیورسٹی میں ایک عمدہ عمارت کتب خانہ کے عمارتی فنڈ سے بنا کر منتقل کرنا تجویز کر دیا ہے۔ اس کتب خانہ کے شامل ہونے کے بعد لندن لائبریری ہندستان کا بے مثال مشرقی کتب خانہ بن جائے گی۔

ان دو اشعار پر جو زندگی کی صحیح تصویر بھی ہو سکتے ہیں اس بے کیف داستان کو ختم کرتا ہوں :

تا زما صورتے بگرفت ثبل ساختند
نغمتے دل بکجا جمع شد گل ساختند
انچہ کم از طاقت باشد بیکینش فزود
صبر بابر دند و در پیش تغافل ساختند

محمد عبدالشاد خاں شروانی

کرشنہ، یوم عید الانبی ۱۳۶۵ھ

مطابق ۵ نومبر ۱۹۴۶ء

عکس

نامہ گرامی خاتم الحکماء علامہ فضل حق خیر آبادی بنام مولانا سلطان حسن
صدر الصدور (خسر قاضی محمد خلیل رئیس بریلی) مؤرخہ ۱۲۷۲ھ

عطیہ قاضی موصوف القندہ جناب نواب صدیار جنگ بہادر
مولانا محمد حبیب الرحمن خاں شروانی سابق صدر الصدور مملکت
حیدر آباد دکن، آنریری سیکریٹری آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس

صدر دارالمصنفین اعظم گڑھ

رئیس حبیب گنج ضلع علیگڑھ

نقل خط

نامه گرامی خاتم الحکام علامه فضل حق خیر آبادی

برخوردار اعزاز جهان سعادت و اقبال نشان سلطنته تعالی
بعد تحمید و تشاره و دعاء و تمنا مطالعہ نمایند کہ مسرت نامہ بہجت افزا ہو خدا ہر
جولائی وصول مسرت آورده مسرور نمود و ابواب انشراح و انبساط بر روی
فاطر وابستہ کشود پدر یافت صحت و عافیت آن برخوردار و شفا یافتن
والدہ ماجدگان برخوردار کہ برائے استعلاج رونق افزواری شدہ بودند پاس
انجمنی بجا آوردم از حدتہ عال مقز آن برخوردار معلوم نبود و بہیں سبب ارسال
مکاتبات صورت نہ بست حالا از نوشتہ آنحضری یحییٰ مولوی نور الحسن صاحب
رونق افزواری آن برخوردار و سر دہنہ پدر یافت آمدہ حالا انشاء اللہ تعالیٰ مشکات
خوابد ماند و بآنے ہیچندہ را اینجا ہم بشدت بودہ است حالا بفضل الہی رو بہی
آورده است در شاہجہاں آباد ہنوز در اشتہار است او ہیچانہ کہ دفع البلیات
است ایں بلیر از ہر جاد فح فرماہد بخیر و صبیحہ و آذالہ مجاہدہ دریافت ارتحال
مولوی محمد حسین خالصاحب مراد آبادی در کول سخت تاسف شدہ او ہیچانہ
بیامرز و تحقیقت در ایں زمانہ مقنن بودند ایں و با امسال در تمام ہندستان
شیوہ کردہ در اگرہ و مستقرا و بھر تہویر و الور و فوجی آن بسیا داشتہ ادا داشت
حالا بفضلہ سبحانہ تخفیف است و الحمد للہ !
امروز روز پانزدہم است کہ برخوردار نورالابصار مولوی عبدالحق سند

اللہ تعالیٰ نزد من رسیدہ اند چوں مہاراجہ بہادر را چند سے برونی بخشش پانچ ۱۰
 دوازدہ کرد ہے الورا تہ و ہنوز معاودت نکر دہ اند ملازمت بر خور دار صورت نہ
 بستہ است در اینجا شغل تدریس بیشتر است شانزدہ سبق می شود مولوی نور احمد
 صاحب افق البینین مع ماشیہ داعی از میان مولوی عبدالقادر شرح اشارات
 و محاکات و شرح قاضی مع ماشیہ میخوانند فہم درست دارند، بر خود ارمولوی
 عبدالحق نیز سہ چہار سبق داشتہ دیگر بجز تہنا چہ نویسم لازم محبت آنست کہ د
 ہر ماہ خطے متفہن حال خیر اشتغال خود حوالہ ڈاک بیرنگ کردہ باشند خطے کہ بر
 ڈاک بیرنگ می یابد بیشتر سے رسد و ہمیں جہت بندہ التزام کردہ است
 کہ ہر کس خطوط بیرنگ میفرستم والسلام

راقم محمد فضل حق ختم اللہ لہ با محسنی بہ نجمہ مجربہ ۱۲۷۲ھ در درخشنہ
 بر خود ارمولوی عبدالحق و مولوی نور احمد صاحب و مولوی عبدالفت در
 سلام و تہنات میرسانند و بارہ لالہ فی لال حتی الوسیع توجہ و ریغ نشود۔



الْيَوْمَ لَا أَهْجِي

باغی چمنستان

۱۵۰ء کی جنگ آزادی کے درو انگیز تاریخی واقعات، مجاہدین
کی بہلا وطنی، جس دوام بے پور دریا سے شور، مردوں، عورتوں
اور بچوں کا قتل عام
«انگریزی مظالم کی دل دہلا دینے والی خونیں داستان»

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الحمد لله عظیمہ الرجالہ ،
للانجباء من دون الامحاء
من البلیوی والسبیل والبلاء ،
وايلاء تحسن البلاء بايتہ
الاولی لمن دعاہ باسفی الاسماء
لاسيما لمن ظلمہ واضطرت
عند الابتلاء بالاسواء و
الرداء .

تمام ثنائیں اس خدائے برتر کے لئے ہیں ،
جس سے بغیر کسی ناہیدی کے عنت و آزار کشن
کسنگی و جو سیدگی اور غم و تکلیف سے نجات
دینے کی بہت بڑی امید وابستہ ہے اور جو آپ
اس کے اعلیٰ نام سے پکارے اسے بہترین
عظایا اور بے شمار نعمتیں عطا فرماتے والا ہے
بالخصوص معلوم و مضطر کی ، اس کی مصیبتوں
اور بیماریوں میں سننے والا ہے ۔

وانصولة على بشير بشير بن ذیہ
بشیرہ انبیاء الانبیاء ، المرجی
شفاعتہ لدفع البلیا والاکویا
وحشنت ظلم ظلم الاعداء
والشفاء من عضال الداء
وبال الشفاء ، و آلہ النجباء
النجباء الکرماء ، وصحب العطاء
الاشد للرحماء ، سیما الحنفاء
الغلفاء ، سلم الله وبارک علیہ
وعلیہم ما سبغ المثلک فی انفلک
والسما ، وسبغ الفلک فی الفلک
بالدعاء .

سلام ہو اس خوشرو و خوشخبری سنو والے
اور ڈرانے والے پر جس کی تمام نبی نوید میریت
آمدناتے آتے ، بلا و وباء کے دور کرنے ،
و دشمنوں کے ظلم کے پردے چاک کرنے بڑی
بدیہی اور محنت بیماری سے نجات دلانے کی ،
گنگاروں ، ورسیکاروں کو اس کی شفقت
سے بڑی امید ہے ۔ سلام ہو اس کی شریف و
نجیب و کریم اولاد پر ، اور اس کے عظیم المرتبہ شاہدین
و جیم مصحاب پر خصوصاً پاکباز و صاف باطن غفلت
پر ، اللہ کی رحمتیں اور برکتیں ان سب پر نازل
ہوں جب تک فرشتے آسمان پر تسبیح و تسلیل
کرتے رہیں اور کشتیاں سمندر میں تیرتی رہیں ۔

و بعد فان کتابی هذا کتاب
 اسیر کشمیر علی ما فات من حیر
 مبتلی بكل عسیر لا یطاق و لو
 فی ان یسیر، منتظر لفرج علی ربہ
 یسیر، و مکیول مخبول، واقف فی
 اجبول، علی التدعۃ والسعة من
 بدء فطرته مجبول، یرجو النفس
 من کریمہ من نفس ربہ بدعاء
 مقبول، و محبوب من بئس بئیس
 و بئوس، و کل الی ظلم عبوس عزاء
 عما کان له من مرفی و زین و ملیوس
 و ابتلاہ بشجون شجون، فی مضائق
 سجون، ہی مجامع فتن جئون، و
 محتبس مبتسر من الخلاص مناس
 نظرا الی تحکم محتبس فظ غلیظ
 القلب محتبس لکنہ من رحمة
 ربہ لیس بئوس و غریب سلس،
 ضریب بلس، فی آسر شریر بئس،
 و جانر جابر بئس، من ظلم جابر
 جانر شکس شریر، و بئس بئس
 مبین بشدا استدلال ینتہی الیما قیاس
 بئس، و مفتر و معتر و مضطر فتن
 باشد احتباس، و احمر بئس، فی

میری یہ کتاب ایک دل شکستہ، نقیبان
 رسیدہ، حسرت کشیدہ، اور مصیبت زدہ
 انسان کی کتاب ہے، جواب تھوڑی سی
 تکلیف کی بھی طاقت نہیں رکھتا، اپنے
 رب سے جس پر سب کچھ آسان ہے مصیبت
 سے نجات کا امیدوار ہے جو ابتداء نظر میں
 و فراغت کی زندگی بسر کرنے کے باوجود اب
 مجبوس نام ظلم اور تباہ شدہ ہے، اور تعزیر عاوی
 کے ذریعہ فدا سے ازالہ کرب کا طالب ہے
 وہ بڑی مشکلات میں مبتلا اور ترش و ظالموں کے
 ہاتھوں میں گرفتار ہے، ان ظالموں نے اسے
 اچھے لباس سے ستر کر کے غم و حزن کی دلدلوں
 اور ایسے تنگ تار یک قید خانوں میں ڈال دیا ہے
 جو سیاہ فتنوں کے مرکز ہیں، وہ مجبوس و حزن
 سخت دل اچکے اور ظالم افراد پر نظر کرتے ہوئے اپنی
 رہائی سے یا بئوس ہے مگر اللہ کی رحمت کا امید
 نہیں ہے، وہ ایک سیدھا سادھا، نرم خور اور مریض
 کمزور ہوتے ہوئے شریر و بد فطرت کی قید میں ہے اور
 ظالم و جاہل بد فطن و بد کردار کے ظالم سے حیران پریشان
 ہے وہ آفت ربیہ، ایسے مصائب میں مبتلا ہے جن کی
 مخفیوں تک قیاس کرنے سے لایا قیاس نہیں ہو سکتا
 اور ایسا مضطر و محتاج ہے جو سخت مذاہب اعتبار
 میں گرفتار ہو چکا ہے، وہ سفید و سیاہ دل

سرا بیض اسود الکبد اخرق
 عیاس، اصعب الشعرتون لباس،
 جزه عما کان له من لباس، یوکسا
 اخشن کساء وکریاس، وعا جز
 جانزع فانزع، الی وبعه فانزع
 نزیع من اسوته بالاسریالاسر
 نازع الیمر نازع، قضی علیہ
 بلا مدع ومانزع، وسادم منادم
 عادم، لکل مت دم وخادم،
 فت فی اعضاده باشد مصادم
 ونجید فرید طریق غلی
 من ارضه وبلده، وکتیب کریب
 غریب غلی، فائتین عن اہله
 وولده، ضامہ ظلوم وحابارہ
 وائتین عنہ اہله وحابارہ، وخلق
 عنہ وعنہم وحابارہ، اسرہ فسرہ
 وکسرہ بکل ضرب من الایلام لتصلیہ
 وتقصیہ فی الایمان والاسلام
 واشتہارہ انہ من العلم
 الاعلام، روم الدرس رسم
 الدرس، وطمس علو العلم
 حق من القرطاس والطریس
 وذلک لواقعة فانزع

مقون مزاج، ترشرو، کفی آنکھ گندم کرس
 بال والوں کی قید میں آچکا ہے جس کا، پنا
 عمدہ لباس، اتار کر مٹا اور سخت لبادہ پہنا دیا
 گیا ہے جو اس وقت مجبور و عاجز ہے اور
 اپنے رب سے لو لگائے ہوئے ہے اپنے
 تمام اعزہ و اقربا سے دور اور بہت دور ہے
 مدعی اور منازع کے بغیر اس پر فیصلہ صادر
 کر دیا گیا ہے۔ وہ اپنے ہم نشینوں اور غلاموں
 کے سامنے شرمندہ ہے۔ اس کے بازوؤں
 کو سخت تقصاوم سے کمزور کر دیا گیا ہے۔ وہ
 غمزہ، تنہا اور دور افتادہ ہے۔ اسے اپنی
 زمین و شہر سے جلا وطن اور اہل و عیال ہے
 دور کر دیا گیا ہے۔ یہ سارا ظلم و ستم ظالم کپڑوں
 نے روا رکھا ہے۔ اسے اور اس کے اہل و
 عیال کو اپنی درندگی کی جھاڑی میں چھوڑ دیا
 ہے۔ اسے قید کر کے ہر ممکن مصیبت پہنچائی
 گئی ہے۔ اس کا قصور صرف ایمان اور اسلام
 پر مضبوطی سے قائم رہنا اور ملّا اعلام میں شمار
 ہونا ہے۔ اس سے ان ظالموں کا مقصد
 نشان کس و تدریس کو مٹانا اور علم کے جھنڈے
 کو نیچے گرانا ہے۔ وہ صفحات قرطاس سے بھی
 نام و نشان مٹانا چاہتے ہیں۔ یہ سب کچھ
 اس حادثہ فاجعہ انقلاب ۱۹۵۷ء کی وجہ

ہوا ہے جس نے آبادیوں کو ویران اور مصیبتوں
کی شورش میں کوشاداب بنا دیا ہے جس نے غلوں
کے بادلوں سے کرکنتی ہوئی بھلیاں مصیبت
زدگان وطن پر گریں اور ان پر بادشاہوں کو
غلام و قیدی اور امرا کو محتاج و فقیر بنانے والی
محتاجی و ناداری مسلط کر گئی۔

یہ داستان الم اس طرح ہے کہ وہ بھلائی
نصاری جن کے دل ممالک ہند کے دیہات و
بلاد پر قبضہ اور اس کے اطراف و اکناف سرحد
پر تسلط کے بعد عداوت و کینہ سے بھر گئے تھے
اور تمام ذی عزت اعیان کو ذلیل و خوار کر کے
ان میں سے ایک کو بھی اس قابل چھوڑا تھا
کہ نہ نذرانی کو بخش دے سکے۔ انہوں نے
تمام باشندگان ہند کو کیا امیر کیا غریب چھوٹے
بڑے، بقیہ و مسافر، شہری و دیہاتی سب کو نصاری
بنانے کی کیم بنائی۔ ان کا خیال تھا کہ ان کو
نہ تو کوئی مددگار و معاون نصیب ہو سکے گا
اور نہ انقیاد و اطاعت کے سوا سرتابی کی
جرات ہو سکے گی۔

یہ سب کچھ اس لئے تھا کہ سب لوگ انہی
کی طرح محمد و بے دین ہو کر ایک ہی ملت پر
جمع ہو جائیں اور کوئی بھی ایک دوسرے
سے متماز فرقہ نہ رہ سکے۔ انہوں نے چھو،

زکیت الدیار بلا قم، و جمعہا لنصو
المصائب مواقم، و اعطیت علی اہلہا
من غمام الغنوم صواعق و صواعق
و فاقرة جعلت الافرار، ففلا صعالین
و الملوک امرا، مما لیت۔

من قصتها ان النصاری الباطنة
الاولی شحنوا صدورهم بالشحناء
الباطنة، بعد ما تسلطوا علی حالک
الهند و اقطارہا و قرأوا و امصارہا
و استولوا علی حدودہا و ثغورها و اعاطوا
یا عمارہا و صدورہا و ذلوا العزیز
و مسائہا بالاستقصاء، و لم یذروا
فیہا من یبیدی لهم فریضہ بالاستقصاء
ہموا بان ینصروا کلام من قطعانہا و
سکامہا و رؤسہا و وجوہہا و انتیانہا
و نبالہا و نذلہا و اجلتہا و اذلتہا
تصیرا فلانہم لہ الضعفاء و البغداد و البغداد
و البغداد و البغداد و البغداد۔

لیصیر الناس کلہم کثلام من
صاحدۃ متوافقین علی ملت واحدۃ
ولا یفترق فرقة من فرقة بان
یتدین کل بدین علی حدۃ لتخیلہم

طرح بھی لیا تھا کہ مذہبی بنیاد پر مکرانوں سے
 باشندوں کا اختلاف، تسلط و قبضہ کی راہیں
 سنگ گراں ثابت ہوگا اور سلطنت میں انقلاب
 پیدا کر دے گا اس لئے پوری جانفشانی اور
 تہذیبی کے ساتھ مذہب و ملت کے مٹانے
 کے لئے طرح طرح کے مکر و حیل سے کام لینا
 شروع کیا۔ انہوں نے بچوں اور ناخموں کی
 تعلیم اور اپنی زبان و دین کی تلقین کے لئے
 شہروں اور دیہات میں مدرسے قائم کئے
 پچھلے زمانے کے علوم و معارف اور مدارس و
 مکاتب کے مٹانے کی پوری کوشش کی۔

دوسری ترکیب یہ سوچی کہ مختلف طبقوں پر
 قابو اس طرح حاصل کیا جائے کہ زمین بند
 کے فلاح پیداوار کا شنکاروں سے لے کر
 نقد دام ادا کئے جائیں اور ان غریبوں کو
 خرید و فروخت کا کوئی حق نہ چھوڑا جائے۔
 اس طرح بھاؤ کے گھٹانے بڑھانے اور
 منڈیوں تک اجناس پہنچانے اور نہ پہنچانے
 کے خود ہی ذمہ دار بن بیٹھیں۔ اس کا مقصد
 اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ خدا کی مخلوق مجبور و
 معذور ہو کر ان کے قدموں پر پڑے۔

اور خوراک نہ ملنے پر ان نصاریٰ اور ان
 کے اعراب و انصار کے ہر حکم کی تعمیل اور

ابما اختلاف الشلل فی الادیان و
 الملل، من اقوی العمل، لتطرق
 الغل، فی بقاء التسلط و العمل
 و حدوث الحول فی الولايات
 والدول، فحید و اکل حید و
 بذل و اکل حید، لرفع هذا الاختلاف
 بامتداد الحیل، فبنوا التعلیم
 الاطفال و الاغفال و تلقینهم
 کتب لسانہم و دینہم فی الصغری
 و البلوغ و صغر و کبر و العالم العلوم و المعارف
 و المدارس و المعیشیة التلیف فی العبود

السوائف و دواہی و قدروا اذ قدر و ان
 یقدروا علی ہولاء الامتلات فی الماکل و
 الاقوات بان یاخذوا کل ما یخرب من
 الارض من السابل و الغلات و یعطوا
 نفود ابدل حقوق الخواث و الذر لہم فلا
 یبقی لظولام الساکین و العاقین
 الا اکل خیرہم فی الغلات بالبیع و الاہتلام
 و ان یستاروا انفسہم ببیعہا و شرائہا و ان
 یکون لہم الخیرۃ فی ترخیص الامعاثر و غنائہا
 فیضطر عباد اللہ احتکار ہنحو
 و یشتد حاجتہم الیہم و افتقر لہم و یلجئ
 اضطرارہم الی تلقی ما یروم

ہر قسم کی تکمیل کرے۔ ان ترکیبوں کے علاوہ ان کے دل میں اور بھی بہت سے مفاسد چھپے ہوئے تھے۔ مثلاً مسلمانوں کو فتنہ کرانے سے روکنا، شریف و پرودہ نشین خواتین کا پردہ فہم کرنا نیز دوسرے احکام دین مبین کو مٹانا، وغیرہ۔ اپنے مکر کی ابتداء اس طرح کی کہ سب سے پہلے اپنے ہندو مسلم شکاریوں کو ان کے رسوم و احوال سے ہمکنار اور مذہب عقائد سے گمراہ کرنے کے واسطے ہوئے۔ ان کا گمان تھا کہ جب یہاں شکاری اپنے دین کو بدھنے اور احکام نصریت بجا لانے پر آمادہ ہو جائیں گے تو پھر دوسرے باشندوں کو مزا و تقاب کے دُور سے خود ہی مجال انکار نہ ہو سکے گی۔

انہوں نے ہندو شکاریوں کو جو تعداد میں بہت زیادہ تھے گائے کی چربی اور سمان پیدیں کو جو تھوڑی تعداد میں تھے سؤر کی چربی پکھانے پر زور ڈالا۔ یہ شرمناک روش دیکھ کر دونوں فرقوں میں اضطراب پیدا ہو گیا اور اپنے اپنے مذہب و اعتقاد کی حفاظت کی خاطر ان کی اطاعت و انقیاد سے منہ موڑ دیا۔ ان کے اس اضطراب نے خرمن امن پر چنگاری کا کام کیا۔ گروہ نصاریٰ کا قتل، گو کہ زنی، ان کے مزاروں اور سپہ سالاروں پر حملہ شروع کر دیا

الانصار وانصارهم، الى غير ذلك مما في صوم من المنى والهواء وما تنكرو صدوهم من الفتن والاموال كالافتن بمن الحان ورفع الحجاب من العقائل والمخولتين وطس سائر احكام الدين المعكم المتين فعمدا بادئ يدهم انكادهم الى ان يزولوا بنودهم من مسلميهم اهاندهم عن رسومهم وقواعدهم و يضلوا عن اديانهم وعقائدهم، ثم هم ان الجنود من الابطال اذا ارتضوا الاديانهم بالالبدال والابطال وتلقوا احكامهم بالابول والامتنال لا يكون لغيرهم مسانغ ومجال للكنول مخافة النكال والانكال۔

فكلفوا الاهداندهم وجسم كثير ياذقة شعوم البشير، والمسلمين وهم قليل نزمير ياذقة شعوم الخناسير، فانحرف كل من الفريقين عن الطاعة والانتقاد، حفظا لما المحرم الدين والاعتقاد فاخذوا يقتلون ذبيهم ويقطعون طريقهم ويفتالون بجانهم وبطريقهم و

بعض لشکری حدت تجاوز کر گئے، انہوں نے
قادت قلبی اور شوریدہ سری کا انتہائی مقابلہ
کیا، بچوں اور عورتوں کے قتل سے بھی دریغ
نہ کیا، چھوٹے چھوٹے بچوں اور بے گناہ
عورتوں کی قتل و غارتگری سے رسوائی و ذلت
سے سختی بن بیٹھے۔

پھر تمام باغی گروہ لشکریاں اپنی چھاؤنیوں
سے اپنے اشرفوں سے ہٹنے کے بعد مل کر
ہوئے۔ عاملوں اور عاکوں کے نفذ پر ہم
پر ہم ہو گئے۔ راستوں کے امن میں خلل و فتنہ
مخلوق خدا میں فتنہ و فساد اور بیات و بلاد
میں شور و شغب پھیل گیا۔ طوفان حوادث
جوش میں آگیا۔

ہست سے شکر شہر مشورہ بلد معمر، ممکن
آل تیمور، دار السلطنت دہلی باپنے، وہاں
پہنچاں سب نے ایسے شخص کو سردار و پیشوا
بنایا جو اس سے پہلے بھی ان کا آمر و حاکم تھا
جس کے پاس اس کے ارکان دولت اور
وزیر بھی تھے لیکن وہ خود ضعیف، غریبہ اور
تجربہ کار تھا، عمر کی کافی منزلیں طے کر کے بڑھاپے
کی وادی میں قدم رکھ چکا تھا۔ اوپر سچ پوچھتے
تو آمر و حاکم ہونے کے بجائے اپنی شرکت بہت
اور وزیر کا مامور و محکوم تھا۔ اس کا یہ وزیر

مہر من اعتمادی و اساع و امینکب
انفظ مدہ و انفساد، فقتل الولدان
والنساء، فاستحق الخذلان والہوان
من اغتيال الفسوان، و استوجب
الخزئی و انفسار من قتل الصبیۃ
الصغار۔

شوان کلامن الجنۃ المنقرۃ قذرتھوا
من معسکرم و مقامہم بعد الفل بلعراثم
و حکلم، و قد تطرق الوهن والاختلال
فی اعمال النعال و عشی فی امن الطرائق انفساد
والفتور و اخلت الاوامر و الرہم و حاجت
فتن و جوہر العناد و بواہم العیاد و یثلم البواد،
فی البواد و البلاد، فہی قسور،
فادی کثیر من الجیوش الخ
دار الملک، و علی النقی مصر
مشہور، و بلد معمر، و مشوی
لجسم کثیر من آل تیمور، فافترقا
بہ امن کان من قبل من مبینہم
و یسالہ عملت و تاملور، و هو جم
غیر، قدرتی اذل العمر، و هو
فی الحقۃ لزوجہ و تاملور و تاملور کا
سائلہ السدی کان فی المعنی
و اب ع لیا، للنصارائی ہو الیا،

فی جہود غالیاء، ولعن عداءہ
 لاسیما العداءہ مبغضاً قالیا۔
 وکذا عشیرتہ و بعض من
 عشیرتہ الاقربین من سریرہ
 و سریرتہ یفعلون ما یشاءون
 و یعملون بما راہم و فی طاعتہ
 یرامون، و هو اکثر لا یعلم امرہ،
 ولا یعمل الا امرہ۔ ولا یأمر
 برأیہ امرہ، ولا یفقه خبرہ
 ولا شئاً، ولا یحکم بشئ جہراً،
 و سراً ولا یملک لنفا
 ولا حقراً

جو حقیقت میں نصاریٰ کا پر داز و ران کی
 محبت میں غالی تھا۔۔۔۔۔
 ۔۔۔۔۔ صیح معنوں میں حاکم و والی اور
 نصاریٰ کے دشمنوں کا شدید ترین مخالف تھا
 یہی اس امر و حاکم کے اہل خاندان کا حال تھا،
 ان میں سے بعض مقرب اہل گاہ اور راز دار بھی
 تھے۔ یہ سب کے سب جو جہاد تھا کرتے
 تھے۔ اپنی آراء پر عمل نہ کرتے تھے کہ اس
 کی اطاعت کا دم بھرتے تھے۔ اور وہ ہزاروں
 ضعیف الرای نامتجربہ کا ہتھکڑیاں تھے نہ
 تھا۔ اس سے عجیب عجیب حرکتیں سرزد ہوتی تھیں
 کوئی کام اپنی رائے سے نہ کر سکتا تھا، نہ چاہا
 برا سمجھنے کی صلاحیت رکھتا تھا۔ کسی کو خفیہ یا
 علی الامان کوئی حکم دے سکتا تھا، نہ کسی کو
 نفع و فخر پہنچانے کی طاقت رکھتا تھا۔

یہ تو سب کچھ ہونے لگا تھا۔ بعض شر و
 وید سے بے باور مسلمانوں کی ایک جماعت علماء
 زہاد، اور ائمہ جہاد سے جہاد کے وجوب
 کا فتویٰ دے کر حیدرآل و قتال کے لئے اٹھ
 کھڑی ہوئی۔

ادھر اس نامتجربہ کار سردار نے اپنے بعض
 ناما قبلت اندیش، سفید، غامق اور بڑے اولاد
 کو میر شکر بنا دیا، یہ لوگ دیندار و قلیل

هذا وقد انتھض من بعض
 القرئی والبلاد جمع من المسلمین الجہاد
 للجدال والجدال، والغز والجداد،
 بعد الاستفتاء والاستشهاد، من العلماء
 الرقاد، وافتاءہم بوجوب الجہاد،
 بقتلوی ائمة الازہار، وقد امرتہم بالاجتر
 علی الجیوش بعض من لعن الاحقاد والابناء
 وکانوا من السفہاء الخوان الجہاد المذہب

من العقلاء الامناء.

سے متصف تھے۔

لریشمہدوا ملتحمۃ وحریرا،
ولریمار سواطعنا وضریرا، اختلاف
للمعاشرة والمشاورة سوفۃ من اهل
السوق، فغامر اولئک الغمار فی
غمور الارراف والاسراف وغمرات
الفسوق.

انہیں نہ تو میدان کارزار ہی سے کبھی
واسطہ چڑھتا اور نہ کبھی شمشیر زنی اور نیزہ بازی
کا ہی موقع ہوا تھا۔ انہوں نے بازاری لوگوں
کو اپنا ہم نشین و ہمیں بنالیا، اس طرح یا اگر کوئی
کار، آرام طلبی، اسراف بیجا اور فسق و فجور میں
مبتلا ہو گئے۔

کانوا فی عسر شر فحشروا،
واذ فحروا فحجروا، کانوا یاخذون
من الناس بحیلۃ تزوید الخیوش
وتجهیز ہر ما لا یجئنا، ولا
ینالون شیئاً من احد امن
العیش فیاکلون کل ما یاخذون
اکلاً لئلا، شغلهم قواد البغایا،
عن قیادۃ البغایا، واقعدہم
القعود مع السراعی عن السری
مع السرایا، والہام ملاہم
فی رخلہ العیش، فاخر فخر عن
مقدمۃ العیش وقلہم مافی قلوبہم من
الفشل والہم الصیس عن الثبات فی
قلبا الخنیس، واطلم المشامۃ عن المینۃ
وجا قہم المیسر والمیسرة
عن المیسرة، وکفہم من معہم

وہ تنگ دست ہو چکے تھے پھر الدار ہو گئے
جب الدار ہو گئے تو عیش پرستیوں میں پڑ گئے
لوگوں سے لکڑیوں کے ساز و سامان کے
بہانے سے کافی مقدار میں مال جمع کرتے تھے
اور اس میں سے ایک حصہ بھی کسی شکاری پر
خرچ نہ کرتے تھے جو کچھ وصول کرتے تھے،
خود کھا جاتے تھے۔ یہاں تک بھی قیمت تھا
لیکن ان کو تو زمان فاحشہ و تباہ کار نے طلاہ
کی قیادت اور کینزوں کی شب باشی نے لشکروں
کے ساتھ رات کو چلنے سے روک دیا اور آلات
عیش و طرب نے آرام طلبی میں ڈال کر مقدمۃ
العیش سے بھی مجھے کر دیا۔ ان کے دلوں میں
نامردی اور ذلیل اندیشہ پیدا گیا، اسی نے ان
کو وسط لشکر میں ثابت قدمی سے روکا، شومی
قسمت نے سیمز سے اور قمار و توکڑی نے میسر
سے باز رکھا، ان کے خوشامدوں اور بازاری

ہم محبتوں نے ساقہ (پچھن دستہ) سے بھی
علیحدہ رکھا۔ ایسا ہی ہوا کرتا ہے جب
کسی نا اہل کو کوئی بڑا کام سپرد کیا جاتا
ہے اور کمزور پر بھاری بوجھ لادیا جاتا
ہے۔ وہ رات سو کر اور دن پست
ہو کر گزارتے، جب بیدار و ہشیار ہوتے
تو غافل و حیران پھرتے۔

نوبت ہر ایسا رسید کر نصاریٰ کا لشکر
ان پر اگر ٹوٹ پڑا۔ ایک بلند پہاڑی پر چڑھ
کر شہر کا رخ کر دیا، شہر کا محاصرہ کر کے
خندقیں کھود ڈالیں، پیادہ پر توپیں
اور مخفی قیس نصب کر کے شہر پر آؤمگاٹا
پر گولہ باری شروع کر دی۔ ایسا معلوم ہوتا
تھا کہ بھدیاں اور تارے ٹوٹ ٹوٹ کر ٹارٹو
پر گر رہے ہیں۔

ہندستانوں کا برسرِ پیکار اور باغی لشکر
مختلف ٹوپیوں میں تقسیم تھا، بعض گروہ کا
کوئی جنرل ہی تھا، بعض کو جوائے پناہ بھی
میسر نہ تھی، بعض کی طاقت فقر و فاقہ سے سلب
کر کے ہاتھ پاؤں توڑ کر بٹھا دیا تھا، کچھ تو
سامان غنیمت ہاتھ لگنے سے بے نیاز ہو گئے
تھے، کچھ ترسان و زوال قلب کے ساتھ بھاگ
چھوٹے تھے، بعض ملتان و سرکشی سے

من اسوقۃ السوقیۃ عن
الاضیاق مع الساقۃ، وكذلك
من بتولی خطبا جلیلا مع
عدم الخلاقۃ و حئل حمللا
ثقیلا مع عوز الطاقة، سیتون
نیاما و یظلون سکاری، و اذا انتہوا
وصحوا فہم اغفال حیارمی۔

و قد هجمت علیہم
بالجنود النصاری قد عرجوا
وعرجوا انحاء المصر علی جبل
شاهق، و حصنوه و حفروا حوله
خنادق، و نصبوا علیہ محائق،
یرمون بہا نحو البلد و السور
و المساکن و الدور بسادق،
کانہا شہب و صواعق۔

والجنود المنعرجۃ اشتات
مرختلفۃ، صاروا طرائق قد داء، بعضهم
لا یطیع احدا، و البعض لا یجدون
ملتجدا، منهم من وثق لغیرہ طاقتہ، و
اقعدتہ عن القيام للبحر فاقنتہ
و منهم من عوفہ عن المنباری
مانہب و منهم من عرب و قلبہ
رہب، و منهم من طغی و بغی،

بکا روتوں پر غصہ جما بیٹھے بعض نے میدانِ جہاد کے تنگ و سخت فوجی کپڑے پہن کر صفوں میں داخل ہونے کو بڑا مانا، صرف ایک گروہ تھا کہ جواب دیتے ہوئے بہادری سے لڑتا رہا۔

نصاریں جب لڑتے لڑتے تھک گئے اور ہمت ہو گئے تو غزنی ہندوؤں سے مدد و معاونت کے طالب ہوئے۔ ہندوؤں نے کثیر لشکر اور ساز و سامانِ حرب سے تقویٰ سی ہمت میں اپنے درپے مدد کی، تب تو نصاریں نے سخت مزاحی ظمان بھی اور اس پہاڑی پر بہت سا لشکر اور دھڑکاڑو مانا جمع کر کے ان کے لشکروں میں گروے سڑ کے گروہ بھی تھے اور ذلیل ترین ہندو اور عجمی اور وہ بد بخت و بدکش مسلمان بھی حریان کے بعد نصاریں کی ہمت میں مرتد ہو کر اپنے دین کو چھوڑ کر ان کے

ہزاروں شریک بھی نصاریں کی محبت کا دم بھرنے لگے اور تمام ہندو ان کے ساتھی ہو گئے مسلمانوں میں دو گروہ بن گئے، ایک گروہ تو ان "ذلیل" کیوں، کامیابی دشمن تھا، دوسرا گروہ ان کی محبت میں اس دروغ پر کھتا تھا کہ اس نے ہندوستانی لشکر کی بربادی، عجمیوں کی شوکت، و وفار کی خرابی اور ان کے قلع و قمع کرنے میں عکود حید سے کوئی کسر اٹھا رکھی

وَاتَّبَعُوا لَهُ مِنَ الْبَغَايَا مَا ابْتِغَىٰ، وَمِنْهُمْ مَنْ يَسْتَكْفِفُ بِلَبْسٍ لِّشَفَوفٍ عَنِ الدَّخُولِ فِي الصَّفُوفِ، وَمِنْهُمْ مَنْ كَانَ يَجَالِدُ وَيُحَارِبُ وَيُجَاوِلُ النَّصَارَىٰ وَيُضَارِبُ. وَالنَّصَارَىٰ بَعْدَ مَا وَهَنُوا وَاسْتَكْفَنُوا، وَاسْتَعْدَّ وَافٍ الْعَرَبِ هَذَا لِسُوءِ الْغَرِبِ وَاسْتَعَانُوا فَأَعَدَّهُمْ بِكَثِيرٍ مِنَ الْعَدَدِ وَالْعُدَّةِ، وَاعَانَوْهُمْ بَعْدَ بَعْدٍ مَدَدًا، فِي أَقْصَرِ الْمُدَّةِ. فَجَمَعَ النَّصَارَىٰ عَلَىٰ ذَلِكَ الْجَبَلِ لِلْحَرْبِ الْعَوَانَ، كَثِيرًا مِنَ الْعُجُودِ وَالْأَعْدَانِ، غَزَىٰ جُنُودُهُمْ أَشْيَاطُهُمُ الْبَيْضَاءُ، وَمِنْهُمْ جَرَاؤُهُمْ مَنْ لَزَّ الْهَذَاكَ لِقَتَاؤِ الْمُسْلِمِينَ الَّذِينَ لَقُوا بِوَأْبَاهِ النَّصَارَىٰ بَعْدَ الْإِيمَانِ وَبِأَعْوَادِهِمْ جُنُسٌ مِنَ الْإِسْلَامِ. وَقَدْ انْتَفَلَ بِالنَّصَارَىٰ مِنْ سُكَّانِ الْبِلَادِ أَلْفٌ أَسْلَحُوا فَأَلْهَمَهُمْ كَلَامُهُمْ عَرَبِيًّا وَمَا الْمُسْلِمُونَ فَقَدْ اخْتَلَعُوا اخْتِلَافًا فَبَعْضُهُمُ لِلنَّصَارَىٰ قَالُونَ، وَبَعْضُهُمْ لِمَنْ هُوَ الْوَلِيُّ فِي جَبْهَتِهِمْ غَالُونَ، يَجِدُّونَ نَفْسَهُمُ الْجَبْرُ الْمُنْفَرِجُ بِالْجَبَلِ وَالْمَكَانُ جَدُّهُمُ وَهُوَ فِي قَلْبِ سُوءِ كِتَابِ جَاهِدِينَ وَقَلْعِهِمْ وَقَمْعِهِمْ

فقہی، ان کے اندر فرائق و اشتقاق پھیلنا ان کا دلچسپ مشغلہ تھا

پھر قنصائے شہر اور اس کے پھاڑوں دربانوں اور محافظوں پر حملہ کرنے لگے! دوسرے جماعت مجاہدین اور لڑکیوں کے ایک ہزار گروہ نے ان کے حملوں کو روکنا اور ان کے مقاصد میں حائل ہونا اپنے لئے اہم ترین فرض قرار دیا۔ دن رات پیدل اور سوار و اسلحہ تیار رہنے لگے۔

چار بیسے تک متواتر جنگ ہوتی رہی، دشمن اس مدت میں گھڑاؤ لشکر اور ساز و سامان کے باوجود شہر میں داخل نہ ہو سکا۔

جب بھی حملہ کرتے تھے روکے جاتے تھے، جس وقت اقدام کرتے تھے لوٹاتے جاتے تھے، بہادر اور نگہبان غازی ہر سے زور شور سے ٹینا کر روک رہے تھے! فوجت و مبارزت میں خوب خوب جوہر دکھا رہے تھے، مقابلے میں ثابت قدم تھے اور ہر شیعہ می کرنے والے پر آگے بڑھ کر حملہ آور تھے۔ ان میں سے بہت سے جام شہادت پی کر سعادت کے اعلیٰ مقام پر فائز ہوئے۔

نیکو کاروں کے لئے بہشتِ حوریں اور اس سے بڑھ کر کوئی بھی نعمتیں ہیں۔

وَبِیْدِ شَہْمِہ و تَغْرِیْقِ جَمْعِہم
وَلَا یُنُونُ فِیْ هٰذَا اَکْثَرُ جَمْعِہَا۔

فَطَمَقَ النَّصَارَیْ یَحْمِلُونَ
حُلِیَّ الْبَلَدِ وَابْوَابِہِ وَیَسْطُونَ عَلٰی
حُدُودِہِ وَحِجَابِہِ، وَالمَجَاهِدُونَ
الشُّہُودُ، وَفَرِیقٌ مِنَ الْجُنُودِ، یَعْتَقِلُہُمْ
عَنِ الْبَلَدِ وَیَصَالُونُ، وَیَحْوِسُونَ
بِیْنِہُمْ وَبِیْنِ مَا یَحَاوِلُونَ، یُقَالُ الذَّہِیْقَانِ
لِیْلَہِ وَنَهَارِہِ، رَحْمَتُہَا وَرَجَاؤُہَا

كَانَتْ الْحَرْبُ بَیْنَهُمَا اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ
سَجَالًا، وَلَمْ یُعْجِدِ الْعَدُوُّ فِیْ سَلْکِ
الْمَدَّةِ مَعَ غَايَةِ الشَّدَّةِ وَكَثْرَةِ الْعِیْدِ،
وَالْعَدُوُّ دَخَلَ الْبَلَدَ سَبِيلًا وَهَجَالًا،
بَلْ كَلَّمَا هَجَمُوا صَدَّوْا، وَمِمَّا اَقْدَمَا

مَرَّةً وَكَانَ الْمَجَاهِدُونَ الْغَزَاةَ الْحَمَاةَ
الْكَمَاةَ مِدَا فَعَوْنُہُمْ اَشَدُّ دَفَاعًا، وَ
یَقَارِعُونَہُمْ اَسَدُ قَرَارِہِ، یَشْجُوْنَ لَعْنَةَ

الْاِلْتِمَاعِ الْاَقْدَامِ، وَیَتَقَدَّمُونَ عَلٰی
كُلِّ مَقْدَامٍ، لَدٰی الْاَقْدَامِ، فَذٰلِكَ کَثِیْرٌ
مِنْہُمْ شَہِدَ الشَّہَادَةَ، وَسَعِدُوا
وَمَسَعِدُوا مَعَارِجَ السَّعَادَةِ،
”وَالْمُؤْمِنِیْنَ احْسِنُوا الْحُسْنٰی

وَزِیَادَةُ“

ومابقی من المجاہدین الافلیس
 یبیتون جلیعاً، ویصبحون الی الغزو
 سرعاً، فیأمرعون العدو قراعا، فکانوا
 مع جمیع من الجیش یحفظون السوء،
 ویستدرون الثغور، حتی أقعدت لیلۃ
 شلت من الجیش قد تعوذوا بالدمۃ و
 الکسل، وجبلوا علی الجبن والفشل، فی
 مرصد محاذ للجبل، فوضعوا اسلحتهم
 وہانوا نیاماً، فبیعتهم العدو واخذوا اسلحتهم
 واخذوا منہم اغتراباً، وانا موماؤنثک النیام
 فما استطاعوا قیاماً۔

فلما استولى النصارى على ذلك
 المرصد ودخلوا فيه نصبوا مغانق كثيرة
 لهدم سور يلبية، وهدم برج كان في حوالیه، و
 فتح باب يحدایه، واطغروا بناحق ثغالا
 کباراً، فی کل آن لیلان وناهار، فحدث
 ان غطوبوا لکسو، فی حائط السوء، وبدا
 الفوج فی الجدم والبروج، وتنضمض لیا،
 وتقعطم الاشباب، وارتفع الحجاب، ولهم
 يستعلم احد من الجیوش هناك
 قیاماً وعوداً، ولا ملويعا علی
 ذلک السور وصعوداً، فکل من علم
 رهن ببندق، وترقی فی حندق۔

اب نہا بن کما یکٹھرت پست باقی رہو
 گئی جو جو کہ بیاس بڑاشت کر کے راست
 گزارتی اور صبح ہوتے ہی دشمن کے مقابلہ پر
 ڈٹ کر نہرو آڑا ہوتی۔ لشکریوں کی ایک جماعت
 کے ساتھ کل کر یہی شہر پناہ کی حفاظت اور شہر کی
 مرصعات کی نگہداشت کرتی۔ بد قسمتی سے ایک
 شب کو پہاڑی کی محاذی کمین گاہ پر ایک عیش
 پرست، بزدل اور کسل منہ جماعت مقرر کر گئی
 وہ اپنے ہتھیار تار کر آرام کی نیند سو گئی، دشمن
 نے موقعہ قیمیت سمجھ کر شیخون مارا اور ہتھیاروں
 پر قبضہ کر کے اسے قیامت تک کے لئے سزا دیا۔
 جب نصاریٰ نے اس کمین گاہ پر قبضہ
 کر لیا تو بہت سی توپیں اور مخفیاتی نزدیک
 ترین شہر پناہ اور قریب ترین برج پر ان کے
 گولے اور محاذی پہاڑی کھونٹے کے لئے
 لگا دیں اور دن رات گولہ پھینکیں اور بندو قوں
 سے گولیوں کا مینہ برسا ناشروع کر دیا جس
 سے شہر پناہ کی دیوار اور برجوں میں شکاف
 پڑ گئے، پہاڑی گڑبڑ اور امیدوں کے رشتے
 ہاتھ سے چھوٹ گئے، مائل پر وہ درمیان سے
 اڑ گیا، کوئی لشکری اٹھنے بیٹھنے کی ہمت نہ
 رکھتا تھا تو ایسا پرچھو کر جہانک سکتا تھا، جو چاہتا
 تھا گولی کا نشانہ بن کر خندق میں جا پڑتا تھا۔

اب نسا نے نے یہ چال ملی کہ ایک کروڑ سے
دروازے کی طرف روانہ کیا تاکہ دوسری طرف
سے حملہ محسوس کیا جائے یہ دیکھ کر مجاہدین اور
لشکریوں کا گروہ ادھر متوجہ ہو گیا اور دشمن کا
مکر نہ سمجھتے ہوئے وہاں مدافعت میں مشغول
ہو گیا۔ یہ موقع پا کر نصاریٰ نے اور ان کا لشکر
اسی گروے ہوئے پھاٹک، ٹوٹی ہوئی دیوار،
اور منہدم برج سے داخل شہر ہو گئے، وہاں
اشیں کوئی مزاحم و مدافع نہیں ملا۔

پس وہ تلاش کر کے ان لوگوں کے
گروں میں پہنچ گئے جو پہلے ہی سے ان کے
معاون و مددگار بن چکے تھے۔ انہوں نے
فوراً ان کی حفاظت کا گروں میں انتظام کیا
اور جلد جلد پہلے سے تیار شدہ ضیافت
سے نوازا۔ انہیں خوب پیٹ بھر کر گوشت
اور دودھ کھلایا بلایا اور تمام ضرورت کی چیزیں
مہیا کیں۔

مکانوں کے دروازے بند کر کے دیواروں
میں روڑن کر دیئے تاکہ جو باغی ادھر آئے
اس پر گولی چلا کر اپنی حفاظت کر سکیں چنانچہ
جو لشکری یا شہری ادھر آئے یہ بندوبست چلا کر
مار ڈالتے، اور مقابل کا ان پر کوئی فتور
نہیں تھا۔

وبعد ذلك خادع النصارى
واحتالوا، وجعلوا خريقاً من
جنودهم تلقوا به باب الخضر
ليخيل انهم على ذلك الباب
الاخر صالوا، فاشتغل الغزاة
وفريق من الجيش بقراعه
ودفاعهم، وغفلوا عن كيد النصارى
خادعهم فدخل البلد فريق من النصارى
وجرحهم من ابوابهم وسحقهم، ويرج
صدوه، ولم يجدوا هناك من لهما ومقاوماً
لهم مدافعاً ومقاتلاً، ولا مدافعاً ومقاتلاً
فجاسوا لخلال الديار، ودار الذين كانوا
من قبل انصار الانصار، وضربوا عليهم قائم
من الدواب، وعجلوا اليهم الفتوة
نهم من القري والسور، واشبعهم
باللحم واللبان، وقصصوا ما كان
لهم من الاوطار واللبان، وفتحوا
وزن في الجدران والحيطان، وخلقوا
لاواب، ليستمكنوا من رمي البندق و
يعترضوا ممن يلحقهم للحراب، فكلما
يررهم احد من الجيش، واهل البلده
يبتدق يصرعهم، ولا يحد انصار
في ضربهم سبلاً

وہ فرست کے منتظر تھے کہ موقعہ پا کر اپنے دوستوں کے گھروں کی طرح دوسرے گھروں میں بھی پہنچ کر انہیں شب و روز کی آرام گاہ بنائیں لیکن وہ لعنتی جب بھی نکلتے پکڑ کر قتل کر دیئے جاتے۔ اس لئے جہاں انہیں مقابلہ کا اندیشہ ہوتا وہاں بہت کم نکلتے، اس کے باوجود انہیں پہاڑی سے مسلسل مدد پہنچ رہی تھی اور ہر عیسائی دوست ہندوان کی مدد میں پیش تھا۔

بڑی نصیبت یہ آپڑی تھی کہ شرمیہ نہ کوئی جائے پناہ رہی تھی اور نہ حاکم ہی باق تھا کیونکہ حاکم بادشاہ، اپنے اہل و عیال کو لیکر شرمیہ سے تین میل دور مقبرہ میں جا چکا تھا وہ دراصل اپنی بیگم اور غلام و ذریعہ کا طبع تھا، جس نے کذب و بہتان سے کام لیکر دھوکے میں ڈال رکھا تھا۔ اس نے یہ کہہ کر بادشاہ کو پھسایا تھا کہ نصاب سے قابض ہونے کے بعد اس کے ساتھ اچھا سلوک کریں گے اور اسی کو بزرگی و ستاری بخش دیں گے وہ فریب خوردہ ان شیعانی وعدوں اور

ابلیسی آرٹزوں پر خوش تھا، بادشاہ کے ساتھ اس کے تمام امراء و متعلقین بھی اپنے اہل و عیال کو لیکر گھروں میں مال و منکھ

شہ عروہ نایوں

وکانوا ینتھزون فرصۃ
للخروج الی دور آخر، لیتخذوها
کدورا ولما سمع حبیبنا وحقیلہ
لکنہم کلما برزوا مفلعونین ایما
تقفوا أخذوا وقتلوا تقتیلہ فکانوا
لامبرزون حیث یستشعرون
مقاتلہ و مقابلہ الا قلیلہ، ومع ذلك
کان یناتہم من العبل مدد متوال ینذیر
کل مددک للنصارى موال۔

شم اندہ لم یبق فی البلد من آل،
ولا ووال، اذ خرج الملک مع من له من
آل وعیال، الی مقبرۃ ہی من البلد ثلثۃ
امیال وکان مطیعاً للزوجة وعاقلۃ
الخوان، معتزلاً بما کان یختلف من
الکذب والبهتان، ویسؤل له اثر
النصارى بعد تسلطهم یتبعونه
باحسان، ویمکنونه فی الملک بانتمہ
وسلطان، فکان معہ وراسر ویرایا
یمتنبہ ویتعده الشیطان، وخرج مع
الملک من له من الامراء والنجباء
مستصحبین اہالیہم وعیالہم
تارکین فی دورہم ویومئذ فی
خلوہ امتعتہم وحوالہم

ان سب کے شہر چھوڑ کر چلے جانے سے شہر لو
پر سرسبکی و رعب جاری ہو جانا قدرتی امر تھا
مرعوب و متاثر لوگ بھی مکان چھوڑ بھاگے۔

جب شہر کے مکان مکینوں سے خالی
ہو گئے تو نصارے اور ان کا لشکر ان میں
داخل ہو گیا، انہوں نے مال و متاع لوٹا،
باقیمانہ ضعیفوں، بچوں اور عورتوں کو قتل
کرنا شروع کیا۔ بہادران شہر میں سے ایک
بھی ایسا نہ بچا تھا جو ان کا کسی اعتبار سے
مقابلہ کر سکتا۔

باقی لشکروں میں سے بعض تو نصارے
کے قبضے سے پہلے ہی بھاگ گئے، بعض قبضہ
کے بعد ثابت قدم نہ رہ سکے، بعض کئی بار
شہر میں مصروف کارزار رہ کر بے دم ہو چکے
تھے، اب بیویوں اور دوسرے ہندؤں نے
جو نصارے کے دوست تھے اور بادشاہ کے
ان کا پرٹھوڑوں نے جو مجاہد گروہ کے دشمن
تھے، ایسی تدبیر سوچی جس سے شہریوں اور
لشکریوں کو ہلاک کر سکیں، انہوں نے وہ
سب عورتوں کے پاس تھا پھپھادیا اور
دیہات و قصبات سے حجاز کے پاس کرج
آتا رہتا تھا وہ روک دیا، یہ تدبیر کارگر ہوئی
لشکری اور شہری بھوک، پیاس، سوزش

و بخر و جسم من البلد استولى العيب
على كثير من سكانه، فخرج كل من
اولاه من مكانه۔

فلما خلت الديار من اهلها
دخلت النصاري وجنودهم فيها
فمالوا على ما وجدوا فيها من
الوحيد والمال، واعتالوا من
بقى في حار من الضمون والاطفال
والضعفاء من الرجال، فلم يبق من اهل
البلد لمعادتهم و ما انعم احد من اهل الجبل۔

واما الجيوش المنحرفة فخرج
من فريق قبل اتیان النصاري فلما را
ومنهم من لم يستطع بعده ثباتا و
قرارا، ومنهم من فالتهم في البلد
مرارا، فندبر المبدلون، وحنادك
اخرين، هم للنصاري موالون،
وعمل المملكت الاولى هم للمقاتلين
قالون، تدبيرا، يتبرحهم تنبيرا،
فقتروا عليهم الاوقات تقتيرا، فوافوا
ما كان في البلد من الحبوب والذلات
وسدوا ما كان يحمي مجاليهم من القرى القبا
حتى ظلوا و بانوا جعاء و انتاحوا التياحا
والتاعوا التياحا

اور بے پستی سے دن رات گزارنے لگے بالآخر
مجبور و پریشان ہو کر بھاگ چھوڑے، پھر توبہ
نے شہر کے پچاسک شہر پناہ، قلعہ، بازار اور
مکانوں پر مکمل قبضہ جمایا۔

اس وقت دہلی میں میرے اکثر اہل و عیال
موجود تھے اور مجھے بلایا بھی گیا تھا، ساتھ ہی قلعہ
کامیابی، کشائش و شادمانی کی امید بھی تھی، جو
کچھ ہونے والا تھا وہ تو پیسے ہی مقدور ہو چکا تھا
میں نے دہلی کا رخ کر دیا۔ وہاں پہنچ کر اہل
عیال سے ملا، اپنی عقل اور ذہن کے مطابق لوگوں
کو اپنی رائے اور مشورہ سے آگاہ کیا لیکن نہ
انہوں نے میرا مشورہ قبول کیا اور نہ میری بات
مانی۔

جب نصارے کا شہر پر بھی طرح قبضہ ہو گیا
اور کوئی لشکر و شہری باقی نہ رہا، غلہ اور
پانی دشمنوں کے علم و استبداد کی وجہ سے
ناپید ہو گیا تو پانچ شہزادہ روزنامی حالت میں
گزار کر اپنی عزیز ترین متاع کتابیں، مال اسباب
چھوڑ کر دار برداری کا انتظام نہ ہو سکنے کی وجہ
سے، خدا پر بھروسہ کر کے اہل و عیال کو ساتھ
لے کر نکل پڑے، ہوا۔

شہر و اس کے مال و دولت پر سفید
لشکریوں کے ذریعہ قابض ہو کر نصارے کی

۱۔ مولانا غلام احمد دہلوی

فانضطروا اشد اضطرا، و فتروا
اشنع فرار، فاستولى النصارى على
البلد و ابوابه و سورہ، و قلعته
و اسواقه و ابیاتہ و دورہ۔

واذ کان فی دہلی، کثیر من عیالی
واہلی، و مع ذلک کنت مدعوا، و کان
الافلام و الافلام مرجوا، و الفرج
مضنونا، و ما قدر فی الغیب مکتوبا
مکتوبا، فوجہت تعلقا دہلی، مہاکن
مہلی، فالقیث بہار علی، و لاقیت
بہا اہلی، و اشرت الی الناس بما اقتضی رأی
و قضی بہ عقلی، فلم یأتمروا بما اشرت
و لم یأتمروا بما امرت۔

فلما استولى النصارى على البلد و لم
یبق فیہ من الجیوش و من سکتہ احد، و
عازت فیہ الاقوات، و لم یتسر لنا الماء
الغرات، اذ قد استبد بہ العداة، مکنث
فی خمسة ايام و لیلای، ثم خرجت مع اہلی
و عیالی، بعد ترک ہالی، من کتبی و نشی
و مالی، الغیر ما لکفی لنقل اہمالی و اخذ
للتجاء سبیل، متوکلنا علی اللہ و کلمہ اللہ و لا
و النصاری بعد استیلاہم
على البلد و سوادہ، بسواد بیضائہم

تمام تر توجہ، بادشاہ اور اس کے بیٹوں اور
پوتوں کے پکڑنے کی طرف مبذول ہوئی۔

ان سب نے اسٹنک اپنا مستقر (مقرہ)
ڈھچھڑا تھا، تقدیر الہی نے وہیں برقرار رکھا
تھا۔ انہیں اپنے جھوٹے اور متکار وزیر کی
کذب بیانی پر اعتماد تھا۔ وہ اس مقبرہ میں
بڑے خوش اور مگن تھے، خمد دم بنے ہوئے
دن گزار رہے تھے۔

اس فریب خوردگی کا نتیجہ ہوا کہ حست
کشیدہ، دل تپیدہ، بیٹوں اور پوتوں کے ساتھ
پابندی شریک کا طریقہ بایا گیا۔ راستے میں بیٹوں
اور پوتوں کو کسی سردار نے بدوق کا نشانہ
بنایا، دھڑو میں پھینک کر سروں کو خزان
میں لٹا کر بادشاہ کے سامنے تحفہ پیش کیا
پھر ان سروں کو بھی کھل کر پھینک دیا۔

بادشاہ کو گورے منہ، سیاہ دل لگدی
ہال اور کھنچ آنکھ والوں کی حراست میں موئی
کے سوراخ سے بھی تنگ کوٹھری میں مقید
کر دیا۔ پھر اس کو بیع ملک سے نکال کر دو
دراز چرنیہ میں پہنچا دیا۔

بادشاہ کے ساتھ اس گم کو بھی روٹ گیا گیا

عمدوا الی اخذ السلت واولاده
واجفاره۔

وہم لمیرید حوا مستقر ہو الفضل
مکلم فی ذلت المكان واقربهم ومستوفی
بمن غرقهم یا کاذبہ ومترهم، وکان فی
تلك المقبرة مغرور لمسروراً، هتورا
محفوداً، فاضحی ما حوراً، محسوراً
مکموداً مصفوداً، واخذوا من معه
من الابل والاعفاد، مقرنین فی الصحراء،
ب الی البلد، مع معین الاملح الولد، فلغتا
من عظامهم هو طرخان وصریق، ابتداء و
احفادہ بالبدق فی اثناء الطريق، ولقد
سویهم منطوعة، الی رئیسهم فی خزان
موضوعة، وشرکوا بقتلهم منبودة،
شریبذوا تلك الرق من مجدودة۔

وحبسوه فی بیت من سم
الخیاط اضیق، فی حرس ابیض
اسود الکبد اصعب السحر اذرف
شریفوه من ممالک واسعة
الی بعض جزائر شاسعه،
مع زوجہ التي کانت لوسم

طہ مشرکس نے سردار صلی وخطیر سلطان وغیرہ کو
گولی کا نشانہ بنا دیا۔
لکھ دیکھو۔

لے عرفان اس پیشوا کو کتنے ہی میں کہ گت پانچ روز کی
ہوں، اور پھر یہ وہ چوتھے جس کے ماتحت اس سزا
ہوں۔

جو نصار نے کی اس وقت بھی مطیع و دوست تھی
جبکہ وہ حقیقت میں مکہ تھی۔ وہ اپنی آرزوی
(بیٹے کو حاشین بنانے) میں ناکام رہی، اس کا
جمع کردہ مال بھی چھین لیا گیا۔ وہ زینت بننے
کے بعد بد صورت اور حفاظت کے بعد بد ہمت
بنی۔ بادشاہ کی قوم میں سے جو بھی مٹا اس
کی گردن مار دی جاتی یا پھانسی دی جاتی مینا
کر دوسرے لوگوں کے ساتھ بھی عمل کیا گیا
ان کمزوروں میں سے وہی پنج سکا جو رات
میں چھپ کر یا دن میں نظریں پھا کر تیزی
سے بھاگ گیا اور ایسے خوش نصیب
بہت کم تھے۔

پھر نصار نے نے شہر کے گرد و فواح کے
دیسوں اور سرداروں کو قتل کرنا، ان کی
پانڈا، عمارتیں، مویشی، مال و متاع، ہاتھی
گھوڑے، ماونٹ اور بقیاریوں وغیرہ کو
لوٹنا شروع کیا۔

اسی پرانے، مذکورہ جگہ ان کے اہل و عیال
کو بھی قتل کر ڈالا حالانکہ یہ سب رعایاں بچے
تھے اور ڈریا لاٹھی سے فرمانبردار بن ہی گئے
انہوں نے تمام راستوں پر چوکیاں بٹھالیں
تاکہ بھاگنے والوں کو پکڑ کر لایا جائے
ہزاروں بھاگنے والوں میں تھوڑے
سے زینت میں اس کا کام تھا۔

وكانت لهم حوالية، اذ كانت
في الحقيقة ملكة والية، وقد
خابت في ما طبعته، و سلبت
اموالا قد جمعت، وقد شئت
بعد ما كانت زينت، وابتذلت
بعد ما صينت، وقتلوا من
وجدوا من قومه بالضرب والمحق
كما خفقوا وقتلوا من عداهم
كثيرون من الخلق، ولم ينجم من هؤلاء
الضعفاء الا من فر من تخفيا، متواريا
بالليل ساريا، او من جذم سراها ربا،
بالنهار ساريا، وقليل ما هم.

شوال نصاری قتلوا من كان في
نواحي المصر وتلك الاثياء من الذوالکین
والرعیاء، وغصبوا ارضهم وعقارهم،
ومساکنهم وديارهم، وامنعهم ولعوالهم ولحلتهم
وانقاعهم، واغراسهم وانیالهم، وجمالهم وجمالهم
فاهلكهم واهلهم وعبالهم جمعا،
مع انهم كانوا رعایا لهم ورجعا یطیعونهم
خوفا وطمعا، ثم انهم حشروا
جنودهم لكل سبیل، لیاخذوا من ذل
بالاخذ الوعیل، فاخذوا كثيرا
من انهار یبین ومانجا منهم

یہی بیچ پائے، باقی سب بچڑے گئے ان لوگوں کے پاس جو کچھ پانڈی سونا لگتا پہلے تو وہ جھین پیتے، پھر یاد رہ، تہ بند، قیس، پاجامہ جو کچھ ہتھ لگتا نہ چھوڑتے، اس کے بعد افسروں کے پاس پہنچا دیتے، وہ ان کے لئے قتل یا بچاؤ کی سزا کا فیصلہ کرتے، جوان، بوڑھا، شریف، دور دراز سب کے ساتھ یہی سلوک ہوتا۔ اس طرح بچاؤ کی پانے والوں اور قتل ہونے والوں کی تعداد ہزار ہا تک پہنچ گئی۔ غلاموں کے قلم کا شکار اکثر و بیشتر مسلمان تھے۔ جندوں میں سے صرف وہ مارے گئے جن کے متعلق دشمن کو معاذ ہونے کا یقین تھا، اور مسلمانوں میں سے فقط وہ بچ کے جو کسی نہ کسی طرح وہاں سے ہجرت کر گئے تھے یا وہ جو نصاریٰ کے ناصر و راہنے دیں و مذہب میں قاصر تھے، یا وہ جوان کے باسوس اور اللہ کی رحمت سے مایوس تھے انہیں میں سے بادشاہ کا وہ عامل بھی تھا جس نے نصاریٰ کو مسلط کر کے حاکم بنایا تھا لیکن اسے امیدوں کی محرومی اور ناکامی کی حسرت کا غم اٹھانا پڑا، اس کا حال متغیر ہو گیا، زمانے میں ذلیل و خوار ہو کر گیا، دنیا اور آخرت دونوں جگہ نقصان میں رہا اور یہی کھلا ہوا نقصان ہے۔

لے حکم من اللہ

الاقلیل، فہبوا اولاما کان مع الماخوذین من النقدین، الذهب واللجین، بل الجنایات السرایل والماز والسر او نیل، ثم بلعہم عظامہم فقتلوا علیہم بالخنق والتقتیل، ولم یذرا الفتک شہانا ولا مضاعفا، ولا اشرافا ولا اجلافا، فبلغ القتلی والخنق اراہا، وحبل من ابتلی بظلم الظلام اهل الايمان والاسلام، واما الایمان فقد سلیموا الا من ظن بہ انه ممن یعانہ، ولم یسلم من المسلمین لایمن خرج من بیتہ مهاجرا، او من کان للنصارى ناصرًا، و فی دینہ قاصرا، او من کان لہم جاسوا۔ ومن رحمۃ الرحمن الرحیم یؤسا، کما مل الملك الذی یتولاهم، بل سلطہم ولاہم، لکنہ تعفی، اذ حرم ما حقہ۔ وبقی حوران، فی الحوران، قد حال حالہ و بطل محالہ، ولبت کاتہ جین مہین، فی فلجین خسرا دنیا والاخرۃ ذلک هو الخسران المبین۔

اور نصاریٰ نے ماتحت ہندو دوسرا کے پاس پیغام بھیجا کہ جو شخص بھی تمہارے علاقے سے گذرے اسے پکڑ لیا جائے گا۔ ان بد اطواروں نے کافی تعداد میں مسافروں اور مہاجرین کو پکڑ کر نصرانی سرداروں کے پاس پہنچا دیا۔ ان ظالموں نے سب کو مار ڈالا، نہ کوئی جاننا تھا ان فرد بیچ سکا نہ کسی ادنیٰ انسان کو چھٹکارا نصیب ہوا۔

پھر اطراف و اکناف ملک میں لشکر بھیجے جنہوں نے قتل و غارت گری کی انتہا کر دی۔

اس ابتداء بغیر میں پردہ نشین خواتین پیدل نکل کھڑی ہوئیں، ان میں بوڑھی اور عمر رسیدہ بھی تھیں جو تنگ کر جانے ہو گئیں بہت سی خوف کی وجہ سے جان دے بیٹھیں۔ اور بچا سیوں عفت و عصمت کی بنا پر ڈوب کر مر گئیں، اکثر بچکر قیدی بنالی گئیں اور طرح طرح کی مصیبتوں میں مبتلا ہو گئیں، کچھ کو بعض رذیلوں نے لونڈیاں بنالیا اور بعض چند لگوں کے بالعموم بیچ ڈالی گئیں، بہت سی بھوک پیاس کی تاب نہ لا کر مر گئیں، بہت سی ایسی غائب ہوئیں کہ پھر نہ تو پتہ نہ کر ہی آئیں

ثم النصاریٰ ارسلوا الرقباء النصاریٰ الذین ہم یملکون من الارضی اقطاعا کانوا ہم اتباعا، لیأخذوا من دخل یاہم فاقوا، او وجد فی ارضہم ما تراء، فآخذوا ہذا جمعا کثیرا، من الغریاء و التسرؤم و التسرؤم اساری، الی عظماء النصاریٰ فقتلوہم جمیعا، ولم یذر وارثیعا، ولا وشیعا۔

شرحشروا و نشروا الشیاعہم و اتباعہم فی اقطاع الملک، واجدوا فی فی اخذ الناس ما یملکون بالرقب و الملک و اذ خرجت الخواتین و المحصنات من النساء فی هذه الداہیۃ الدہیۃ، و فہن عجائز و عجائز عن الغزل للاہیاء، فمنہن من ہلکت من غلبۃ الغریب و منہن من اہلکت نفسہا بالغریب، حسونا لمرضہا و حرمتہا، و حفظا لعفتہا و عصمتہا و اکثرہن صرن سبا یا، و ابتلین برزایا، و اصبن بسلامیا، فمنہن من استرقھا بعض الختان، و منہن من بیعت ببخس الاثمان، و کثیر منہن هلکن عطشا و جوعا، و کثیر منہن غبن و سم یستطعن رجوعا، و لم یزلن

ندان کا کچھ تپہ ہی پل سکا۔

ہزاروں عورتیں اپنے سر پر ستوں

شوہروں، بالوں، بیٹوں، اور بھائیوں سے

جدا کر دی گئیں جب کہ وہ ایسی مصیبت

کا زمانہ تھا جو قیامت کا منظر پیش کر رہا

تھا کہ اس دن انسان اپنے بھائی، ماں

باپ، بیوی، اولاد اور اہل خاندان سے

بھاگتا نظر آئے گا۔ بہت سی صبح کی سہاگن

عورتیں شام کو بیوہ بن گئیں، اور شب کے آغوش

پر درمیں سونے والے بچے کو یتیم ہو کر

اٹھے۔ کتنی ہی عورتیں اپنی اولاد وغیرہ کے

غم میں گریہ و زاری کرتی تھیں اور کتنے خروں

کی آنکھوں سے آنسوؤں کا دریا جاری تھا،

شرعیل میدان اور بے آب گیاہ جنگل بن گیا تھا

اور شہری تباہ و برباد و منتشر ہو گئے تھے۔

اس کے بعد نصارے کی توجہ مشرقی

شہروں اور دیہات کی طرف مبذول ہوئی

وہاں بھی بڑا فساد مچایا، قتل، غارتگری اور

پھانسی کا بازار گرم کر دیا۔ بے شمار مرد اور

پردہ نشین مستورات موت کے گھاٹ

اتر گئے۔ اور سینکڑوں، ہزاروں عابد کے

آدمی مار ڈالے گئے۔

میرا کیا پوچھنا، میں اپنے وطن ماہوں

وہ مولیٰ فیسم عین خسر، و جُلَّ

نساء انہن من الاولیاء، والبعولۃ

والزبائن، والاخوة والایماء، اذ کان

کل یوم من هذا الزمن

الکریہ، یوم یفتر المرء من

اخیہ، وامہ وابیہ، وصاحبہ

وبنیہ، وفصیلۃ التی تبویہ،

فکم من نسوة امسین ایاہن یولد

اصبحوا یتامی، وکم من ثکلی

تسکی و تنوح، وکم من ثکلان

تعب جراتہ عن حزنہ و بصرہ

یسوح، وقد صار البلد قاعا

منصفافا و قفرا سبسا، و

اہلہ تفرقوا و تفرقوا

و ذهبوا ایدی سببا۔

ثم توجعت النصارى الى جانب

الشرق وما فیہم من الترقی والبلایہ، فاکثروا فیہا

الفساد و غموا فیہا القتل بالعز والفتن بین

فختر الرجال کثیرا من الرجال و ربا الرجال و اختر

للدنیا، جماع فیر من التیرایا، و اصاب

بالنساء والحقوف منات والوف

من الرعیایا۔

و اما اناف قد کنت انحو

اخیر آباد کی طرف چلا جا رہا تھا، راستہ ٹھنڈا
اور رگڑ رگڑا ہوا تھا۔ میرے اور وطن
کے درمیان کئی خوف و خطرہ سے بھری
ہوئی منزلیں تھیں، نصاریٰ اور ان کا لشکر
دن رات تلاش و تجسس میں سرگرم رہتے۔
جاٹوں کو مسافروں کے مار ڈالنے، ڈرانے،
لوٹنے ڈاکو ڈالنے کی کھلی چھٹی دے دی گئی
تھی۔

انہوں نے سارے ناکے بند کر رکھے
تھے اور کسی گھاٹ پر کوئی کشتی یا ناؤ نہ
چھوڑی تھی۔ کشتیوں کو بچھا ڈالنے بلکہ
خراب کر کے غرق کر دیتے یا جل ڈالتے۔
ملاحوں کو روک دیا تھا تاکہ کوئی سہیل
یا مسافر کسی وقت بھی ادھر سے نہ گزر سکے۔

فدائے مالک ملک نے مجھ اور میرے
متعلقین کو ہر مصیبت و ہلاکت سے محفوظ رکھ
کر رکھی اور کشتی کی مدد کے بغیر دیاؤں اور
نہروں کو عبور کر کے نجات دی اور ہم سب
کو قاف مسافرت، ہمالیہ، مسالک، حواشی
راہ، اور مصائب گزر گیا۔ ہم سے معون ماموں
رکھا اور اپنی پوری حفاظت، کامل حمایت،
مکمل نعمت اور پیشاں رحمت کے ساتھ ہمیں
اپنے جوار و دیار اور احباب و رشتہ دار تک

حراً ناحیۃ الوطن المألوف والیس
مخوف، وعلیہ مؤف، وبنی وبنی وطن
اقتدار، فیہا مخاوف و اخطار، و
النصارى و جنودہم متجسسون، و قد
ومن الماترة متحسسون، و قد
امروا الرظ و قبیلہم و فریقہم، بان
یفکوا الماترة و یرہبواہم و یرہبواہم
و یقطعوا سبیلہم و طریقہم
و لیریطلوا سبیل العابر و لیریدروا
فلکافی فلک فی معبر من المعابر اخذوا
السفائن و خرقواہا، بل خرقواہا
او عابواہا و اغرقواہا، و حجروا
علی الملاحین، لئلا یتسر العسور
للسیاحین و السباحین فی وقت و حین،
فقد نہجانی و من معی مالک الملک من
کل بلدیۃ و ملک، و جاوہری و جم بحار او
انہار ابل و جسرو فلک، و حفظنا جمیعہا
من آفات تلک المسافرت، و معالک تلک
المسالک، و طوارق تلک الطرائق، و قوارع
تلک الشوارع، و لعلنا یوقایت الکافیۃ و حلیۃ
الوافیۃ، و نعمتہ الصافیۃ، و
رحمتہ العافیۃ، و وطنی و سکنی و
داری، و و جاری و اہلی و حباری

عین ذو وجہین۔

ومنہم مدبر لکنہ مدبر،
یغنی سبہ التدبیر الی الادبار،
والندبار والنبار، ویصتر ولف
الابصار، بصائر الاعتبار۔

واکثرہم للنصارى ناصرون،
وفی تولیہم متناصرون، وکلہم
عن تدبیر تدبیرہم مقصرون، او
مقصرون قاصرون، او متقاصرون،
والنصارى مع نسوانہم وولداہم
معصرون، فی المصروف قضا، معذور
لما فی تدبیرہم بہم من قصور،

وقد حُضِنَ النصارى تلك القصور
بالتخلوق والسوء، والجیوش المنحرفة
حولہم یصلون ویقتلون، ویقولون
مالا یرفعون، ثم اتی جندہم البیضان
لإعداد المحصورین، ودخلوا المصرو
فقاتلہم الغزاة الشجعان، فقتل کثیر
من البیضان، ودخل بقیتہم علی المحصورین
محصونین مکسوبین، ثم خرج کل من القصور
یتعرض لہم احدا باقتضاء الفشل القصور، وتحضن
النصارى فی حدیقة حمی علی
میلین من البلد، وحضنوها

سبھی قسم کے لوگ تھے۔

بعض ایسے بھل گئے والے مدبر تھے کہ ان کی
تدبیر، تباہی و بربادی و ادبار کی طرف ایمانی
تھی اور صاحب نظر افراد کو عبرت کے عجیب
عجیب مناظر دکھائی تھی۔

ان میں سے اکثر نصاریٰ کے معاون مدگار
اور محبت و فاشعار تھے اور یہ سب کے سب
دشمن کی جرأت خیز تدبیروں سے ناواقف اور
ان کی مصالحت اندیشی سے بے خبر تھے۔

نصاریٰ اپنے بچوں اور عورتوں کے ساتھ
شہر میں معمور مکانوں میں گروہ کی ناقص تدبیروں
کی وجہ سے اپنے مکانوں میں محفوظ تھے۔

نصارے نے شہر میں کھود کر اور حصار بنا کر
ان مکانوں کو قلعہ کی شکل دے لی تھی مقابل
شکر ان پر حمد اور ہو کر پسا ہوا جاتا تھا۔ جو
کچھ کتا وہ کرنا پاتا تھا۔ اسی حالت میں محصورین
کی امداد کے لئے سفید روگرہ آگیا۔ شہر میں
داخل ہونے لگا تو بہادر فغانیوں نے ڈاکر
مقاتلہ کیا۔ بہت سے گورے مارے گئے،
باقیمانہ دل شکستہ اور حسرت زدہ ہو کر محصورین
سے پہنچ گئے پھر تازہ دم ہو کر یہ مکانوں سے
نکلے تو بزدلی اور کوتاہی کی وجہ سے کوئی مقابلہ
پر نہ آیا۔ نصارے نے شہر سے دو میل دور

بارغ پر قبضہ جمایا اور قوت و بہاوری سے اسی
کو اپنا گرو بنالیا۔ وہاں مرد پر مرد کو سامان
پر سامان جمع کر دیا۔

وہ لشکر جو شہر میں پہلے سے موجود تھے
اور وہ جو دہلی سے بھاگ کر بکیم کی پناہ میں
آگئے تھے جن کو ملک نے قدر و منزلت کیساتھ
جو درخوشی سے نوازا تھا اور خفا دار سپاہیوں
کا وہ حجم غیر حجب و ضرب سے نابلد اسلحہ
بندی سے ناواقف اور مصمت و معرکے سے
نا آشنا تھا، یہ سب اس بارغ پر خنڈتیں کھڑی
اور کمین گاہ بنا کر جا ڈٹے۔

دونوں فریقوں میں ایک مدت تک
مقابلہ و مقابلہ اور نیزہ بازی و تیر اندازی ہوتی
رہی۔ سنگ اگر نصارتے نے سپاہیوں کے
دالی سے مدد مانگی۔ اس نے ان کی آرزو
کے مطابق تیس ہزار سے زیادہ سپاہی
لشکر بھیج کر مدد کی۔

اب تو نصارتے ان کی گوری فوجوں،
کرایہ کے سپاہیوں اور لالچی معادنوں نے
ایک ساتھ مدد کر دیا۔ یہ جملے بڑے سخت،
متواتر اور مسلسل تھے جنہوں نے مقابلین کو
ان کی جگہ سے ہٹا دیا اور ان کے پاؤں کھڑ
دیئے۔ وہ کمین گاہوں سے ایسی بری طرح

ملہ جہاں بہت ماں و شہزادہ شہزادہ و شہزادہ

حمل نصرتین بقوة و جبکہ، و
طلبو، فیہا مدد اعلیٰ مدد، و
جمعوا فیہا عدد اعلیٰ عدد، و
وجہ الجہوش التي كانت في البلد من قبل
في الایام الخالية، والجهيش التي انت بعد
الفرار من دہلی واذت الى لوالیة، فاونهم
واکوتهم بالعلم متوالیة، وجم غنیر من الاجراء
الاقولم یشہدوا حرم اولم یشاہدوا لعلوا کما
ولم يعرفوا لمصلحة، ولم یزاولوا السلیح، ولم یلتحقوا
و معکة، ولم یقتحموا فمیلکة، تبتوا اتجاه تلك
الحدیقة، مقاعد و حضروا هناك خنادق و
ومراصد، و طال بین الفريقین الترامی و
الفاصل، و امتد بینہما التفاعیل و التقاتل
استخدام نصاری من والی الجبال فاستعظم
بما کانوا یقنون ویریدون، واعدھم من
اخراج الجبلین یجعل کثیر کانوا ثلثین
الفاوین یدون،

فصالت انتصاری و بیضا فہم
و اجرائہم و احوالہم، حرکات شدیدہ،
متتابعہ متوالیہ، و حملوا حملات سدیدہ،
حتی افترقت متوالیہ، قلعت محاربہم عن
مقاعدہم، و غرزلت اقدامہم، ففتروا
من مراصدہم، فخرالہم یستطیعوا بعد

بھلے کر شرکی سردوں پر بھی نہ مقرر کئے بلکہ
اور اس کے بڑے کوتاہی میں چھوڑ بھاگے
ان دونوں سے وقت پر بہت سارا کابن
دولت، ایمان سلطنت نے دغا کی اور وہ دنیا
جوان کے علاقے سے ان کی مدد و اعانت،
عزت و آبرو، مال و دولت کی ممانعت و
حفاظت کے لئے آئے تھے عہد شکنی کر کے
اور کفر کو ایمان سے بدل کر منافق بن گئے
نصارے کی موافقت و رفاقت کو نہ گئے
نصاری بھی و تین شہر میں داخل ہو گئے شہر
کے رہنے والے گھروں کو غالی کر کے نکل گئے
نصاری اور ان کی گوری فوج اڑھائی گوری
نے اس محل شاہی کا جس میں مکہ تھی محاصرہ
کر لیا۔ بیگم اپنے وسیع ہند اور دو سیلیوں کو لے کر
محصور محل کی پشت سے نکل کر دوسرے محل
میں تیزی سے پیدل پہنچ گئی۔

تین دن شہر میں رہ کر بھاگے ہوئے
شکر کو واپس کرنے اور اس سے مدد حاصل
کرنے کی کوشش کرتی رہی۔ وہ شکر ایسا
دہشت زدہ ہو چکا تھا کہ کسی صورت سے اس
نازک موقع پر دستگیری کو تیار نہ ہوا۔ نہ
ان میں سے کوئی قنصل تو مہم اور دہشت بھر
میں کہیں جائے پناہ ہی رہی۔ آخر کو بیگم

قذرا، فی البلدة و ثغورها،
حق ترکوا الولاية و انہا و حیدین ف
قصورها، و خانہما اکثر من اولیاء
دوائہما، و اولکین ملکہما، و ان حکام
سلطنتہما، و دہاقین لہنہما، و ہم کانوا
قد جاءوا الیحدادہما و اعداءہما و اعانتہما
و ممانعتہما و حفظ غرضہما و عرصہما
فکنوا الموافق و الايمان، و استبدلوا الکفر
بالایمان، و وافقوا فوق النصارى و
رافقوہم و انتصروا لہم انتصارا، فدخل النصارى
و اعوانہم البلد فخرجوا منہ و ترکوا دہم و
بیوتہم خالیۃ، حتی حصرت النصارى و
بیضانہم، و جنوہم و اعوانہم، متحیون کانت
فیہا الولاية، فخرجت معہا و امرأتین
من صواحبہا من القصورۃ للحصون من
ظہرہا و راجلۃ، و دخلت محلۃ اخری علیہ
و حکمت فی البلدة ثلثة ایام تستعید جنودہا
الفاترة و تستردہ، و تستعینہم و تستمد،
و ہم قد ملوا من الدہش و العجب
فکنوا و نکلوا عن الاقتحام فی
هذا النکال الصعب، فلم یرجع
الیہا احد و لم یبق لہا فی
البلد ملتحد، فلما استیشت

من الاحوان والنصار ،
 نظرت مع اينها وعدة من
 الانصار للفسان الى القاع والقفار
 فاجتمع اليها جماعات من
 الفرسان الوجال ، وجم غفير
 من الرجال الرجال ، وجمع كثير
 من اهل البلد وريات الحجال
 وهم حفاة عراة ، وقد كانوا
 من السراة ومن حافيات
 غير حافيات ، وقد حفر
 عقال ذوات اخادير
 مقصومات في مقاصير
 فرمين من بقاء بقاء
 واقتنعن للتسوع ببقاء
 فاقتنعن بهامن دون قتاع
 تقاذفن القفل والبلاقم ، و
 انتضيت عنهن الستور
 والبراقع كن في نهو وتيه
 شمرتهن في مهامة وتيه
 قد تركوا امكنة ومكانة و
 دولا ، كانوا لا يبغون عنها حولا
 حتى حال الحال ، وحل الوبال
 وفشا الضبال ، فصار بلا عبيد

اپنے احوال و انصار سے مایوس ہو کر واپس
 اور چند ساتھیوں کو ساتھ لے کر پٹیل میدان ،
 اور بے آب و گیاہ جنگل کی طرف چل کھڑی ہوئی
 اب اس کے گرد کمزور دل سواروں کی کچھ
 جماعتیں ، پیدل مردوں کا انبوہ کثیر شریوں
 اور عزت دار عورتوں کی کافی تعداد اگر جمع
 ہو گئی ، وہ شہرہ سنگے بدن اور سنگے
 پاؤں تھے حالانکہ سرداروں میں سے تھے
 اور عورتیں سنگے پاؤں اور بے پردہ تھیں ،
 حالانکہ گرامی قد ، پردہ نشین اور محل سراؤں
 کی رہنے والی تھیں ، وہ سرسبز و شاداب
 خطوں سے پٹیل میدانوں کی طرف پھینک دی
 گئیں وہ بیوندوں کے کپڑے پکڑ کر تروٹی
 کرتی تھیں اور بدھتے نہ ہونے سے کسی پر
 اکتفا کرتیں ، ایک میدان سے دوسرے
 میدان میں پہنچتیں ، بے پردگی میں روز بروز
 اضافہ ہوتا رہتا ، وہ عیش و عشرت میں زندگی
 بسر کرتی تھیں پھر دور دراز جنگل اور ٹپڑ خطر
 میدان میں ڈال دی گئیں ، ان لوگوں
 کو محلات ، پائنگا میں اور ریاستیں چھوڑنا
 پڑیں حالانکہ وہ ان سے ذرا بھی ہشمت نہ
 چاہتے تھے یہاں تک کہ حال متغیر و وبال
 نازل اور ہلاکت عام ہو گئی ، یہ ایسی مسلک

ترك البلاد يسيدا، والاحمراد
عبيدا، والافنياء مساحين
والنبله مهاجرين، كانوا متوطنين
في قفنية، وبلهنية مع الاهل و
العيال، فاعتزبوا ومطمئنين برفاه
الحال، وبراغ البال، فاضطربوا
انما هم المتربة والارتاب، عن
المنارة مع الارتاب، واضطربوا اضطراب الارباب
عن الارتاب، فمن ياك يتفجع
وشاك يتوجع، وحنان ينجع، و
لهفان يسترجع، صبيان فطموا
قبل الاثان عن اللبان، وشيب
ومشبان، قد استيسوا عن
العلاج واللبان، ما لهم مثنوى
وشواء، ولا لدواهم دواء، و
افندهم هواء، لا تطيب
لهم هوى وهواء، فالعيش
والموت عندهم سواء، كانوا
في سرور وسرب، واستبرق و
حرب، وفواكه وفكاهة، ورفاهة
ونزاهة، ونعمة ونعمة، وغنى وغناء
ونعمة و سزاء وسواء، ودولة
وشاء، اليوم وطا هم قتاد،

مصیبت نازل ہوئی جس نے شہروں کو میدان
آزادوں کو غلام، مالداروں کو فقیر و مسکین
اور شریفوں کو خوار و ذلیل بنا دیا۔ وہ اپنے
اہل و عیال پر آم و آسائش کی زندگی بسر کر رہے
تھے، خوش حال اور فارغ البال تھے کہ
مجبور ہو کر نکل پڑا۔ فقیری و تنگدستی نے
ہمسوں کی محاسنت اور اضطراب و اضطراب
نے برابر والوں کی رفاقت سے دور کر دیا۔
رونے والے آہ و زاری، بیاد فریاد و
شیون کرتے، آرزو مند ملتے اور حسرت
کشیدہ اتانہ پڑتے، بچا اپنی ماؤں کے
سینوں سے قبل از وقت جدا کر دیئے
گئے تھے، بوڑھے اور جوان حاجتوں کے
پورا کرنے سے ناامید تھے، نہ ان کا کوئی
ٹھکانا تھا، نہ بیماری کی دوا تھی، ان کے
دل خالی تھے، ان میں نہ کوئی خواہش تھی
نہ انہیں کوئی بات بھاتی تھی، زندگی اور
موت ان کے لئے دونوں برابر تھے وہ
مسرت و شادمانی، تخت شاہی، و برقع و
حریر، میوے، خوش طبعی، عیش و عشرت،
نفاقت و نزاہت، نزاکت و نعمت،
نزد و سرود، مال و دولت، خیر و بُشر
میں پے تھے۔ آج ان کے

ما لہم زاد و عتاد ، و نیا بہر احدی
و ما لہم من الراسخ خلق ، عا فہم
اللہ برحمتہ ، و اخذ الظلمین بیطشۃ
و نقتلہ ، ثوران النوا لیتہ اعم
الحضرة العالیۃ ، بعد ما اوفی الیہا
جموع من الجیوش ارضی و ربوا ،
و کثیرا من الذین اغتربوا عبرت
معہم من البحار و الانهار الملاقف
لا یعبر منها بدون المثلک ، و اقامت
معہ من شایعہا فی حریمۃ علی شاطیئہ بحر
فی شمال المثلک ، و اقدت اذا قامت
بہا قرینانہ و رجا لا علی المعابر لیقبضوا
علی السفائن ، و یصدوا عن العبور
اہل المضائق ، و امر سلت عملا لا
لاخذ الخراج و اصلاح الرعا یا فی القری
و المدن امن ، و جھزت جیوشا و
بعثنا لیقیموا بمن صد قریبۃ من
دار ملکہا لئلا استولی النصر علیہا
لیقاتیوہم و یلاحموہم و یجاءوہم
و یراحموہم عند اتھاضہم من حوالہا
تکفوا حقنت الام کلہ ، عقدہ و جلہ ،
دفعہ و جلہ ، الف عامل حاملہ ،
ذائع اہل ، لعل یکن للامس

سامان و نادراہ کا پتہ نہیں ، کپڑے پر سیدہ
میں اور عیش و راحت میں کوئی حصہ نہیں
اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے انہیں معاف
کرے اور ظالموں کو سخت گرفت میں لے۔
پھر والیہ یعنی حضرت عالیہ ، اس لشکر کو
جو بھاگ کر اس کی پناہ میں آگیا تھا اور
دوسرے ساتھیوں کو لے کر ایسے دریاؤں
اور نروں سے گذری جن سے بغیر کشتی کے
عبور مشکل و دشوار تھا۔ وہ شمالی ملک میں
دریا کے کنارے ایک گاؤں میں اپنے
ساتھیوں کے ساتھ اقامت کریں ہو گئی
اور دریا کے گھاٹوں پر سوار پیادے
بٹھا دیئے کہ تمام کشتیوں پر قبضہ کر لیں اور
دشمنوں کو دور یا عبور نہ کرنے دیں۔ اس نے
انتظام رکھایا اور حصول خراج کے لئے شہروں
اور قصبہات و دیہات میں عامل بھیج دیئے
لشکروں کو آراستہ کر کے اپنے اس تسلط
کے قریبی مورچوں پر جس پر اب نصاری
کا قبضہ ہو چکا تھا ، بھیج دیا تاکہ اگر دشمن دھڑ
کا قصد کرے تو اس سے طرے کر مقابلہ و
مقاتلہ مزاحمت و مجادلہ کیا جائے ، لیکن
یہ تمام مورچہ داران کا اہتمام و انصرام ایسے
ذلیل فاضل اور تھیر غافل کو سونپا گیا تھا جو

کسی طرح اس کا اہل نہ تھا، وہ صحیح مشورہ سے گریزاں اور جہل سے بھکا رہتا آسان باں کو سخت اور دشوار کو آسان سمجھتا، وہ ذلیل احمق اور بزدل تھا۔ اس نے مکالمات و مشاہدات مجاہدت اور مہارت کے لئے احمق، جاہل اور ذلیل طبقہ کو چن رکھا تھا۔ وہ نخوت و غرور کی بنا پر شریف سرواروں اور عقلمند رہنماؤں سے بچتا اور اپنے ہی اہل غاندان اور اغزہ میں سے جاہلوں اور احمقوں کو مصاحب و محکم بناتا چنانچہ اس نا تجربہ کار نے ان لشکروں پر مکین، ذلیل، بزدل اور ذلیل لوگوں کو مقرر بنا دیا۔ وہ بڑے ہی لالچی تھے، جو کچھ لشکر پر کو خوراک وغیرہ دیکھا، کھا جاتے۔ وہ بدبخت تھے۔ اپنی کینہ پروری کی وجہ سے ان کے نذر اور بس میں خیانت کرتے، اگر ان پر دشمنی کے رنگ موت، ہر آواز کو دشمن کی آواز سمجھتے ہمیشہ اضطراب کے ساتھ خوف کی وجہ سے لرزتے رہتے، کسی وقت بھی ان کو راحت و سکون میسر نہ تھا۔ بزدلی سے ہر آواز کو موت کا پیش خیمہ اور ہر صدا کو موت کی پکار سمجھتے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ کینے دشمنوں کے سامنے محبت و مہاجرت کے ساتھ پیش کئے جا رہے ہیں۔

اعلم لا یستشیر ویأتمر جملاً، یتصعب کل سہل ویحسب کل صعب سہلاً، وکان وعداً زہدنا دہوناً، لا یتستخلص للمعاشرۃ والمشاویرۃ، والمجاویرۃ والمجاویرۃ الزسفلۃ یجملو دونا، یتجنب النبذۃ الدہاء، والعقلۃ الہدایۃ بنخوتہ، ولا یتصحب ولا یؤمر ولا یتسل الا السفلۃ الجملة من عشیرۃ و اخوتہ، فامر ذلک الی امر علی تلک الجیوش سفلۃ جہینہ اندالاً، وقسلاً قسلاً ارذللاً، یطمعون فی قطعہم ما أدر للجبوش لا قواہم، ویختانون طافی صدہم من غل فیغلون ویغلون من غلامہم یحسبون کل صیحة علیہم ہوا العدو، فلا یزانون، من الفرق فی الفلق ما یہم قہ، اروکلا حدو، یظنون من غایۃ الوجہ کل صیحة مقدمۃ الیہم والیہم، ولعلہم یلقون الی العداۃ اللہام، بالمودۃ واللؤام والالتیام۔

نصارے دارالسلطنت پر قبضہ کرنے کے بعد وہیں ڈٹے رہے اطراف و جوانب کی طرف نہ نکلے، انہوں نے گردنِ نواح کے کافروں، دیہاتیوں اور کاشتکاروں کی تالیفِ قلب شروع کر دی۔ ان کی خطاؤں کو درگزر، ان کے خراج میں تخفیف اور تادانوں میں کمی کی۔

اس مہربانی پر وہ مطیع و فرمانبردار و معاون و مددگار بن گئے۔ ادھر سے مطمئن ہو کر اطراف ملک میں شر و دیلت پر قبضہ کرنے کے لئے نصارے نکل کھڑے ہوئے۔

جب نصارے اس مقدس کی طرف متوجہ ہوئے جو دارالسلطنت سے جانبِ شمال آٹھ میل کے فاصلہ پر واقع تھا اور جس میں سوار، پیادے اور وہ رذیل و ذلیل قابضِ عظیم بھی تھا تو وہ کمین قائد ان کی آمد کی خبر سن کر بھی اپنے ذلیل مرداروں کے ساتھ بھاگ گیا۔ بہادر بندوق کی تھوڑی سی تعداد اپنے گاؤں کے بہادر رکھیا کے ساتھ مقابلہ پر ڈٹ گئی۔ یہ سوتے زیادہ نہ تھے۔ دشمنوں کو فنا کے گھاٹ اتار کر خود بھی کٹ گئے۔ وہ فرار کی عار برداشت نہیں کر سکتے تھے اور بھگوڑے قائد کی طرف کافی لشکر اور ساز و سامان کے ہوتے

طہ نوب تجھے ہر جہی ۱۱

والنصارى بعد استيلائهم على دار الملك لبثوا فيها ولم يخرجوا الى ارجائها ونواحها وطفقوا يؤلفون كفار الاقطار واراكينها، وحرثا القرى ودهاقينها، بالصنع والحق عن المداحى والجنايات والتخفيف في الخراج والتخفيف في الجبايات.

فلما دناوا لهم دأبهم اعضادا، وكانوا لهم فكانوا لهم اعضادا، فبرز النصارى الى نواح الملك واقطاره، ليستولوا على اقراه وامصاره، فلما عمدوا الى مرصد كان من دار الملك فجمعت الشمال على ثمانية اميال وفي خيل ورجال مع قائد كبير من اسفل الزل فهيرق لك القائد الرليل مع من معه من ذلك القبيل اذ سمع من ثقاتهم خيرا، قبل ان يرمى احد منهم اشرا، وثبت هناك للقتال جمع قليل من الهنادك الا قتال، مع اركوب ركين كان من شجعان الابطال، ولم يكن عدد تلك الفئة، زائدا على المائة، فقاتلوا وقتلوا وقتلوا ولم يبق منهم احد لتجنبهم عار الفرار وفقد المدد من قبل القاسد العتار مع كثرة من كان معه من طه في ثمتا بل امتال مشرقا، طه في ثمتا مشرقا.

العدد، وما كان معه من العدد،
 فاستولى النصارى على قرية
 كان فيها ذلت الجبان، الخوان
 للصداد وجدوا غالية، عن غوثها
 خاوية، فجعلوا تلك القرية حصنا
 حصينا، وحصارا منيعا صينا، وجمعوا
 عدد ابلوثوا فيها مئدا، لا يقدهون
 ميلا، كانهم ينتظرون ما اقلوا من قواد
 الجيوش تا ميلا، ويتقون بما وعدهم اولئك
 النخوان فيؤجلون الى بخار الوعد تا جيل
 ثم انهم خرجوا فاجاب الغيب من البلد الى
 ناحية تجل حاقينها وسكنها لم يدبوا، ولم
 على اعدائهم معيّن، وكان فيهم من قبل المواساة
 العلية حاصل شامل لم يكن حائرا ولا مضربا ولا
 مدبرا، فوالم الديوثى وهو عابر لم مدبرا
 وحراب بله مقابلة ومقاتلة هربا، واتخذ
 سبيل سربرا، لقلعة الخيل والرجل لدية، و
 عدوان الدهاقين والكفار علبة،
 قد كانوا واشقوا على انهم وافقوا، ثم خالفوا بعد
 ملحا الفى، ووجدوا غدا، ومكروا مكر الكفر
 وكفروا بنعمة كانوا بها راغبين، ونعمته كانوا
 فيها اهاكهم دحرا، واذا دوا الى الكفرو
 الكفولين، بهتوا كثران الايمان والفرقة دوا عن

ہوئے بھی انہیں کوئی مدد نہیں پہنچ سکی تھی۔
 نصارے نے جب اس گاؤں کو جس میں
 وہ نامرد خائف، عامل نگہداشت کئے لئے موجود
 تھا، غلبی اور ویران پایا تو اس پر قبضہ کر کے اپنا
 مضبوط و محفوظ قلعہ بنالیا۔ وہیں فوج جمع کر لی
 اور مدت تک وہیں مقیم رہے وہ ایک میل بھی
 نکل کر نہ گئے۔ وہ سرداران لشکر کی امیدوں کی
 تکمیل اور ان خائفوں کے ایقانہ وعدہ کے منتظر
 تھے اسی لئے اپنے ایثار وعدہ میں بھی تاخیر
 کر رہے تھے۔
 اور سرے فارغ ہو کر انہوں نے اس مغربی
 گوشے کا رخ کیا جہاں کے تمام باشندے
 ان کے مطیع ہو چکے تھے اور دشمنوں پر ان
 کے معاون تھے۔ وہاں بھی ملکہ کی طرف سے
 ماعاقبت اندیش، غیر مدبر، نا تجربہ کار اور ذلیل
 عامل تھا، وہ بھی پیٹھ پھیر کر مقابلہ کئے بغیر مدی
 طرح بھاگا۔ سرنگ میں ہو کر اپنا راستہ بنایا،
 اس کے پاس سوار اور پیادے بھی کم تھے۔
 اس پر ستم یہ ہوا کہ کفار اور دیہاتیوں نے
 معبدہ و قسم کے باوجود وقت پر دعا کی، غدر و
 مکر کی استاکردی، ناز و نفعت اور پریش و
 مسرت زندگی کا کفران کیا، معابدوں سے
 انکار کر کے کفر میں اضافہ اور ارتداد میں زیادتی

کلی،

اس موقع پر قسطنطنیہ کے قتل
کے لئے دوسری طرف کا ایک عامل بھیج دیا
ہوا۔ اس نے خیرات و مہربانیاں اور عداوت و
حسنا کا کافی ذخیرہ اپنے اندر جمع کر لیا تھا۔ وہ
بڑا ہی پاک طینت، صاف باطن، متقی، پرہیزگار
ہوادار اور رسولِ مہتمم اور نبیِ مہرحم صلی اللہ علیہ
وسلم کا ہمنام تھا۔ اس نے نصاریٰ کے لشکر
پر حملہ کر کے پہلے ہی حملہ میں شکست دی۔

اپنی ساری کوششیں ختم کر کے دوبارہ
اور قصبہ کے ایک ہندو کے مضبوط و محفوظ مکان
میں پناہ لینے پر مجبور ہوئے اور غلط نصاریٰ
کے پاس شہر میں پیغام بھیج کر مدد مانگی۔ انہوں
نے ایک لشکر اور منافقین و دو بائین کا جم غفیر
جنہوں نے عہد شکنی کی تھی۔ ان معسکین کی مدد
کو بھیج دیا۔

ادھر اس نیک مرشت ہوادار عامل سے
ایک سیانی کافر زحید نے بڑا دعو کھلا۔ اس
نے قسمیں کھا کر ایمان نہ لایا کہ جب دونوں
جماعتیں مقابلہ پر آجائیں گی تو چار ہزار سواروں
کا گروہ لے کر مدد کو پہنچوں گا۔

جب مقابلہ کی نوبت آئی تو اس زحیدار
کی قسموں پر بھروسہ کر کے اس دیندار عامل
مے شاہ محمد شاہ دہلی کے چچا پرستار، چچا جی صاحب شہناورد

الایمان، کفر نانا و کفرنا، فانتھن
المطربة النصاری، المنسلطین علی ملک
الناحیہ عامل ناحیہ آخری، قداہ حرم
المحسنات والمحبوات، والسعادۃ والعلوات،
ذخرا، کان بزانقیا، صفیانقیا، شجاعا
کمیا، لرسول الملاح محمد نبی المرحم
صلی اللہ علیہ والہ وسلم سمیا،
فلما علی النصاری وجہہم،
فمن مہر فی اول مطبوۃ،

ففر و بعد مذل جہدہم و تحصنوا مع
عصبۃ فی دارہندکی فی القصۃ، کانت
تلك الدار منیۃ حصینۃ، وکتبو الی طلب
کتیبۃ، یمدوخم الی عظاما النصاری، کانوا
فی المدینۃ، فارسلوا الیہم کتیبۃ من
فی القم، ومعہا جم غفیر من الدھاقین و
المنفقین الذین یکتوا الاثیماء، وکفر و بعد الایمان،
بتقص حوائثہم، وقد خدع بعض الکفر من
الدھاقین الکفار ذلک العامل لہذا الکفر،
بمکوکیل، فوافقتہ بتاکید الایمان بانہ یمتہ
اذا التقی الجمعان، بامرہۃ الالاف
بیطال الشجعان،

فما تری فی الفستان، حال ذلک
العامل المستدین الکامل مع عدوہ من لغتیا،

علی عسکر النصران، منخربا باعداد
ذلک الکافر الدھقان، فرمے

عسکر النصرانی بالبنادق والمجانیق
من امامهم وجوہہم وجدوہم
ویرت جماعت ذلک الدھقان الکفار
المکار الغدار من خلفہم ادبارہم
وظہورہم، وكانت تلك الجماعة
فی الحقیقة انصار الانصار۔

اعوانہم واتباع الشیاطین والخوانہم
فاستشهد ذلک العامل
الکامل فخر فی المعركة شہیدا
صریعا، واستشهد کل من معہ عند
الصیال والقتال استشہاد اسریا،

وبعد استشہاد ذلک البامالک
وهؤلاء الامراء، ولی من ولایہم الادبار
للفرائ، وفروا فرار الحریث غنایہ
الی ما خلفہم وما وراءہم لغلبة الفشل
والاصطوار، وتغلب جنود النصرانی
ضاقہم بالاثمان والتقتیل، فاجبا منہم
الاقلیل مجدوا عند الفرائ فی الامسراع
والتعجیل، وعند ذلک لان ودان، وكان
کل من کان فی تلك الناحیة من الذرکین و

الذکران، وغیرہم من الرعا یا والدھاقین و

نے اپنے تھوڑے سے بہادروں کے ساتھ
دشمن پر حملہ کر دیا۔

نتیجہ یہ ہوا کہ سامنے سے توبند و قواؤ
توپوں سے چہروں اور سینوں پر نصار نے
سے گویاں برسائیں اور پیچھے سے اس
غدار مکار زمیندار کی جماعت نے پشت و
سرب کو پھوڑنا شروع کیا۔

وہ دراصل نصار نے کے انصار و
اعوان اور شیاطین کے اتباع و خوان تھے
وہ غدار پرست عامل معرکہ میں گر کر
شہید ہوا اور اس کی ساری جماعت نے
بھی اسی کے نقش قدم پر چل کر جام شہادت
نوش کیا۔

ان سب ابراہا و خیار کی شہادت کے
بعد بڑوں لوگ ایسے بھاگے کہ نامردی اور
منظر اس سے پیچھے مڑ کر بھی نہ کیا۔ نصار نے
سے تعاقب کر کے ان سب کو بچہ بچہ قتل
کر ڈالا، تھوڑے سے وہ بچ رہے جنہوں
نے بھاگنے میں پوری تیزی اور عجلت سے
کام لیا۔

اس نواح کے سارے باشندے
وہ بھائی، کاشتکار، مکھیا اور مقدم وغیرہم
سب مطیع و فرمانبردار بن گئے البتہ دو بہادر،

فرقہ مند، اور غارتگر جو افرادوں نے خوب جم کر مقابلہ کیا۔

اپنی بے پناہ شجاعت و بہاوت سے
قلبِ اسبابِ جماعت کے باوجود دشمن کے
ہزاروں سوار، پیادے ٹھکانے لگا دیئے
آخر کار مجبور ہو کر اپنی بہادری سے جان بچا
کر نکل گئے اور دشمن ان کا تعاقب نہ کر سکا
اب وہ نواح بھی صاف ہو گیا۔ ان دونوں
سرداروں کی شکست کے بعد مخالفوں کے
دل میں دشمن کا رعب قائم ہو گیا۔

یہ واقعہ رنجبہ واقعات میں سے سب
سے اہم اور آخری واقعہ اور اس جنگ کا
خاتمہ تھا۔

نصابے یہاں غالب ہونے کے بعد
دوسرے اطراف میں پھیلنا شروع ہوئے۔
وہ جب کسی طرف کا قصد کرتے تو وہاں کے
رہنے والے غم و فکر میں مبتلا ہو جاتے اور
ڑسے بھڑسے بغیر شکست مان لیتے۔

ان تمام فتح مند یوں کے بعد ملکہ نصاریٰ
اکتوبر، مکیہ سے باز رہی۔ اس مکر کی وجہ
سے انہیں بڑی قوت و طاقت حاصل ہو گئی
اس نے تمام دیہات، شہروں اور قصبوں
میں مطبوعہ حکم نامے ہماری کئے جن میں عام

الکائنات لعش النصران، ما عدا المنین
ابین کین من مغربین قاتلا النصاری
اشد قتال، فقتلوا کثیرا من جنودهم من
جبل ورجال، بشرف صامتہا و شجاعتہا
مع قلة بضاعتہا و جماعتہا، شہر
استخلصا منهم بتصلبہا، فلم یہتم
للنصارى بتعقبہا، فصفت لہم
تلك الناحية والقتل العجب فی
قلوب مخالفہم تلك الواقعة
الدهیة۔

وكانت من ادهى الخطوب،
الباغثة للکروب، و كانت تلك
الهیجة کا نہا لخاصة الوقائع والحروب
فبعد ما غلب فیہا النصاری وانتصروا
فی النواحي الاخرى وانتشروا، فكلما احتوا
قطر اهتموا باخذہ اہتماما، ہم ہم ہم
فی ذلك القطر من مخالفہم فاحتوا اہتماما،
ما استطاعوا معہا هناك قیاما وانزعوا
قبل المكافحة انہزاما، ومع ذلك کادت
ملکہ النصاری کیدا، قد اذت ادوابہ قوۃ و
ایدا، وذلك انہا قد شہرت باہمالیة اہمالا
مطعنی فی کل من الاقطان والفرج والامضاء،
فاشہر غایۃ الاشہار انہا قد عفت عن

معافی کا اعلان کیا کہ تمام باغی لشکر اور
سرکش و نافرمان رعایا کو، ان لوگوں کو چھوڑ
کر معاف کیا جاتا ہے جنہوں نے عورتوں،
بچوں اور ان نصاریٰ کو جنہوں نے مجبور
ہو کر پیالہ نمی، ظلم و عداوت سے قتل
کر ڈالا۔ یا وہ جنہوں نے سلطنت ریاست
قائم کی، یا وہ جنہوں نے مرکشی و عدوان پر
لوگوں کو ابھارا،

ادھر وہ باغی لشکر اور دوسرے بیگم
کے ساتھی، روزی کے نہ ہونے اور خواہ
و ضروریات زندگی میرزا نے سے پریشان
ہو چکے تھے۔

نصاریٰ کے مسئلہ و منتشر ہو جانے
کی وجہ سے بیگم کے پاس خراج اور محاصل
کا آنا بند ہو گیا تھا۔ زمین کی کسادگی کے
باوجود ان پر تنگ ہو چکی تھی۔ وہ بڑی محنت
مصیبت و تنگی میں پر گئے تھے، وہ سب
تنگدست اور عیش و راحت سے دور تھے
ان کے دل اہل و عیال کی بدائی سے پارہ
پارہ تھے۔

ایسے حالات میں مجبور و مضطر ہو کر بہت
سے لشکری و فوجی نصاریٰ کے اطاعت گزار
بن گئے۔ ان کے پاس ہتھیار، گھوڑے،

الحیضہ النقی وغیرہ، والعیال الذین اسر تکبوا
العصیاء وقتلوا، الا الذین قتلوا النسوان
والنصبیاء، والنصارى الاولی جلد و مضطر
للاستیمان، فاستألهم بالعداوة والعذران
والذین قتلوا للملک والریاست والسلطان
والذین کانوا یحزنون الناس علی الاعتداء
الطفیان، وقد کان من الجیوش المنقرضہ وغیرہم
ممن رافقوا ورافقوا والیہ واجتمعوا لیدیہا
لنحو المعاش إذ قد نزلت ارضاقہم وقترا قوتہم
وعدم ما کانوا یعطون مشاہدہ او میاومہ
لفقد خراج کان یجب
الیہا، لانتشار جنود النصارى
فی اقطار الملک وتسلبہم علیہا
فضاقت، علیہم الارض بما
مرحبت، وضاقت علیہم
الفسہم فی ضنک شدید،
وضیق مدید، وکان کل منہم
صفرا لکن والراحۃ، فقید العافیۃ
والراحۃ، مقسمہ بالبال بالہلبال
لنأی الامحل والعیال، فارتد کثیر
منہم الی النصارى واشیاعہم، واختاروا
الانقیاد لاطاعتہم واتباعہم، فسلبہم
النصارى ما کان لہم من الافراس و

جو کچھ تھا چھین لیا گیا اور پروانہ امان و دیدیا گیا۔ اب وہ اہل وطن کی طرف غائب و غامض ہو کر لوٹے۔

پھر تو نصاریٰ سارے ملک پر بلا عزا قابض ہو گئے۔ میدان کارزار اور لڑائیوں سے نجات پا گئے۔ بیگم اس تباہی و بربادی کے بعد بچے کچھ قوڑے سے ساتھیوں کے ساتھ پہاڑوں کی چوٹیوں پر چلی گئی۔

میں مسافرت و غربت، اضطراب مصیبت کی زندگی گزار رہا تھا اور میرا اشتیاق و رغبت اپنے گھراہل و عیال، پردوسی اور احباب تک پہنچنے کے لئے بڑھ رہا تھا کہ امن و امان کا وہی پرواز جسے قلموں سے نمونہ کیا گیا تھا، نظر پڑا۔ اس پر بھروسہ کر کے اپنے اہل و وطن میں پہنچ گیا۔ مجھ اس کا بالکل خیال نہ رہا کہ بے ایمان کے عہد و بیان پر بھروسہ اور یقین کی قسم دہین پر احتیاط کسی حالت میں درست نہیں خصوصاً جبکہ وہ بے دین جزاء و سزا، آخرت کا قائل بھی نہ ہو۔

قوڑے دن کے بعد ایک راکم نظر فی نے مجھے مکان سے بلا کر قید کر دیا اور نچ و غم میں مبتلا و مقید کر کے دارالسلطنت (کھنڈو جود ریل) اب خانہ بلاکت تھا بھیجا۔ یہ میرا معاملہ ایسے

سُلحان، واعطوهم خطوط الامان، فارجعوا الى الاهل والاطوان، ابین غائبین معاً الخسران والحرمات۔ فقلط النصاری علی الملک کلہ بلا مہزاح، واستراحوا من المعارك والملاحم، والوالیۃ بعد هذا الخیال والوبال، اوت مع قلیل من الیچال، الی قتل الجبال۔

واذکنت قد طال اغترابی واکتیاہی واضطرابی، واشتد ارتغابی، فی ایابی، الی داری واهلی وجیری و احبابی، و رأیت موثق الایمان موثقاً بالایمان، مرجعت الی اہلی و وطنی، و داری و سکنی، معطمنا بموثق الایمان، غافل عن انہ لا ایمان لمن لیس لایمان، و انہ یمین بعد الیمین، من لا یتذقین بدین، ولا یخاف یوم الدین۔

فعدایام دعائی من معافی اعلل نصرانی، وخبسنی و عفا فی جزئی معافی ثم سلی ما سورا الی قاعدة الملک الی صارت دار الملک، و فوض امری الی

ظالم عالم کے سپرد کر دیا جو مظلوم پر رحم کرنا ہی نہ
 جانتا تھا۔ اور میری چٹلی ایسے دو مرتبہ جھگڑا لو،
 تندرخوا افراد نے کھائی جو مجھ سے قرآن کی حکم
 آیت میں مجاہد کرتے تھے جس کا حکم یہ تھا کہ
 نصارے کا دوست بھی نصرانی ہے۔ وہ دونوں
 نصارے کی موثقت و محبت پر منحصر تھے انہوں
 نے مرتد ہو کر کفر کو ایمان سے بدل لیا تھا۔

اس ظالم عالم نے میری جلا وطنی اور عرقیہ
 کافیہ رسا در کر دیا اور میری کتابیں، جامدادی،
 مال و متاع اور اہل و عیال کے رہنے کا مکان،
 غرض ہر چیز پر غاصبانہ قبضہ کر لیا۔ اس شرنگ
 رویت کا تنہا میں ہی شکار رہنا تھا بلکہ بہت
 سی مخلوق اس سے بڑھ چڑھ کر، تار و اسلوک
 روار کھا گیا۔ انہوں نے عہد و بیمان توڑ کر
 ہزاروں مخلوق خدا کو چھانسی قتل، جلا وطنی
 اور قید و حبس میں مبتلا کر دیا، وعدہ
 غلافی کر کے بے شمار نفسوں اور لاتعداد نفیس
 چیزوں کو تباہ کر ڈالا۔ اس طرح خونِ ناحق
 شمار سے اُگے بڑھ گیا، سینکڑوں اور ہزاروں
 سے گنتی نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح شریف و نیازمند
 قیدیوں کی تعداد صد سے متجاوز ہے، مخصوص
 دہلی اور ہمارے دیار کے ماہین وسیع علاقے
 میں جہاں شریف و عظیم خاندانوں کے شہر کے شہر

حاکم متحکم، ظالم لایسری
 منتظلم، ووشی علیٰ عنده
 مرتذان اشذان الدان، جاد لانی
 فی ایلہ من اعی القرآن، محکمۃ
 حکمت بان من یتولی النصائح نصیران
 و ہما علی تولیہ ہر نصیران، فارستدا
 واستبدلا الکفر بالایمان، ففطی
 علی بتغلید حبسی وتعذیبی، وجلائی و
 تعزیبی، وغصب کل مالی من کتبہ نشی
 و مالی، وغصب دوا کانت لہ علی عیالی
 و ہم لم یخضونی بهذا الغدیر الغضیب،
 بل عاملوا خلقا کثیرا بما ہو اقلہم من
 هذا الصنع الشنیع، فہم نکثوا حقہم
 کل نکث، واعتلوا کثیرا من الخلق
 بالضرب والخنق واخذوا کثیرا منہم
 بالابلاہ بالقسر والجلاہ، بلا مان و مکشہ
 و اخلقوا کل وعد کل اخلاف، و اتلفوا
 النفوس والنفساں اعی اتلاف، فقد
 جاوز العدملہ مطلوبہ لاتحصی بمات
 والاقت، وتعذی الحدرقاب
 مغلولہ من اشراف واجلاف، استما
 فیما سین دہلی و کدیارنا من فیہم
 قطن، فیہ ہلاک و قری و قصبات ہی

مواطن الاكثر ثبال وخطر.

وقد ارسل اليهم مكييس يدعى

الاسلام والايمان، جبرعاً اوفالى

حارر ياسته بالاستيان، فامرهم

فخرهم بعد ما وعدهم بالايمان

فقد ربحهم ارضاء للنصارى بما هو

محظور في جميع الاديان، ولحيث

لاسترضاء النصارى سخط العزيز

المنتقم للديان، فقتل النصارى

اولئك المسلمين، مفلولين مسلمين

فقالوا كثير من الضلالت، وعدوا بها

جما من هؤلاء بالقيود والجلد، وما

يشق جداً من اشد البلاء فقد شاك

النصارى ذلك المكييس، فما استحقوا

من الامجور في ابتلاءهم عباد الله

بكل عذاب مبين.

هذا، ولما ابتلى النصارى

بالحبس، بما اختلفوا من الخدم و

اللبس فقلوبهم من سجن الى سجن، و

من حزن الى حزن، ونزادوني شجنا

على شجن، وحزننا على حزن، ولبسنا

الانعال واللباس ولبسوا على كسى

الكساد والكرياس، واخذوا حتى

گاڑوں کے گاڑوں اور قصبے کے قصبے آباد ہیں

ان شرقاء وعظما کے پاس ایک کھنکھنے جو

اسلام وایمان کا مدعی بھی تھا، دارالریاستہ

میں طلبی کے ساتھ امن و امان کا پیغام بھیجا

وہاں پہنچنے پر اپنے وعدے سے پھر کر نصاریٰ

کی خوشنودی کی خاطر غداری کر کے ان سب

کو گرفتار کر لیا۔ بدعہدی سارے مذاہب

میں مذہم و ممنوع ہے اس کا بھی لحاظ نہ کیا،

یہ بد بخت نصاریٰ کی رضا جوئی میں قدرے عزیز و

منتقم کے غصے سے بھی نہ ڈرا، نصاریٰ نے

ان سب کو جھکڑی اور پڑی پہنا کر محبوس کر دیا

اکثر شرقاء کو قتل اور باقی کو قید، جلا وطنی اور

طرح طرح کے عذاب میں مبتلا کیا۔ اس طرح

وہ بد نصیب میں بھی نصاریٰ کے ساتھ اللہ

کی مخلوق کو سخت عذاب میں مبتلا کرنے کی وجہ

سے اجر و انعام کا مستحق بن گیا۔

یہ المناک کمائی یوں ختم ہوئی، اب ہیرا

باجوانے، مکرو تکبیس سے نصاریٰ نے جب

مجھے قید کر لیا تو ایک قید خانے سے دوسرے

قید خانے اور ایک سخت زمین سے دوسری

سخت زمین میں منتقل کرنا شروع کیا۔ مصیبت

پر مصیبت اور غم پر غم پہنچا یا۔ میرا جوتاؤ لباس

تک اتار کر موٹے اور سخت کپڑے پہنا دیئے

فراشا لینا حسنا، ومهد والی
 وطاء، مولما حشیشنا، کاندہ شوک
 قتاد، او جمر وقاد، ولحمیترکوا
 غندی ابریقا ولا قعبا ولا انیة
 واضعمونی حننا زینا وسفونی میاها
 انیة، فعوضت من حمیم دان،
 بحمیم آن، وبلیت مع مالی من
 کبروتوان، بصغار وهوان، فی
 کل ان، ثم قذفی شط الخضم
 الکالم الی شط الخضم المالم، الی
 جبل مستویل وآس، اسمہ یاس
 لا یزال الشمس فیہ علی سمت
 الماس، فی شعاب صعاب، وطقا
 فیها عقاب، وفجاج نقشاہ امواج،
 من بحر لبحی ماءه أجاج، نسیمہ
 احتر من السموم، ونعیمہ احتر
 من السموم، غذاءه احتر من طعم
 العلاقم، وماءه احتر من سموم
 الرماقم سملہ غمام، یعطل الغوم
 وسعابہ القسم، ینفیض الهموم،
 واراضه کالجدری والحصبه حصاء،
 وریجہ من النکبة نکباء، کل بیت
 فیہ من الحشائش والقصب، حملو

زم و بہتر بہتر چھین کر، خواب سخت و تکلیف
 وہ بچھو نا حوالہ کر دیا، گویا اس پر کانٹے بچھا دیے
 گئے تھے یا دھکتی ہوئی چنگاریاں ڈال دی گئی
 تھیں، میرے پاس ٹوٹا، پیالہ، اور کوئی برتن
 تک نہ چھوڑا، بچل سے ماش کی دال کھلائی
 اور گرم پانی پلایا، مہمان مجلس کے آپ بخت
 کے بھائے گرم پانی اور ناتوانی و بکری سنی کے
 باوجود ذلت و رسوائی سے ہر وقت سنا
 رہا، پھر ترش رو دشمن کے ظلم نے مجھے دریائے
 شور کے کنارے ایک بلند و مضبوط، ناموافق
 آب و ہوا والے پہاڑ پر پہنچا دیا جہاں سوچ
 ہمیشہ سر پر ہی رہتا تھا، اس میں دشوار گزار
 گھاٹیاں اور راہیں تھیں جنہیں دریائے شہ
 کی موجیں ڈھانپ لیتی تھیں، اس کی نسیم صبح
 بھی گرم و تیز ہوا سے زیادہ سخت اور اس کی
 نعمت زہر پلاہل سے زیادہ مضر تھی، اس کی
 غذا احتفل سے زیادہ کڑوی، اس کا پانی،
 سانپوں کے زہر سے بڑھ کر ضرر رساں اس
 کا آسمان غلوں کی بارش کرنے والا، اس کا
 بادل رنج و غم پرسانے والا، اس کی زمین
 آبدار، اس کے سنگریزے بدن کی پھینیاں
 اور اس کی ہوا ذلت و خواری کی وجہ سے میری
 چلنے والی تھی، ہر کوٹھری پر چھ پر خا جس میں

رج و مرض بھرا ہوا تھا، میری آنکھوں کی طرح
ان کی چھتیں ٹپکتی رہتی تھیں، ہوا بولہ دار اور
بیاد یوں کا مخزن تھی، مرض سستا اور دوا
گراں، بیماریاں بے شمار، غارش و قوبار
(وہ مرض جس سے بدن کی کھال پھٹنے اور
چھلنے لگتی ہے، عام تھی، بیمار کے علاج،
تندرست کے بقا صحت، اور زخم کے اندہل
کی کوئی صورت نہ تھی۔

معالج مرض میں اضافہ کرنے والا اور
معالجہ ہلاک ہونے والا، طیب تکلیف رنج
برسلائے والا تھا۔ نجدیہ کی زخمخواری ہی کچھ جلتی
نہ اس پر رنج و افسوس کا اظہار ہی ہوتا، دنیا
کی کوئی مصیبت یہاں کی المناک مصیبتوں
پر قیاس نہیں کی جاسکتی۔ یہاں کی معمولی
بیماری بھی خطرناک ہے۔ بخار موت کا
پیغام، مرض مرسام اور ہرسام (دماغ کے
پر دوں کا درم) ہلاکت کی عفت تام ہے
بہت مرض ایسے ہیں جن کا کتب طب میں
نام و نشان نہیں۔ نطرائی ماہر طبیب، مریضوں
کی آنتوں کو تود کی طرح جلاتا اور مریض کی
حفاظت نہ کرتے ہوئے آگ کا قہر اس کے
اوپر بناتا ہے۔ مرض نہ پہچانتے ہوئے دوا
چاکر موت کے منہ کے قریب پہنچا دیتا ہے

من الوصب والنصب، لا یزال سقنہ
یکف، قطره کدم عینی لا تنقف،
لا یزال تتعفن فیہ المواء، فجعت
فیہ الدواؤ۔ وہاں الدوی و عرق
الدواؤ، وشاعت فیہ الاوباء،
وعتم فیہ الجرب والنقویاء، ما فیہ
التام لکلیم، ولا سلامۃ لسلیم،
ولا اعلام لستقیم، من یداوی
فیہ یدوی، ومن یداوی فیہ
یودی، ومن اسی اساء، وزاد فی
الامنی، ومن آمین لا یوسی علیہ
ولا یؤامنی، وما من کرب فی الدنیا
یقاس علی کرب ہہنا یقاسی، ما
فیہ سقام، الا وھوداء عظام، فالحمی
فیہ مقدمۃ الحمام، وعموم علة
السقام والیرسام علة ساقۃ
للتام، وکھ فیہ من مرض وسقام،
لا یوجد منہ اسم و رسم، من
حسب الطب فی رجم، والساعی،
یسعر حشا المریض کالساعی، والنطیس
لا یحیی المریض، ولكن یحیی علیہ قبتہ
الوطیس، فهو لا یعرف مرضا، ویسقی
المریض ما یصیر بہ حرضا، واذا مات

فیه احد من الناس، جزیر جلہ احد
 من الانجاس الاذناس، ہو کتاس
 کانہ شیطان غتاس، او بنسان
 فیواریہ بعد نزح مال من اللباس
 فی کتیب من رمل، بلا تکفین و غسل
 فلا یعفر لہ احد، ولا یصلی علیہ احد،
 هذا، ولولا للمیت فی هذه
 الحالة الدنیت، لکان فی المنیت،
 ہی الامنیت، وکان فجالة الاجل ہی
 الامل الاجل، وکان المنا، اقصی
 المنی، ولولم یکن قتل المرء نفسه
 فی الدین معظورا، وعذاب یوم
 الدین فیہ معظورا، لم یرحق من
 حیئ بہ ظہنا ماسوق معسورا،
 وکان النجاء ممن ابتلی بہ میسورا،
 هذا، وقد ابتلیت فی باعراض عدیق،
 واعراض شدیدة، وقد عیل بہا صبری،
 وضاق بہا صدری، وامتحن بدری، و
 هان قدری، وکیف الاخلاص والمناص
 عما شجانی، فاعتاض، لا ادری وبلیت
 مع ما اقاسی من الکرب، بشدة القویہ
 والمجرب، اغدو وارحم، وجئتانی حکله
 مصاب جفروہ، شر بر علی کلوم وجروح،

جب کوئی ان میں سے مر جاتا ہے تو بخش ناپاک
 خاک و بجز حقیقت شیطان غتاس یا دیو
 ہوتا ہے اس کی ٹانگ بچر کر کھینچا ہوا غسل و
 کفن کے بغیر اس کے کپڑے اتار کر رنگ کے
 تودے میں دبا دیتا ہے۔ نہ اس کی قبر کھودی
 جاتی ہے، نہ نماز جنازہ پڑھی جاتی ہے۔
 یہ کیسی عبرت ناک و الم انگیز کہانی ہے۔
 یہ واقعہ ہے کہ اگر میت کے ساتھ برتاؤ نہ ہوتا
 تو اس جزیرہ میں مر جانا سب سے بڑی آرزو
 ہوتی اور اپنا تک موت سب سے زیادہ تسلی
 بخش تھی۔ اور اگر مسلمان کی خودکشی مذہب میں
 ممنوع اور قیامت کے دن عذاب و عقاب کا
 باعث نہ ہوتی تو کوئی بھی یہاں مقید و مجبور نہ
 تکلیف مال و لیاقت نہ دیا جاسکتا، اور مصیبت سے
 نجات پالینا بڑا آسان ہوتا۔

یہ ناقابل برداشت حالات تھے ہی کہ میں
 متعدد سخت امراض میں مبتلا ہو گیا جس کی وجہ
 سے میرا سر مغلوب، میرا سینہ تنگ میرا پاندھلا
 اور میری عزت و قوت سے بدل گئی۔ میں نہیں
 جانتا کہ اس دشوار و سخت رنج و غم سے کیونکر
 چھٹکارا ہو سکے گا، غارش و قویا میں مبتلا اس
 پر تیزا ہے، صبح و شام اس طرح بسر ہوتی
 ہے کہ تمام بدن زخموں سے چھلنی بن چکے ہیں

روح کو تحلیل کر دینے والے درد و تکلیف کے ساتھ زخموں میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ وہ وقت دور نہیں جب یہ پھنسیاں مجھے ہلاکت کے قریب پہنچا دیں۔ ایک زمانہ وہ بھی تھا جب عشرت مسرت، راحت و عافیت میں زندگی بسر ہوتی تھی۔ اب مجس و قریب ہلاکت ہوں۔ ایک زمانہ وہ بھی تھا جب محسوس غلامی غنی اور صحر و سالم تھا۔ اب اپنا کچ اور زخمی ہوں، بڑی سخت مصیبتیں اور میوں مصیبتیں جھیلنا پڑ رہی ہیں۔ ”ٹوٹی ہوئی بڈی جس طرح ٹکڑی اور پٹی کا بوجھ بٹھاتا ہے اس طرح ہم بھی ناقابل برداشت مصیبتیں اٹھا رہے ہیں۔“ ان تمام مصائب کے باوجود اللہ کے فضل و احسان کا شکر گزار ہوں کیونکہ اپنی آنکھوں سے دوسرے قیدیوں کو بیمار ہوتے ہوئے بھی، بیڑیاں پہنے ہوئے زنجیروں میں کھینچے جاتے ہوئے دیکھتا ہوں انہیں لوہے کی بیڑیوں اور زنجیروں میں ایک سخت، تیز اور غلیظ انسان کھینچتا ہے محنت و منت، کینہ و عداوت کا پورا مظاہرہ کرتا ہے تکلیفوں پر تکلیفیں پہنچاتا اور بھوکے پیاسے پر بھی رحم نہیں کھاتا ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ اس نے ان آفات و تکالیف سے محفوظ رکھا۔

مع مالی من اوجاع تحلل الروح،
یکاد یفصی فی الشوق الی الثوب
والبور، بعد ما عشت عمرا فی علة
وجیب، ورفاهة وجبور، قد
كنت قبل مبثورا، والآن صرت
مبثورا، بل مبثورا، وکنت ثوبا سلجا
فجرا، والیوم صرت زعنا کلیمسا
فجرا، اعانی شدائد مصابا، وکاف
من مصائب عصایا، شعر:
حملنا من الایام ما لا نطقه
کما حمل العظم الکسیر لعمایا
ومع ذلك کله احمد الله سبحانه،
واشکره علی مت وفضله، فانی امری
غیری من الامری مستقلا باعلا،
مبتلی باعلا، یساق فی اقیاد، و
بقناد بقیاد، یسوقه ویقوده غلیظ
شدید حدید فی قیو من حدید، یو
کل مهنة ومحنة، ویبدي له کل
حق و احنة، ویزیدہ اوجاعا علی
اوجاع، ولا یرقی لاذاعطش اوجاع،
فاحمد الله فی علی المعافاة، من هذه
الافات، واشکره علی ما له من المکن،
وصبائه ابای من هذه المکن،

میرے دشمن میری ایذا، رسائی میں کوثر
اور میری ہلاکت کے درپے رہتے ہیں کچھ
دوست میرے مرض کے مداوا سے لاپرواہ
دشمنوں کے دل میں میری طرف سے بغض و
کینہ، مذہبی عقائد کی طرح راسخ ہو گیا ہے،
ان کے پدید سے کینہ و عداوت کے دینے
بن گئے ہیں۔

ان ظاہر اسباب پر نظر کرتے ہوئے میں
انجی نجات سے مایوس اور اپنی امیدوں کو
منقطع پاتا ہوں لیکن اپنے رب عزیز و جیم
روح و کریم کی رحمت سے ناامید نہیں ہوں
وہی توجہ بار فرشتوں سے عاجز حنیفوں کو
نجات دلاتا ہے اور وہی تو زخمی مظلومین
کے زخموں کو اپنے رحم و کرم سے ہمے بھرتا،
وہ ہر سرکش کے لئے جبار و قہار ہے، ہر
ٹوٹے ہوئے دل کا جوڑنے والا، اور ہر نقصان
رسیدہ فحیر کا کامیاب بنانے والا اور ہر شمار
کو آسان کرنے والا ہے۔

اسی نے نوح علیہ السلام کو غرقِ بحرِ ابراہیم
علیہ السلام کو پیش و حرق، یوسف علیہ السلام
کو مرض و مصائب، یونس علیہ السلام کو
شکمِ مامی، اور بنی اسرائیل کو بربادی و تباہی
سے نجات دی۔

و انی و ان استیست نظرا
الی ظاہر الاسباب من نجائی،
وقطعت رجائی، فان اعدائی
یحبذون فی ایذائی، ویبغون
بما یبغون ایذائی و اودائی لا ینصرون
مداواة دائی، وقد رسخت فی
قلوب العدی متی اضغان و حقلند
حکما ترخص فی القلوب من الایمان عقلا،
وقد شحنت صدورهم بالخبیة،
بالشغفنا، والسخیة، لکننا رجو حمة
ربی العزیز الرحیم، البذلک فلا لکنکم
الدعی نجی الضعفاء العاجزین، من
الفراغ العجیبة، ویلم جرم المظلومین
المکرومین بمن اھم مر اھم الجابرة،
فھو الجبار علی کل جبار، وھو الجبار لکل
کسیر، وھو الجبار لکل خفیر و خیر،
وھو المنجی للمرجی الیامیر، و
ھو المیسر لکل عسر، وھو
الذی نجی نوحا من الغرق، و ابراھیم
من العرق، و یوسف مما منته و اصاب
من الضر و الاوصاب، و یونس
من بطن النون، و بنی اسرائیل
مما کانوا یعانئون، و کھلی

اسی نے موسیٰ و ہارون علیہما السلام کو پہنان و فرعون و قارون، اور عیسیٰ مسیح (علیہ السلام) کو گواہ کرین اور اپنے حبیب مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو دلیل و فریب کفار پر غلبہ کیا۔ پھر اگر مجھے شقتوں، مصوٰبتوں اور حوادثِ معاصی نے گھیر لیا ہے تو اس کی رحمت و فضل سے کیوں مایوس ہوں، وہی میرا رب شافی و کافی اور خطا پوش و آمر زگار ہے۔

بہت بہادر جو موت کے کنارے پر پہنچ کر بھی اسے یاد کرتے ہیں، شفا پاتے ہیں۔ بہت خطا کار جب استغفار و استغفار کرتے ہیں مقبولِ بارگاہِ نبوت میں بہت درد مند جب سے اپکار تہیں مصیبت سے نجات پاتے ہیں، بہت مسافر جب اپنی حاجتیں پیش کرتے ہیں مراد کو پہنچتے ہیں بہت قیدی جو زنجیروں میں جکڑے گئے ہوتے ہیں عقابِ مطلق انہیں بیڑیوں اور قیدوں سے بلا فدیہ و انسان چھٹکارا دلاتا ہے۔

میں بھی مظلوم و دل شکستہ و مضطرب و مسکین و ذلیل و محتاج بن کر اسی خدا سے بڑے بڑے پکارتا ہوں اس کے حبیب کو و سید بنا کر اور امیرِ رحمت ہو کر اس کی بارگاہ میں بعد تضرع التجا کرتا ہوں وہ وعدہ خلافی نہیں کرتا، اس نے مظلوم و مضطر کو یاد کرنے پر اجابتِ دعوت اور کشفِ مصیبت

موسیٰ و ہارون فرعون، و ہامان و قارون، و عیسیٰ المسیح مامکہ الماکرون، و عیسیٰ حبیبہ المصطفیٰ ماکان یمکر بہ الکافرون، فان رجعنی صعوب، و لحقنی خطوب، و محقنی کروب، و حاقت بی ذنوبہ، فلست بفضلہ بمبتس و لا منحتہ بمسائس، فربی ہوا الشاق و الکافی، و المعافی و العافی، فکم ضرر یکرن علی شفا، اذا دعاه شفی، و کم علة اذا اعتذرت الیہ و استغفر عذره و عفا، و کم کریب اذا ناداه کشف کریمہ، و کم غریب اذا ناداه اسعف اربہ، و کم مسجون یشد علیہ الوثاق، یمن علیہ الرب الخلاق علی الاطلاق، بالتخلیض الطلاق عن الحبس و الازمفاد، من دون مانع و لا فاد،

وانا مظلوم معضوم مضطر و مسکین مستکین معتر، ادعو مناجیا، و اجہل الیسراجیا، و نادیہ متضرعا، بحبیبہ الیہ متضرعا، و قد وعد و لا یخلف و وعدہ باجابتہ المصطر و کشف السوء عنہ اذا دعاه، و

کا وعدہ کیا ہے وہی مجھے تکلیف سے نجات دے گا، وہی تق و اضطراب سے آزاد کرے گا وہی امراض سے شفا بخشنے گا، وہی پتھر پتھر سے چھڑائے گا، وہی ظالم سے بچائے گا، وہی میرے گریہ و بکا پر رحم کرے گا، وہی میری بدبختی و شامت کو مٹائے گا، وہ دعا کا سننے والا، بہت دینے والا، اور بلاؤں کا دفع کرنے والا ہے۔ اسی سے جلا وطنی کے غم کو دور اور بہترین نعمتوں کے عطا کرنے کی امید وابستہ ہیں۔ اسے میرے رب! مصیبتوں سے مجھے نجات دے، اسے امیدواروں کے امید گاہ، اور اسے اتجا کرنے والوں کے پناہ گاہ! اپنے صیبا میں، اس کی آل علیہ السلام میں اور اس کے صحابہ و صحابہ کرام میں دین کے صدقے میں ہماری سن لے، اسے ارحم الراحمین! اور اسے احکم الحاکمین! تو ہی ظالموں سے مظلوموں کا انتقام لینے والا ہے۔ بیشک ساری تعریفیں سارے جہان کے پائے آگے کئے ہیں۔

یہ پردہ و عالمِ گہرا کفایتی ختم ہوئی میں نے اپنی مصیبت و پریشانی کا کچھ حال و قصید میں بھی لکھا ہے۔ ایک قصیدہ جزیرہ ہے جس میں شیطانی وساوس کا ذکر ہے، اور

اعانة المظلوم اذا استصرخه و ناداه، فهو ينجيني عما يشجيني، و يخلصني عما يعطيني، و يشكيني عما يشكيني، و يبرئني عما يبرئني، و ينقذني عما يخذني، و يخلصني عما يظلمني، و يرحم علي عويلي و بكائي، و يشفي عني اشتكائي و شكائي، و يمحو شأعتي و شقائي، انه سامع الدعاء، و اسمع العطلة، دافع البلاء، فهو الذي ارحم مخلصي حزن العتلة و ابراه حسن البراهم من الزلاء، يا رب فانجني مما انا فيه، يا معز المرتجين، يا موئل المنتجين، آمين، بحرمة حبيلك الاحسان الامين، و آله الصيامين، و صحبه المعامين، يا ارحم الراحمين، يا احكم الحاكمين، المنتقم للمظلمين من الظالمين، و آخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين۔

هذا وقد وصفت بعض ما نابني، ونبذ اما اصابني، في قصيدتين احدهما همزية تحكي همزات الشياطين، و الاخرى دالية طه في بعض النسخ و وضعت۔

دالة على ما يعانى هذا الحزين
الزمين، وحقتهما بمدح سيد
المسلمين، الرسول المكين الزمين،
عليه انكى صلوات المصلين، وتسلطات
المسلمين، وكنت قد نظمت قبل قصيدة
في قوافي النون، فريضة كالنور المكنون، كل
بيت منها بيت القصيد، بل بيت عصيد،
عددا بياتها ثلاثة اوزيد، لم يتيسر لي
اتمامها، وعاقبى هجوم البلياء وارتكائها
مطلعها، شعر

مانام اورق في اوراق اشجان

الاوهيج اشجاني واشجاني

فان من على ربي الخلاق،

بالتخليص والاطلاق، ذيلتها بحسن

التخلص بمدح من حص من

مكارم الاخلاق، يا وفي خلاق، عليه

وعلى له اخلق الصلوات الى يوم التلاق،

والله سبحانه والى التوفيق والاحقاق.

دوسرا والیہ ہے جس میں اس غمگین و معذور
کی تکلیف درنج کا تذکرہ ہے۔ ان دونوں
قصیدوں کو سرور کائنات علیہ السلام و صلوة
کی مدح پر غنم کیا ہے ان دونوں سے پہلے
"نون" کے قوافی میں بھی قصیدہ لکھا تھا جو در
تیم کی طرح فرید و یگانہ ہے۔ اس کا شعر مضبوط
و مرتفع قصر کی طرح ہے۔ اس کے تین سو سے
کچھ زائد اشعار جو کرہ گئے، اس کے اتمام
کی نوبت نہیں آئی۔ مصائب و آلام کے هجوم
نے تکمیل کا موقعہ نہیں دیا، اس کا مطلع یہ ہے،

مانام اورق في اوراق اشجان

الاوهيج اشجاني واشجاني

اگر اللہ نے مجھ پر رہائی سے احسان فرمایا تو

اس ذات کی مدح اس میں شامل کر کے غنم

کروں گا جسے مکارم اخلاق سے پورا پورا حصہ

ملا ہے۔ اس پر اور اس کی آل پر قیامت

تک صلوة و سلام، واللہ سبحانہ والی التوفیق و

الاکرام۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

لاجوی لہ بجوانحی امیرام جمدا الدموع وذابت الراحشاء
 سوز دل سے میرے پہلو کی بڑیوں میں آگ بھڑک رہی ہے آنسو خشک و رانہ دونی اعضا پھیل گئے ہیں
 ولیماء التمر من النواصب والنوی یسکی الصدیق ونشعمت الاعداء
 مجھ پر نازل شدہ صیبتوں اور میری اہل دامن سے دوری پر دوست روتے اور دشمن خوش ہوتے ہیں۔
 قد كنت فی عروجاہ کان ف اعیان اعیان سہل اقدار
 میں عزت و عظمت کی زندگی بسر کر رہا تھا، جو شرفا و عظمت کی آنکھوں میں کھٹکتی تھی۔
 اسی الصدیق علی آسای و حار من حوری وفی آسوی آساء اسام
 میرے درد و غم اور تباہی و ہلاکت پر دوست فگین حیران ہیں، رچا ہوا گوس نے تیمارداری میں بڑا ہڑلہ اٹھایا کرتا تھا۔
 شمت الیدی اذ حال علی واعتری ماشاء فی المشاء والوشاء
 میرے اس تیر و مال چٹھنوروں کی خبر رسائی اور خبروں کی دیشد وانی پر دشمن خوشیاں منا رہے ہیں۔
 الموالعینا وھم حمتا ونوی لنا منها سبلی وبلاد
 رنج نازل، اور غم ہم پر طاری ہو گیا، اور ہماری دوری میں کھنگی و سختی ہے۔
 حلت عظام مصائب جلت بها وھن العظام ودقت الاعضاء
 بڑی بڑی صیبتوں نے گھیر لیا جن کی وجہ سے ہڈیاں کمزور اور اعضا ریزہ ریزہ ہو گئے۔
 ان بلای قد عدا لمرأۃ یسلی کید عظیم مات کید فساد
 مجھے ایک عورت کے ممکنے ہلکانے مصائب کرویا، عورتوں کا مکر پڑا ہی زبردست مکر ہے۔
 یخلبن خلقا بالمواثق مشرکاً لعبد وھن وعہدھن وفاء
 یہ عہد و پیمان کر کے مخلوق کو فریبہ بنا لیتی ہیں، پھر ان کے عہد و میثاق کو وفا و قرار نہیں ہے۔
 قد عت بان قد شہت ان العنت قومائت بہم الدیار وناوا
 اس نے یہ کہہ کر شہرت دی کہ جو لوگ گھر سے دور چلے ہیں انہیں امن و دیدہ یا گیا۔
 صلہ محمد بن محمد

اذ غرھو میثاقہا رجعوا الی اوطانہم مستبشرین وفاء
 ایسے لوگ اس کے اعلان امان سے دھوکے میں آکر اپنے گھروں کو خوش خوش واپس ہو گئے
 فانیت داری آتھا اذ غننی ایمان کا فرق لیا استبلاہ
 میں بھی کافر متسلط کے اعلان امان سے فریب کھا کر مکان پہنچ گیا۔
 شعراعتدی عھا لھا اذما زکوا میثاقہا فانانی استدعاء
 پھر تو حکام سلطنت نے اس کے عہد و میثاق کی پرواہ نہ کرتے ہوئے سختی شروع کی اور میری بھی چلبی ہوئی
 منہم، فغنونی، فغنونی کان لہ یؤنی فیا عاھدت ایفلا
 انہوں نے مجھے روک دیا اور خوب تفتیش پہنچائی، گویا کہ اس عہد بلکہ میں ایسا عہد کی نیت بھی نہ کی تھی
 لتاعنوت و معاوت لہم رببت من ظلمہم فی محنتہ و عناء
 جب میں قیدی بن کر بھی انکا اطاعت گزار نہ بنا تو ان کی طرف سے رنج و تکلیف میں از میری زیادتی کر دی گئی
 اذ کنت فی حیش و غید و ابغیر حجم انکرو ب و فاجنت اوزار
 میں خوشگوار پیش و عشرت میں تھا، پھر غموں کا بجوم اور مصائب کا ناگہانی دروہ ہوا۔
 شحن الحقود صد و رحم حقیت بالیقین من افواہہم بغضاء
 ان کے سینوں کو کینوں نے بھردیا، ان کی زبانوں پر بھی بغض کی دھڑ سے دشمنی ظاہر ہونے لگی۔
 فحسبتوا عیشی علی فحیفت وحسبت عیشا کان فیہ سقاء
 انہوں نے مجھ پر عرصہ حیات تنگ کر دیا، میں اس زندگی سے دل برداشتہ ہو گیا
 اور اس پر مسرت زمانہ کو بھول گیا جس میں آسانی تھی۔
 یومی و لیلی فی اشتداد حراسة و دخی حما بالاحور والداداء
 میرے رات دن سخت گرمی اور اندھیرے میں گزرتے ہیں گویا کہ سخت موسم گرما کے دن اور خوراک کی اندھیری تھیں
 فاللیل ماہم مالہ صبح ولا للیوم عووض عشیہ و مساء
 رات تو دو دھمی شکل اختیار کر چکی ہے جس کی صبح نہیں ہے اور دن کے لئے شام اور رات ہے۔
 حجر و اعلی و اسکنونی حجر لہ یاقہا غیر التسموم حواء
 مجھے سب آزمائشیں دک کر ایک کوثر شری میں ڈیر دیا جس میں نہ بریلی ہوا کے سوا اور کسی قسم کی ہوائ پہنچ سکتی تھی

یاویلہا من حجرۃ جُدرانہا تشوی الشوی وترابہا رمضاء
 کیسی مصیبت تھی، اس کو نظری کی دیواریں انسانی، غصہ کو بھرتی تھیں اور اس کی مٹی تھی ہوئی زمین تھی
 یاویل سجن لاجبال یساعده وکنیفہ ماہیہ قطل خلاء
 کیسا پریشان کن قید خانہ تھا، نہ تو اس کے میان میں پیشاب نہ تھا، نہ اس کے پاناز میں آب نہ تھا
 منعوا الشد المنعمان یلقانی الازلیٰ — حباب والاخوان والایماء
 انہوں نے مٹی کے ساتھ دو ستریں، بھائیوں اور بیٹوں کو مجھ سے جسے سدا دیا
 وٹلبت اثوابی وبعث تجردی لبس اعطی میز وکساء
 میرے کپڑے چھین کر مجھے تہ بند اور کسلی پہننے کے لئے دے دی گئی
 سلبوا الکسئی لبسوا علی کساءہم مالی سوا ذالک الردی مردام
 کپڑے اتار کر قیدیوں کی کمل پہنا دی، میرے پاس اس خراب کمل کے سوا کوئی دوسری چادر نہ رہی
 سلبوا الاوائی والنعال یظلمہم لم یبق عندی قصعة واسماء
 میرے برتن اور جوتے بھی غنہ چھین لئے، میرے استعمال کے لئے کوئی برتن اور پیالہ بھی باقی نہ چھوڑا
 مالی حقیفی فی حفاۃ وکان لی من قبل لہسی للکساء کساء
 میرے ننگے پاؤں رہنے پر کوئی مہربانی سے پرچنے والا بھی نظر نہ آیا حالانکہ اس کملی
 اوڑھنے سے قبل مجھے ہمد وشرمت حاصل تھا۔

حکم من صلی فی حقی مخلص فی الود من معرۃ وصفاء
 میرے بہت سے سہراں، جنس اور صاف دل دوست جن کی محبت صدق و صفا پر مشتمل تھی،
 حُذوا وافتتوا عن ہا ورتی فلم یکن مزاورۃ لہو و لقاء
 انہیں روک دیا گیا، وہ میری لطافت، بات چیت اور زیارت سے مجوزا محروم رہے
 لو شاحدونی حافی الاسترجعوا وکان منہو فی حفاۃ حفاۃ
 وہ مجھے ننگے پاؤں دیکھتے تو ناشدوا، الیہ راہ جون پڑتے اور میری برہنہ پائی پران سے جھگڑا کر بیٹھتے
 لم یترکوا فی السجن عنک خادما لیزید فی ایدائہم ایداء
 قید خانے میں میرے پاس کوئی خادم بھی ایذا رسانی کے اڑ دیا وکی وجہ سے دھچھوڑا،

امسى واصبح مقلقا مالى سوعلى شوك القنادا والوقاد وطاع
 صبح و شام بے یمنی سے گزرتے ہیں۔ کانٹے اور چنگاریاں، بستر کے بجائے مقتدر ہو چکی ہیں
 یعد و علی سواد بیضان عدی صہب الشوارب شریم صہباء
 بہت سے سفید رنگ، شربخو، اور میگن مونچھوں و آدھن مجھ پر ظلم و سبید ادا کرتے ہیں۔
 سود الکبک و جوهہم بیض لہم فی الجلد لیں فی القلوب قسلہ
 وہ سیاہ جگر، سفید نام، زہم بند اور سخت قلب واقع ہوئے ہیں۔
 نکد و قاح مالہ و عار و لا غار و لا محمل و لا استعیار
 وہ بد بخت و بے شرم ہیں، انہیں نہ تنگے عار ہے نہ نفرت و علم و حیا، ان کے پاس ہو کر گزری ہے
 لُد غلاظ لیس فیہم رقة و حمایہ و حمیۃ و اباء
 بڑے جھگڑاواور سخت دل ہیں، ان میں زہمی اور مادہ حمایت و محبت نام کو نہیں،
 جمع المعاصر کلہما فیہم فنی الذکران بغی فی الافانث بغاء
 سارے میوب ان میں موجود ہیں، مردوں میں سرکشی اور عورتوں میں حرام کاری پائی جاتی ہے
 بمذا اللہ و بغاء من و بغیہم کثر الفسوق و شاعت الفحشاء
 ان سب کی بد معاشیاں، مردوں کی سرکشیاں، عورتوں کی حرام کاریاں مفتی
 فہر کی اشاعت و کثرت کا سبب بنی ہوئی ہیں۔
 لہو یکتفوا ظلمہا بحسب بل رہا فوق احتباسی غریبہ و جلاو
 ظلم و ستم کے لئے میری قید ہی کافی نہ تھی بلکہ جلا وطنی اور غربت و مسافت کی سزا بھی دی۔
 استروا و استرو فی الی جبل یہ قد بلاد من اسراہم اسراہ
 قید کر کے مجھے ایسے پہاڑ پر رات میں وہ لے گئے جہاں پہنچ کر قیدی جاک ہو چکے ہیں۔
 جبل احاطت ابجر بشعابہ ماحولہ غیر القناء فناء
 اس پہاڑ کی گھاٹیوں کو دور یا گھیرے ہوئے ہیں، موت کے سوا اس کا کوئی بھگ نہیں
 مستوبل حلق الویال لکل من یاتیہ ادعتت بہ الذوباء
 میاں کی آب و ہوا ناموافق، اور آنے والے کے لئے وبال ہے، وہاں ہر طرف عام ہیں۔

ذلّ الاعزّة فيه واعتلوا وقد عزالدواء وشاعت الادواء
 یہاں شریف و عزیز ، ذلیل و گریہ کنان ہیں ، دوا ناپسید اور بیماریاں بے شمار ہیں ۔
 عقر العقاب عقابہ وفشا الودی یرفی الدوی فیہا دوی ودولہ
 اس کی گھاٹیوں میں عقوبت و ہلاکت عام ہے ، اس میں دوا ، دار و دارو بھی
 بیماری میں اضافہ کرتی ہے ۔

ما ساعلم فیہ للصادی ولم یعنایطافیہ قطع غداء
 اس میں نہ تو پیاسے کے مٹنے سے پانی اترتا ہے اور نہ بھوکے کو غذا ہی پہنچتی ہے ۔
 الاکل یبئ ما حنّ الحمر ولا یصل ولا یقل ولا یقشّ
 ماش کی دال نڈھ ہے ، گوشت ، پیاز ، ترکاری ، لکڑی ، کچھ میسر نہیں ۔
 حوشط بحر ما حنّ البقر ولا یبت ولا یجوز ولا یحلوا
 وہ دریا کا کنارہ ہے ، جہاں میدان ، مہربان ، گیہوں اور شیرینی ، کسی چیز کا پتہ نہیں ،
 قد مات احياء من الأسر والبقا قون لا موقف ولا احياء
 قیدیوں کے گروہ کے گروہ مر چکے ، جو بچے ہوئے ہیں ، وہ نہ مردوں میں ہیں ، نہ زندوں میں ،
 ما فیہ للموق حیلولة جنائفة وشری ولا کفن لہم وغطاء
 میت کی نماز جنازہ ، قبر ، کفن اور پوشش کا یہاں کوئی سوال ہی نہیں ،
 ما فیہ من عار علی عار ولا للمعتزی المعترف فی حیاہ
 یہاں ننگے کے لئے کوئی عار اور عار احسان و محتاج کے لئے سوال کی حیا نہیں ،
 حو مرقۃ سوداء من یثوی بہا غلبت علیہ العرة الصغراء
 وہ ایسی خراب جگہ ہے جہاں طاقتور انسان پر بھی رہنے کے بعد زرد پتوں کا غلہ ہو جاتا ہے ،
 شقوا علی أسراہم فاصابہم بالأسر من ایذا انہم ابداہ
 قیدیوں کو ایسی مشقت میں مبتلا کیا گیا کہ ان کی ایذا ، ہلاکت کے درجہ تک پہنچ گئی ۔
 قد اوقعت من غلّہم وغلّیہم اغلا لہم فداہم الرعیاء
 ان کے کینوں کی وجہ سے قیدیوں کی بیڑیاں مضبوط ہو گئیں اور ٹھکنے دشواری میں ڈال دیا ۔

اودت بهم یحییٰ و یاسر ماتم احرامہم والیقوس والیاسام
 بلاؤں اور سختیوں نے انہیں ہلاک کیا، اور چوکیداروں اور مصیبتوں نے رنج میں مبتلا کر دیا۔
 وغلیلہم حزنا و غلغلہ علی جدہ و قتلہ غلغلہ و غلام
 ان کی غم انگیز تشنگی اور بھوک پر پیاس، قتلِ نذر اور گرانی نے بھی مبتلائے مصیبت کر دیا۔
 ولقد احلوف بمہلکۃ بہا لا الارض ارض لا السماء سما
 انہوں نے مجھ ایسے مہلک میں ڈال دیا جہاں زمین، زمین ہے، نہ آسمان آسمان
 فسمائہا الدنیا غما تم صوبہا سیل الغموم وارضاها حصباء
 اس کا قریبی آسمان وہ بادل میں جن کی بارش غموں کا سیلاب ہے اور اس کی زمین سنگریزے میں۔
 لا غیث فیہا انما من حترھا من جوقھا تصیب الرحضاء
 اس میں بارش نہیں ہوتی، گرمی کی شدت سے فضا پر آسمانی سے بہنات
 لاپسیہ گرنے لگتے ہیں۔

ختم السموات الغمام فلا یری لیلًا ویومًا نیر و ذکرًا
 بادلوں نے آسمان کو ڈھانپ رکھا ہے جس کی وجہ سے دن میں سورج اور رات کو چاند نظر نہیں آتا
 فاللیل فیہا ظلمۃ فی ظلمۃ والیوم فیہا لیلۃ ظلماء
 رات میں تو اندھیرے پر اندھیرا چھایا رہتا ہے اور دن اندھیری رات کی طرح ہے۔
 ما کان فیہا قطّ یوم شامس ابدًا ولستک لیلۃ قمرًا
 اس میں سورج والا کبھی دن نہیں ہوتا، اور نہ چاندنی والی راتیں ہوتی ہیں۔
 افق بہیم ما استملّ لہلالہ احد ولم یر شمسھا حریرا
 اس کے سیاہ افق پر کسی نے چاند نہ لگتا نہیں دیکھا اور نہ گرگٹے ہی سورج دیکھ سکا۔
 ظلماء قد غشیت ببحر مظلم لا لؤلؤ فیہا ولا لؤلؤ
 وہ خود تاریک ہے اور تاریک دریائے گہرا جو اسے اس دریا میں نہ مٹاتی ہے نہ روشنی،
 لا فصل بین ریعھا وخریفھا لا الصیف صیف لا الشتاء شتاء
 یہاں کی فصل بہار و خزاں میں کوئی فرق نہیں، یہاں نہ گرمی، گرمی ہے نہ جاڑا، جاڑا،

تَبْلُغُ أَتْبَهَا تَبْدِ وَلِلْعَدَى يَزِدُّ فِيهَا التَّيْبُ وَالْحَيَّةُ
 یہاں آنے والے حیران و پریشان ہو جاتا ہے اور دشمنوں کا کبر و غرور اور بڑھ جاتا ہے۔
 هُمْ فِي غَنَى وَقِيٍّ وَمَالٍ أَدْعُلُو هَالُوا عَلَى الْأَمْهَى فَمَهْ فَعْلُو
 وہ تو بخیر، مسرت اور مال و دولت سے جھکا رہتے، شکستہ بن کر قیدیوں پر ظلم و ستم ڈھالنے لگے تو
 فقیہ بن گئے (گو یا اخلاقی طور پر دیوالیہ ہو گئے)،

وَطَرَبَقَا شَعْنُ تَمُوبِ فَكُلْ مَنْ رَكِبُوا عَلَيْهِمَا صَدْعَا أَوْ قَاعَا
 اس کا راستہ جھک کر کھلنے والی کشتیوں کے ذریعہ ہے جو بھی ان پر سوار ہو نہ بے درد و سرباکی میں غرور و تکبر کرتا
 وَتَبْنِ أَمْوَا جِ تَجُوشِ شِيَابِهِمْ وَوَلَانَهُمْ وَتَبْلُغُ اسْتَدَاءُ
 اس کی جوش مارتی ہوئی موجیں کپڑوں اور بستروں کو ترک کرتی ہیں اور ان کی تری سے سافریں لگاتے ہیں
 انصبت عن وطنی واهلی بفتة ظلمنا ولی ذریة ضنعفاء
 مجھے غلام اہل و وطن سے اپنا تک دور کر دیا گیا، مجھے کمزور و نحیف ذریت کو بھی چھوڑنا پڑا۔
 هُمْ أَخْرَجُوا عَنْ دَارِهِمْ ظِلْمًا سَكَنَ وَاسْكَانَ لَهُمْ وَشَوَاءُ
 ان کو زبردستی ان کے مکان سے نکال دیا گیا، ان کے لئے آرام و سکون کی کوئی جگہ نہیں چھوڑی
 فَتَسْكُنُوا إِذَا مَا لَهُمْ سَكْنَى قُوتٌ وَلَا شَيْءٌ وَلَا أَشْيَاءُ
 وہ مسکین و فقیہ بن گئے کیونکہ مکان، روزی اور کوئی چیز بھی ان کے لئے نہ رہی۔

وَتَرَكْتُمْ غَرَبِيَّ جِيَا عَامَا لَهُمْ مَالٌ وَلَا مَغْنَى لَهُمْ وَغَنَاءُ
 میں نے انہیں حالتِ گر سگی میں چھوڑا، ان کے پاس مال و دولت ہے نہ مسکن و منفعت،
 قَدْ جَانَبْنَاهُمْ أَقْرَبِيَّوْنَ تَجَنَّبُوا كُلَّ جَانِبٍ وَجَفَاهُمْ الْأَكْفَاءُ
 ان سے اپنے بیگانے بن کر علیحدہ ہو گئے، اور برابر والوں نے علم و ستم اختیار کیا۔
 الْأَمْسُ نَانَى الْأَسْرَى وَاقَارِبِي مَا مِنْ حَمِيمٍ فِيهِ إِلَّا الْمَلُوءُ
 میرے غمناک اور اقارب کو قید و بند نے دور کر دیا اب یہاں پانی کے سوا کوئی دوست نہیں
 تَحْمِيَّتُ عَلَى الْأَبْنَاءِ انْبَائِي كَمَا سَعِيَّتْ عَلَيْنَا مِنْهُمْ الْأَنْبَاءُ
 میرے بیٹوں سے میری خبریں ایسی ہی پوشیدہ ہیں، جیسی ان کی مجھ سے۔

اَبْکِی لِمَعْدَا قَادِرِی وَاحْتَبِی وَنَهَم عَلٰی فَعْدِی اَسْمٰی وَبِکَا
 میں، حجاب و اعزہ کی دوری پر روتا ہوں، اور وہ مسیری جہدائی پر
 حَقَّ الْبِکَا لِمَعْدَا عَلٰی اِذْ الرَّدٰی وَالْعَبِشَ فِی الْحَبْسِ الرَّحْمٰی سَوَا
 ان کا مجھ پر رونا ایک حد تک ٹھیک بھی ہے کیونکہ میرا اور ذیل قیدی میں زندگی گزارنا دونوں برابر میں
 اُسْکَنْتُ وَحْشًا لَا مِیْرٰی فِیْہِ سَوٰی الْوَحْشِیْنَ الْعُزْبِیَّانِ وَالْغُزْبِیَّانِ
 مجھے وحشیوں میں بٹا دیا گیا اس قید خانہ جزیرے میں مرقم کے وحشیوں کو توں اور اجنبیوں کے کو کوئی نظر نہیں آتا
 مَسْتُوبًا وَخُفَا مَابَطْعَامِہِ شَبَعٌ وَلَا فِی مَائِہِ اَرْوَاعُ
 اس کی آب و ہوا نا موافق اور روٹائی ہے۔ نہ تو اس کے کھانے میں شکم سیری ہے، نہ پانی میں سیرابی
 فَاَلْعُلَّانُ مَابِہِ رَحْمٰی کَمَا السَّکُولُ زَنْ مَالِہِ اسْتَحْوَا
 پانی گرم ہے جس میں سیرابی نہیں جس طرح کہ غذا مائش ہے جس میں مزار نہیں
 مَا فِیْہِ مِنْ عَذَابٍ یُّسَوِّغُ وَلَا یُبَا طَعْمِہِ وَلَا یُغْنٰکُ فِضَا
 وہاں نہ شیریں پانی ہے، نہ لذیذ کھانا، اور نہ وسیع میدان ہی ملنے ہے
 زَادَتْ عَلٰی کَرْحِی عَوَارِضُ جَشْتِ الْفَتْقِ وَالْقَوْلُجِ وَالْقَوْبِیَّ
 میری مصیبت میں بیکری کے مایہوں تو قح قح افقوں میں پانی اترتا اور قوبا، دادا نے غافل کر دیا
 وَجَدَہِ لِعَافِیۃٍ عَفَتْ وَعَفَتْ لٰی — السَّکَبَاتِ فِیْہِ وَرِجِیۃٍ سَکَبَہِ
 میز غم و الم شے والی عافیت پر ہے اور اس میں صاف ہے مجھے بھی مٹانے میں کسر نہیں رکھی اور اس کی ہوا سرد بھی ہے
 کَانَ لِفَضْلِ الْحَقِّ فَضْلٌ مَّثَالُہِ مِنْہَا عَلٰی الْاَمْثَالِ لِی اِسْتَعْلَا
 فضل حق کے لئے نعمت و ملذذی کا فضل تھا، اسی کی وجہ سے مجھے برابر والوں پر سر پرستی تھی
 وَوَجَاہَہِ بَیْنَ الرَّجُوۃِ وَجَاہَہِ تَعْنُو لَهَا الْاَھْمِیَّانِ وَالرَّوْسَا
 شرفاء میں قدر و منزلت دو مہابت میر تھی جن کے سامنے رؤسا و
 اَھْمِیَّانِ مَلْکٌ یَّجْتَنِی تَحْتِی
 وِبَرَاعَۃٍ وَبَاعَۃٍ وَرِفَاہَۃٍ وَنَزَاہَۃٍ وَنَبَاہَۃٍ وَعِلَاہَۃٍ
 کمال، رفعت، وسعت، نزہت، بزرگی، برتری

وَجِدْ وَجْدَ مُسْعِدٍ مَعَ حَيْدَةٍ لَمْ تَبْلُهَا فَلَوْ لَوْلَا
 تو لگتی ہے خوش بختی، نصیبی، یہ سب نعمتیں حاصل نہیں جنہیں آزمائش مصیبت بھی دوسرے کی ہے
 وتمام عافیت و عرض زادہ عرجی یزید و عزة قضاء
 پوری عافیت، بڑے بڑے سامان کی بنا پر بڑھتی ہوئی آبرو اور پائدار عزت بھی نصیب تھی۔
 کو نعمتہ زالت و کرم من نعمہ حالت و حل الضر والضرر
 بہت سی بیش کی زندگی متغیر اور کتنی نعمتیں زائل ہو گئیں، سختی اور بد حالی نازل ہو گئی۔
 ان الله اقصا في علوما يقتضى منها علوما جملة علماء
 اللہ نے مجھے وہ علوم عطا کئے کہ ان میں سے بہت کچھ علماء نے حاصل کئے

حال التوى بينى وبين الحق حالا وحال الحال والنعماء
 میرے اور میرے احباب کے درمیان جدائی حاصل ہو گئی، حالت اور نعمت متغیر ہو گئی۔
 هجم الشروب و فاجت فتن بها ذهب السرور و ولت السراء
 شرابیں گھڑائیں اور فتنے اٹھائیں چھل گئے، مسرت جاتی رہی اور شادمانی و راحت پھر گئی۔
 قد سُلط الانصار في اقصاها آن صار انصارا ليهو سفهاء
 نظرائں ہمارے شہروں پر مسلط کر دیئے گئے، بے وقوف ہندوستانی ان کے مددگار بن گئے۔
 لم يعلموا ان لا وفاء لهم ولا ان لا لهم من وحة و وقاء
 وہ اسے نہ سمجھ سکے کہ ان کے پاس وفاداری ہے نہ وسعت و حمایت

من قبل ولا هم عليها من لها اذ صدته عنها غنى و غناء
 اس سے قبل ان پر ایسا شخص حکمران تھا جسے غنا و سرور اور مال و دولت نے مست اہل یار سے روک دیا تھا
 والآن اذ نصر النصارى افرطوا في الظلم فاخترم الضعاف و جفاء
 اب جب کہ نصاریٰ کی پورے طور پر مدد کی گئی تو وہ ظلم و کدیم میں افراط سے کام لینے لگے، اور
 کمزوروں کو تو جو رو جفائے جڑ سے ہی اکھاڑ پھینکا۔

اقوى ديار كن احلة كما اقوى الاقوى القوا و هم امرام
 وہ دیار جو آباد تھا ویران ہو گیا جس طرح کہ امراء و رؤساء تباہ و برباد ہو گئے۔

منفرقوا ای دی سبوا اذا مکت فرقا کثیرا اخذة وسباء
وہ قوم سبائی طرح متفرق ومنتشر ہو گئے، ان کے بہت سے گروہوں کو قید و بند نے آدیا۔
عال الفتن وذل ذوعرکما هان الخطير وضطرالاصبر
مالدار فقیر، عزیز و شریف ذلیل، عظیم و کرم خوار، اور بڑے چھوٹے بن گئے۔
قتلوا وغالوا جل من اخذوا هم مما اذعوا من جرمهم سبوا
جن کو پھینکا ان کو قتل و ہلاک کیا حالانکہ جو جرم ان پر لگائے گئے تھے ان سے وہ بری تھے۔

غالوا برایا ہمد برا یا غیلۃ فجرت کما انفجر العین دماء
انہوں نے اپنی بڑی اور بے گناہ رعایا کو بری طرح ہلاک کیا بخون ایسا سبائیچے چٹنے بی کرتے ہیں
کسوخز و بابلد اولو یذروا یہ ببلد افصار کانہم سبدا
بہت سے شہروں کو برباد و خراب کر کے ان کا نشان تک چھوڑا، وہ جنگل اور میدان معلوم ہونے لگے۔
حدوا المساجد والقصور کانہا لہو تنین لہریک لثم فقط بناء
مسجدوں اور صلوں کو منہدم کیا، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس جگہ کوئی عمارت
ہی نہ تھی نہ وہاں کچھ بن ہوا تھا

بخت بختتم ذروا لا یمن شوم فلا تفرج لہا و نساء
ان کی قسمت و ذات کی وجہ سے زمین کی پیادوار میں بھی کمی ہو گئی، اس میں کوئی نشوونما باقی نہ رہا۔
قدروا علی الناس المعاش فقدہم ان لا یخذلوا عندہم وعشاء
انہوں نے لوگوں پر زندگی تنگ کر دی، ان کے لئے رات اور دن کا کھانا بھی نہ رہا۔
فظہم ثقلت باوزار بما شحنت بطون صدوہم شغلا
ان کے سینوں میں بھرے ہوئے کیڑوں کے پوجہ سے ان کی پیشیں ثقیل ہو گئیں
افہل العداوان تعدی حدہ حد و ہل للمعتدین حننا
کیا مد سے متجاوز سرکشی کی بھی کوئی حد ہے؟ اور کیا سرکشوں کی کوئی سزا بھی ہے؟
لہا قرت ذنبا سوعا نلیس لی مع هؤلاء مودۃ و وکلا
میں نے اس کے سوا کوئی گناہ نہیں کیا کہ ان سے کسی قسم کی محبت و دلچسپی نہیں رکھی۔

فولادہم کفر بنص مُحکّم ما فیہ للسرا المحق مراد
اور بات یہ ہے کہ نص محکم قرآنی سے ان کی محبت کفر ہے، حق پرست انسان کو اس میں شک نہیں ہو سکتا
کیف الولاء و ہم اعدای من خلق السما والارض والافشاء
ان سے محبت روا کیے رکھی جا سکتی ہے جب کہ آسمان و زمین جس کی وجہ سے پیدا کئے گئے
اس ذات گرامی کے یہ نصائے دشمن میں

هو اول النور السخی تبکّجت بضیاء فی العالم الاعمیاء
وہ پہلا نور ہے جو دنیا میں چمکا، اور اسی کی روشنی سے سارا عالم متور ہوا۔
هو اول الانباء آخر هو ربہ ختم النبوة وابتدا الابداء
وہ اول و آخر نبیہ ہیں، انہیں پر نبوت ختم ہوئی، اور انہیں سے اس کی ابتداء ہوئی تھی۔
مبدؤ بہ ابدی المہیمن سترہ فلا حول الاہداء والابداء
وہ بہترین سردار ہیں، خدا نے اپنا جیہ انہیں کے ذریعہ ظہر کیا اور انہیں کیوجہ سے آفرینش و ہلاکت ہے
قد خضّہ الباری باوصاف علی لم یعطھا الاحداث والقدمات
خدا نے انہیں ایسے بڑاوصاف کے ساتھ بخش کیا جو کسی مجدد پر و قدیم کو دے بخشے گئے۔
اعطاء فضل لم یسکن ان ینکون له شریک فیہ او شرکاء
انہیں ایسا فضل و متمیز تر عطا کیا کہ اس میں کوئی بھی ان کا شریک و سیم نہیں
اسماء ادا اسماء بالحسن فمن اسماء خالقہ اسماء

ان کے اچھے اچھے نام رکھ کر رفیع الشان بنایا، خالق کے ناموں میں سے ان کے بہت سے نام ہیں
بقریم وفضل ذو قوۃ ہاد ووفّ محسن معطاء
نیوکار و رحمدل، کثیر الفضل، صاحب قوت، ہادی، نرم و مؤمن، کثیر العطاء، ان کے اوصاف و نام ہیں
قد زاد امکۃ رفعة میلادہ وفتشرف بوجودہ البطحاء
ان کی پیدائش نے مکی کی شان و بآلاء کردی، اور بلانے ان کے وجود سے شرف پایا۔
قد طاب طیبۃ اذ ثواہا واعنت شرفاً یقیم سلسلہا البعداء
انکے قیام خیر (مدیر منورہ) پاک و بلند رہے، و دور و دور سے لوگ اس کی زیارت و قصد کر کے آتے ہیں۔

بَشَرٍ بِشِيرٍ بَشَرَتْ نُبُشٌ بِهِ مِنْ قَبْلِهِ أَنْبَاءُ الْأَنْبَاءِ
وہ خوشخبری سنا تو اے انسان ہیں، ان سے پہلے صحفِ آسمانی اور انبیاءِ کرام ان کی بشارت دیتے آئے
انبا ببعثتہ المسیح و قبلہ مونی کما انبا بہ شعیا
ان کی بشت کی عیسیٰ علیہ السلام اور ان سے قبل موسیٰ علیہ السلام نے بشارت دی جیسے کہ شعیا
(ابن امیہ) نے عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت دی تھی۔

جاءت بنات الملک ساحتکما انبا الزکویہ بہ وھن اماء
شہزادیاں ان کے دربار میں لڑکیاں بن کر حاضر ہوئیں، اسی طرح صحیفہ آسمانی کی پیشینگوئی تھی۔
اوئی الی القمر المنیر فشقہ وابلنہ شقین ذا الایماء
چمکنے اور چمکانے والے چاند کو انہوں نے اشارے سے دو ٹکڑے کر کے دونوں کو جدا کر دیا۔
والشمس انفت للغروب فاوقت لیكون منه للصنۃ ادا
سورج غروب ہوئی قریب پہنچ چکا تھا کہ آد اناز کیسے ٹھیک

حیثہ احجار واشجار وجر نطقت له بفصاحتہ عجماء
پتھروں درختوں نے انہیں سلام کیا اور بت سے چوپائے ان سے فصاحت کے ساتھ مہکام ہوئے۔
اروی بماء من اصابعہ جری عطشی فانہ صہر روی ورواء
انگلیوں سے پانی جاری کر کے انہوں نے پیاسوں کو سیراب و شاداب کیا۔
کواشبع العرفی الکثیر یمنہ نزل وھو نال المقلن مشرا

ان کی برکت سے بہت بھوکوں کا تھوڑی سی فدانے پیٹ بھر دیا، اور بہت نادار نادار مالدار بن گئے
قد حق جذب عین فارقہ کما تبکی المنیم فی النوی السرجلہ
ان کی جدائی پر کھجور کا شتا اس عاشق کی طرح رو یا جس کو محبوب سے دوری کی ٹو ویش رلاتی ہے۔
أغان اقان یملو حکمۃ قد احکمت عن درکہا الحکماء
دوا میں معتد ہیں، اتنی ہو کر ایسی حکمت کی تعلیم دیتے ہیں جیسے کھجور سے کھانا، و نقل بھی عاجز ہیں۔
حکم تلامذہ احکما حکمت آیاتہ فیہا ہدی وشفاء

دو عالم ہیں، ذکر حکیم کی تلاوت کرتے ہیں، اس کی کتیں حکم ہیں، ان میں ہدایت و شفاء ہے۔

ذکر احوال چکما واحکما بھا عقل العقول وحیث العقلاء
 وہ ذکر حکمتوں اور حکموں پر مشتمل ہے جن سے عقلیں رنگ اور اہل عقل و دانش عاجز ہیں۔
 بلغت بلاغتہ الکماز فافخر السلفاء عنہ واعجم الفصحاء
 اس ذکر حکیم کی بلاغت کمال کو پہنچی ہوئی ہے اس نے بیوقوفوں کو ساکت اور فقیہوں کو گونگا بنا دیا ہے۔
 جلی سواد شرا تم منسوخة بشریة ہی سمحة بیضاء
 انہوں نے اپنی سہل و روشن شریعت کے ذریعے منسوخ شریعتوں کی سیاہی کو دور کر دیا۔
 فظہور ملتہ متعاجلا کما تمحو لکواکب من ذکاء ذکاء
 ان کی امت کے ظہور نے تمام قوموں کو اس طرح مٹا دیا جیسے تارے سورج کے چمکنے ہی کو ہو جاتے ہیں۔
 یسوحضیاء الشمس نور کواکب ویطرق فوق کواکب داماء
 سورج کی روشنی ستاروں کی چمک مٹا دیتی ہے، اور سمندر وریاؤں پر غائب آجاتا ہے۔
 فاندلہ اظہر دینہ وادامہ فله علی من الابد بقاء
 اللہ نے ان کے دین کو غائب و باقی رکھا اور مردہ و مجبور پر اسی کو بقا ہے۔
 لا تغروان جعد السفاہ بہ ومن فی قلبہ داء العناد عقیام
 اگر بے وقوف اور معاند دشمن ان کے ان کمالات کا انکار کرتے ہیں تو تعجب کی بات نہیں۔
 ماضی عین الشمس زحمت بہ عین الضمیر ومقلدہ عمیلہ
 قریب خورشید کو اندھے کی آنکھ کی بے نوری مضر نہیں پہنچ سکتی۔
 اللہ اوجب ان ینقوہ باسمہ فی حین یرفع للصلوۃ سناء
 اذان میں ان کے نام کو بلند آواز کے ساتھ پکارنا، اللہ نے ضروری قرار دیا ہے۔
 ان ذاد آدم من بنو تہ غلی فکما عتلی بنیہموا الابیاء
 اگر آدم کے مراتب اس فرزندِ سعید کی بدولت بلند ہو گئے تو تعجب کی بات ہے؟ بہت باپ بیٹوں کی وجہ جہنم تیر ہوئے ہیں۔
 قد شاء یسل ان یشکو نواؤمۃ وسطا فاعطی بعضهم ماشاء
 بہت سے رسولوں نے امتِ وسط ہونا چاہا، ان میں سے بعض کی آرزو پوری کر دی گئی اچھے
 زمانہ امام مہدی میں عیسیٰ علیہ السلام پر شرف حاصل کریں گے،

هُوَ مُفْزَعٌ لِلنَّاسِ إِذَا فَرَعُوا إِذَا حُشِرُوا أَفْلَحَ لِمَنْ سِوَاهُ نَجَا

میدانِ حشر میں لوگوں کی سرایگی کے وقت وہ ہائے پناہ میں
ان کے سوا کسی سے میدان نہیں ہو سکتی۔

يَا قَوْمِ أَدْمُ مَلْتَجِينَ وَغَيْرِهِ مُسْتَغْفِينَ فَاحْجِمِ الشُّغْلَاءَ

وہ سب حضرت آدم اور دوسرے رسل علیہم السلام کے پاس طلبِ گارشفاعت ہو کر پہنچیں گے
مگر وہ سب خاموشی اختیار کر لیں گے۔

فَأَتَوْهُ حِينَ اسْتَيْسَأُوا فَمِنْهُمْ مِيحَابُهُ الْإِنْجَامُ وَالْإِنْجَاءُ

ان سب سے مایوس ہو کر وہ سب ان سمعی داتا کی خدمت میں حاضر ہوں گے، یہ قنار و
نجات والی سخاوت سے کام لیں گے۔

طَلَبُ الْإِنَامِ رِضَاءُ مِنْ مَطْلُوبِهِ هُوَ أَنْ يَكُونَ لِمُصْطَفَاهُ رِضَاءُ

انہوں نے مخلوق کے لئے خالق کی وہ خوشنودی چاہی، جو اس کے برگزیدہ بندے کی رضا تھی۔

وَرِضَاؤُهُ هُوَ أَنْ يَكُونَ بِمِثْلِهِ لِمُعْتَمِدِينَ مِنَ الْعَذَابِ نَجْوَاهُ

اور ان کی رضا اس کے سوا کچھ نہ تھی، کہ ایمان والوں کو عذاب سے نجات ملے۔

أَوْلَادُهُ شِعْرُ أَعَاجِدِ سَادَةٍ فَوْقَ الْإِنَامِ لِهَوَسَانِ وَسَاءِ

ان کی اولاد شریف بزرگ اور سردار ہے، مخلوق پر انہیں رفعت و بلندی حاصل ہے،

اور ان کی چمک دمک کے سامنے سب ماند ہیں

خَطَرُ كِبَارِ سَادَةِ كَثَرِ هَذَا الشُّبْلَا وَالنَّجْمَاءُ وَالنَّقَبَاءُ

وہ عظیم و کریم اور نجیب و نقیب ہیں۔

فَلَهُمْ مَنَاقِبُ لِأَحْيَاطٍ بِوَصْفِهَا مِنْ وَأَصْفٍ مَدْحٍ وَلَا أَطْرَافٍ

ان کے اوصاف و مناقب کا احاطہ کسی مدح کرنے والے کی مبالغہ آمیز مدح بھی نہیں کر سکتی

أَفْكَبَتْ بِوَصْفٍ جَدِّهِ خَطَرُ جَدِّهِ خَيْرُ الْإِنَامِ وَهَوَّلُهُ أَجْزَاءُ

ان بزرگوں کی فیوضِ بختی کی کیا تعریف ہو سکتی ہے جب کہ ان کے عبادِ امیر افضل خلقِ خدا ہیں اور

ہر قسم کے اجہزاء ہیں۔

اصحابہ خمس اشداء علی الکفار فیما بینہم رحماء
ان کے صحابہ بڑے باور، آپس میں رحیم اور دشمن پر شدید ہیں۔

اشفی علیہم ربہم فی آیۃ ما فوق هذا للعباد شفاء
اللہ نے قرآن کی آیت میں ان کا وصف بیان کیا ہے۔ یہ وصف ایسا ہے
کہ اس سے ہر انسانوں کی تعریف نہیں ہو سکتی

السا بقون الاولون خیاء وخیارہم خصلۃ الخلفاء
”اے“ السابقون الاولون“ سے یاد کیا گیا ہے، یہ طبقہ صحابہ میں سب سے بہتر ہے اور
ان میں بھی سب سے اعلیٰ خلفاء راشدین ہیں

یا حمۃ للعالمین ارحم علی من لالہ فی العالمین مرثاء
اے رحمت عالم! اس شخص پر رحم کیجے جس کے لئے زمانے میں کہیں رحم نہیں
افدیک من علی اسیر مالہ راث ولا من لہ وفداء
میں آپ پر قربان! اس قیدی پر احسان فرمائیے جس پر نہ کوئی رحم کرنے والا ہے اور
نہ اس کے پاس فدیہ و احسان ہے۔

فاشفع لہ من دون ارجاء فقد ضاقت علیہ الارض والارجاء
ناامیدی اور تاخیر کے بغیر اس کی شفاعت فرمائیے کیونکہ زمین اور اس کے وسیع دوسری
اطراف و اکاف اس کے لئے تنگ ہو چکے ہیں۔

یا من اغاث بلطفہ جملہ مشکا ملکا شکوی نوی و مشکا
اے شاکی اور منت کے فریاد رس! حمد پر بھی و یسی ہی مہربان فرمائیے، مجھے بھی بیماری
اور مجبوری کی شکایت ہے۔

قد طال اشکاء الکرم فاشکک فاشفع لی رفع ذلک الاستکاء
مصائب کی رسی زمانہ دراز سے دماڑ ہے انکو دور فرمائیے اور سفارش کیجئے تاکہ اس اذیت سے نجات ملے
لعمیق لی غیر احتیاج لیدی اللہ رب الرحیم المستحسنا رجاء
آپ کی سخاوت و عطاک سوا، رب رحیم و معطی کے سوا مجھے کوئی امید نہیں۔

وَمَحْنَى وَمَحْنَى عِنْدَهُ وَارْحَمَ عَلَى وَمَحْنَى بِمَنْحِكَ لَا يَرْفُ دَعَاءُ
مجھے نفع پہنچائیے اور خدا کی بارگاہ میں سفارش فرمائیے، میری مصیبتوں پر رحم فرمائیے کیونکہ
آپ مستجاب الدعوات میں۔

يَا بَرِّ حَقِيقٌ لِي رَجَائِي وَلَا يَكُنْ لِي فِي النِّجَاحَةِ مِنَ الْعَدُوِّ اِرْجَاءُ
اے خدا میری امیدوں کو ثابت کر دکھا اور دشمنوں سے مجھے نجات دلانے میں تاخیر نہ فرما۔
فَدَقِمْتُ اَنْزَجِي الْقَاعِدِينَ اِلَى الْوُغَى وَقَعَدْتُ لِمَا قَامَتِ الْهَيْجَاءُ
میں بیٹھے دالوں کو لڑائی میں برابر آگے بڑھاتا رہا اور لڑائی شروع ہو جانے پر خود بیٹھا رہا
اجرومت اذ اجبعت من كسل فلم اشهد اذ اما استشهد السعداء
میں اپنی ہستی کی وجہ سے ایسے موقع پر باز رہا۔ یہ میں نے بڑا جرم کیا، جب نیک بخت حضرت
نے مجھے شہادت کے لئے بلایا تو میں حاضر نہ ہوا۔ یا میں شہادت سے محروم رہا جبکہ سعادتمند
نے جام شہادت نوش کیا۔

رَبِّ اَعْفُ عَنِّي مَا اقْتَرَفْتُ وَاعْفِنِي فَرَجَانِي مِنْكَ الْعَفْوُ وَالْإِعْفَاءُ
اے آمرزگار! میرے قصور کو معاف کر، اور جو کچھ مجھ سے خطا سرزد ہوئی اس سے درگزر
تجھی سے عفو و درگزر کی امید ہے۔

اِنْ جَعَلَا جِرَاحِي فَمِنْكَ رَحْمَةٌ مَا حَذَّاهُ لَحْدٌ وَلَا اِحْصَاءُ
اگر میرے جرموں کی فرد پڑی ہے تو تیرے پاس ایسی کوئی رحمت ہے جس کی حدود نہایت نہیں۔
فَاغْفِرْ وَعَافِ وَثَبِّ عَلَى خَفِئَتِي مِمَّا ابْتَلَانِي الْخَصْمُ وَالْمَشَاءُ
مغفرت و عفو فرما، توبہ قبول کرتے ہوئے دشمنوں اور خفیہ زوروں کے ابتلا سے مجھے نجات دے۔
اِنْ كَانَ مَا اَشْكُوهُ مُقْضِيًّا فَكَمْ بِدَعَاءِ مَظْلُومٍ سِرَّةٌ قَضَاءُ
میری مصیبتیں اگر میرے حق میں مقدر بھی ہو چکی ہوں، تب بھی مظلوم کی دعا
سے راز قضا ہو جایا کرتا ہے۔

لَا تَشْتَقْنِي اَبَدًا وَاسْعِدْنِي فَلَا يَنْتَابُ مِنْ بَعْدِ السَّعْوَةِ شَفَاؤُ
مجھے بد بختی میں نہ ڈال، نیک بخت بنا، پھر سعادت کے بعد شقاوت کی نوبت نہ آئے

وَأَجِبْ لِمَظْلُومٍ دَعَاكَ وَضَرَّهٖ فَاضْطَرَّهٖ كَفَّرْ عَدَاوَا سَاءُوا
جو مظلوم تجھے پکار رہا ہے اس کی سن لے اور اس کی مصیبت دور کر، کافروں نے ظلم
تعدی کا اس کے ساتھ برا برتاؤ کیا ہے۔

قَدْ خَفَّتْ ذُرِّيَّتُهَا اِذْ تَتَابَعُ مِنْهُمْ
الْاَزْدَا وَالْاَزْدَا وَالْاَمْخِرَا
ان کی طرف سے مصائب، آفات، اور رسوائیوں کے پے پے جلوں نے مجھے ضیف نالوار بنا دیا ہے

اِنَّتِ الْوَحِيْلُ فَلَا تُكِيْلُ اِهْرِي اِلٰى
تُوْمِيْ بِرَاوِكِيْلٍ هَے، سچر کما کر ایسے دشمنوں کے پروردگار جن کی ایذا رسائی نے مجھے مصیبت میں ڈال دیا ہے
رب اجزهم بالاعتقَامِ وَاَخْزِهِمْ
لیکون لی بمن اعْتَقَمُوا اجزاء

اے خدا! ان سے انتقام لے اور انہیں رسوا کر، تاکہ ان کی منزل سے سچر کما کی کچھ ٹٹائی ہو سکے۔
رب انتقم لی من عدائی وَاَوْفِ
وَانصُرْ فَمَنْتِ النُّصْرَ الْاَمِيْلُ

اے پروردگار! میرے دشمنوں سے انتقام لے اور مجھے پناہ دے، میری مدد کر، مدد پناہ تیرے ہی پاس ہے
حَالِ اِسْتِظَارِیٍّ لِّلنَّجَاةِ فَلَا مَكِيْنَ
فیما جوت من النجاة ابطالہ

کامیابی کا مجھے مدت سے انتظار ہے، اب میری امید نجات میں تاخیر نہ ہوتی چاہئے۔
یَا مَرِيَّةَ عَجَلِ اِنْ یَّکُوْنُ لِمَا شَجَّابِیْ مِنْ شَجْوٰی فِی الْجَلَا جَلَاءُ

اے پروردگار! طہمت فرما تاکہ بلا وطنی کی تکلیفوں سے رہائی و غلامی نصیب ہو۔
هَبْ اِنِّیْ لَمَّا اَقْرَفْتُ شَیْئًا مِّنَ الْحَسَنَاتِ سَبَلَ اَفْعَالِیْ اِلَیْكَ اِسْوَاءُ

مجھے اعتراف ہے کہ میں نے کوئی نیکی کا کام نہیں کیا بلکہ بد اعمالی ہی میں مبتلا رہا۔
لَقَدْ اِنْقَضٰی عَمْرِیْ سُدًى مِّمَّا کَانَ
فِی اللّٰہِ وَالْہٰی بَہَا الْاِہْوَاءُ

میری عمر لو و نسب میں بے کار گزری، اور خواہشات نے مجھے نیکیوں سے غافل رکھا۔
لَمَّا اَقْرَفْتُ عَمَلًا یُّثَابُ وَاِنَّمَا
قَوْلِیْ وَفَعَلِیْ سَمْعًا وَرِیَاءُ

کوئی ثواب کا کام نہ کر سکا، میرے قول و فعل میں ریا و نفاق کو دخل رہا
لَکِنْ فَضْلُکَ وَاَسْمُیْ یُرْجٰی بَدَ
عَنْ عَلٰی وَمَا شِئِی الْاَبْرَاءُ

لیکن تیرا فضل و کرم وسیع ہے، اسی سے اپنی بیماری اور گناہوں سے رہا مت، کی امید ہے۔

فارحم علی فقد دھانی فتنۃ لم تُغن عنها خطنة ودهاء
 مجھ پر رحم فرما، مجھے ایسی آزمائش سے سابقہ چڑا ہے کہ اس سے زیر کی اور صابت رکھنے بھی دیکھا سکی۔
 عافیتی ستین عاماً لا تبتی تزاد لی من فضلك الا لام
 ساٹھ سال تک تو نے مجھے امن و صافیت میں رکھا، تیرے فضل سے اس مدت میں نعمتیں بڑھتی ہی رہیں
 فاختر عافیتی وفاجاً خلۃ فارحم فمک الخیر الی خطو
 پھر اپنا تک میری صافیت قتل اور امتیاج مستط ہو گئی، رحم فرما، خیر و صاف تیری ہی جانب سے مل سکتی ہے۔
 ووسائل ربی الیک محمد والمرتضی وابناء والزہراء
 اے میرے رب تیرے دربار میں میرے ویسے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم، علی حسن حسین، اور فاطمہ زہرا میں
 یا رب صل علیہ ما صحت علی الا یتک الودیع حملة ورقاء
 اے پروردگار! جب تک سرسبز و شاداب مرغزاروں میں کھرتروں اور سبز رنگ پرندوں کی آوازیں
 گونجتی رہیں، کھڑی چھتیں نازل فرما۔
 حیاء الرحمن ما حی حیا ارضاً وسخت دیمۃ وخلقاً
 اور جب تک پرش اور مسلسل خبر زمین کو میرا کرتے رہیں، اللہ کی برکتیں اور اس کی رحمتیں ان
 سب بزرگوں پر نازل ہوتی رہیں۔



حشا حشای جو یی مشوی الجوانغ والمحشا کنا رخصنا تور یی بایفاد
میرے سینے میں وہ غم و اندوہ بھر گیا جس نے اندرونی و بیرونی اعضا کو غصا لکڑی کی آگ کی طرح
جلا ڈالا جو جلاتے ہی بھڑک اٹھتی ہے۔

کرمین نارحشا التور موقدها و خودها حطب من بعض اعواد
بہت فرق ہے اس آگ میں جس کے جلنے کی جگہ تنور کا پیٹ ہو جس کا ایندھن لکڑیوں کا ٹکھا ہوتا ہے
و بین نار جو یی بصلی جو انغنا و خودها من حشا هنا و اکساد
اور اس غم و الم کی آگ جو ہمارے اعضا کو جلاتی ہے جس کا ایندھن ہماری اُتھیں پسیاں و قلب و کچر ہیں۔
ولی السعد فلا سلمی تسالمفی ولا سعادت دار یخی باسعاد
نیک بختی نے پشت دکھا دی، اب نہ سلمی ہی مصالحت کرتی ہے اور نہ سعادت ہی سعادت دہی کا
اظہار کرتے ہوئے مدارات پر آمادہ ہے

خلق تنکر حتی کا دینکر لی من کان یعرفنی من یوم میلادی
میں غم اٹھاتے اٹھاتے بد صورت بن گیا، جو لوگ مجھے یوم پیدائش سے پہچانتے ہیں انہیں
بھی شناخت میں تامل ہونے لگا ہے۔

فقرتی ضعفت والضعف ضو جف منقص فی القوی والجسم مزداد
میری طاقت کم ہو گئی اور ضعف دونا ہو گیا، یہ سب کچھ قوی اور جسم میں بہت زیادہ نقص کی وجہ سے ہوا
لعمریق لی جلد ما اصاب به قلبی و روحی و جثانی و اجلائی
میرے قلب، روح، جسم اور بدن کو جو مصیبتیں پہنچیں ان کی وجہ سے مجھ میں قوت باقی نہیں رہی۔
اودی لداهیتہ دھیاء قد حجت هت و هت بار و اح و اجساد
سخت مصیبت کی وجہ سے جلاکت کو پہنچ گیا، روحانی اور جسمانی اذیتوں میں جگر کر شیخ فانی بن گیا۔
فانی بلا دایکی اسرفی و اولی الغرف و اشمت اعدائی و محتادی
اچانک مصیبت نے آدایا، اس نے میرے اہل فاندان اور رشتہ داروں کو
رُلا یا اور دشمن و عاصد کو ہنسیا ،

لخصنا ایک دفعہ جس کی کڑی سزا ہوتی ہے، یہی جگہ بہت دیر تک نہیں بچیں سلطان بہادر کو لکھنا بھی کہتے ہیں، مرثیہ شادانی

لقد دعاهن فاولهاتن فزاسلن الدھامان کادنی اشرارانکاد
اس مصیبت نے مجھے کمزور و ناتواں بنا دیا، اور شہر و پڑھت لوگوں کے مکر نے مجھ سے
زیر کی و دامنائی کو زائل کر دیا۔

کادت ملکیتھم اذا عنت فرقا من الھایا و افواج و اجناد
رعایا، فوج اور لشکر کے گروہوں کے لئے امن کا اعلان کر کے ان نصاریٰ کی ملکہ نے بھی مکر سے کام لیا۔
حتت بتصیرھم قبل و هم شیعم من مسلمین و من عتباد ابدال
اس نے پہلے تو مسلمانوں اور بت پرستوں کی جماعتوں کو نصاریٰ بنانے کا قصد کیا۔
فلم یتکفوا و ابوا و استکفوا و ابوا الا اقلاد من دوپ و اوغاد
ان سب نے اعراض کرتے ہوئے صاف انکار کر دیا اور اسے برا سمجھتے ہوئے دوری اختیار کر لی
الہیہ تقویٰ ذلیل و ذلیل شمس نے انکا کسانام لیا۔

صا الواعلیٰ حزبہا البیضان فالعجم کالشاء تنف من سید و اساد
انہوں نے اہل سفید فوج پر حملہ کیا اور گردش قدیر سے شکست کھا گئے۔ جیسے بکریاں جویرے اور
شیر سے دوڑ بھاگتی ہیں، یہی ان کا بھی حال ہوا۔

فالت جمعہ من نکاکرة من الھنادک لاستعداد اعداد
پھر اس نے ہندؤں میں سے جاٹ بٹا کروں کو اپنی مدد کیلئے جمع کیا
وبعض من بدعی الاسلام فالت اذا استعداد الاعداء و اعداد
اور بعض مدعیان اسلام فالت، وہ دھوکے میں آکر مدد کے لئے آمادہ ہو گئے۔
قد اعتدوا اعدوا اکفادھم علوا اذا استعداد الاعداء کل اعتاد
انہوں نے اپنے ساتھیوں پر حملہ کر کے زیادتی سے کام لیا اور اپنے مقابل لوگوں سے پوری طرح تیاری
سے پیش آکر بڑا غلہ کیا۔

فکراعد و النصر المضم من عدد و من عساکر لا تحصی بأعداد
ان سب نے دشمن کی مدد کے لئے بہت سارے جنگ
اور بے شمار لشکر اکٹھا کیا۔

شر استعانت چلا ساکنی جبل فاخذوهم بانھام بیانجاہ
پھر اس مکہ نے پہاڑیوں سے مدد لی، انہوں نے پوری رغبت اور بہادری سے مدد کی۔
وشھرت کتباً منشوق نشرت ایمانہا المعاریب واضداد
اس نے محاربوں اور دشمنوں کی امان کے اشتہارات جاری کئے۔

الذالذی قتل الصبیح او قتل البنوات او غال مغلولاً باقیاد
کہ بچوں، عورتوں اور قیدیوں کے قاتلوں کے سوا سب کو امان ہے
من سالوا سلموا ال القتال فی عتالھا واطلوا طوعاً منقاد
جنہوں نے صلح کی، آلات حرب اس ملک کے عاملوں کے سپرد کر دیئے اور
فرمانبرداروں کی طرح اطاعت گزار بن گئے۔

و طمعت کل دھنا فظاوعھا جبل الدھاقین من قار و من بلاد
اس نے تمام دہقانوں کو لالچ دیا جس کی وجہ سے اکثر دیہاتی اور بادیشین اس کے مطیع ہو گئے۔
فصرم سلتا الانصار فقتروا اذاخذوہم باغوار وانجاہ
ان سب کی مدد نے ان کو مسلط و قاب کر دیا، جب کہ ہر سستی و ہمدردی پر ان کی مدد کی۔

واخوا البلاء بشغریب ولم یبدوا ماکان فیہن من سیم وابلاد
انہوں نے شہروں پر فائرنگ کی کے ذریعہ قبضہ کر لیا اور ان کے آثار و نشانات بھی باقی نہ چھوڑے۔
قد انجدوا و اغاروا وقتلوا فھبوا واضدوا فی النواحی کل افساد
وہ بند اور سہت مقامات پر پہنچے اور قتل، لوٹ مار، اور سارے علاقہ میں فتنہ و فساد پیدا کر دیا۔

ھذا المعبد واجتاحت المساجد اغتالوا عباد غلوا فی قتل محبتاد
عبادت گاہوں کو منہدم اور مسجدوں کو مسمار کر دیا، خدا کے بندوں کو قتل کیا اور
عابدوں کی ہلاکت میں مدد سے تہاؤز کر گئے

من کان منصرفاً عن طوعھا فثلوا لویسموا المر حکام و قواد
جن لوگوں نے اس ملک کی اطاعت نہیں کی تھی ان پر ایسی بزدلی پھائی تھی کہ اپنے سوار کا حکم
مانتے تھے اور نہ حاکم کی بات سنتے تھے۔

اعیت فریقاً عن العیاد فاقتمم واقعد البعض جبن کل اقصاء
 ان میں سے ایک فریق کو نفر و فاقہ نے جگتے تنکا دیا تھا اور دوسرے گروہ کو بزدلی نے پاؤں توڑ کر بٹھا دیا تھا۔
 لما رأت ابلہ لم یبق مختصم للحرب بائع ولا بائع ولا عدا
 جب مکہ نے دیکھا کہ کوئی جنگ کا خواستگار دشمن، بائع، اور سرکش باقی نہیں رہا۔
 عادت فاعلت بما وعدت منت حبال میثاق و میعاد
 تو اپنے قول سے پھر گئی اور دشمنی پر اتر آئی، کوئی اپنا وعدہ پورا نہ کیا اور عہد و میثاق کی رسیوں کو کاٹ دیا۔
 منت بما وعدت ثم اعدت وعدت فکان موعداً کسیداً لا یعاد
 پہلے وعدہ کر کے لوگوں کو آرزو مند بنادیا پھر عداوت و ختم سے کام لیا، دراصل کا وعدہ، وعید کے لئے مکر تھا
 رجعت اذ غریف آکسماں کا خیرہ زوراً بعد انی اہلی واولادی
 اس کافر کے جھوٹے وعدوں اور سوسے وعدہ کے میں پڑ کر میں بھی اپنے اہل و عیال کی طرف لوٹ آیا۔
 واثبت من تذمن اسدادنا فبلا فی النصاری بعد محبسی و زائد
 ہمارے ساتھیوں میں دوسرے روپوش لوگ بھی واپس آگئے مگر نصاریٰ نے صرف تمہاری قید میں ڈال دیا۔
 جزا الی السجن صغوی الفیة کسری و اسری باخلال و اضلال
 وہ مجھے قید کا ٹھکانہ بن کر لے گئے اور ہتھکڑیوں اور پٹیوں میں بندھے ہوئے کمانڈہ و کسٹرل قیدیوں میں شامل کر دیا
 اسری عاة یعانون الشدائد فی حدو حدة و سجان و حداد
 وہ کچھ کسٹری تھے قید خانہ کے دربانوں اور نگہبانوں کی بے انتہائی اور ان کے مزاج کی تیزی برداشت کرتے تھے
 شق الغلام علیہم لم یذر جلد فیہم و شق جلودہ اجد جلد
 بدخواہ اور درشت مزاج نگہبانوں کی محنت و مشقت نے ان کے بدن پر کھال دھڑی مٹی اور
 بلاد کے کوڑوں نے بدن کی کھال مچھڑی مٹی
 جثم العدی جمعوا بینہ و بین عدی و فتر قوا بین اعضائی و اعضادی
 دشمنوں کی جماعت نے دشمنوں کو اور مجھے جمع کر دیا اور میرے اعضاء اور بازوؤں کو جدا کر دیا۔
 قد صد عنی النجال کنت املہم و صد عنی اخلائی و اودادی
 جن لوگوں سے مجھے امید تھی وہ اعراض کر گئے اور میرے دوستوں اور ساتھیوں کو مجھ سے علیحدہ کر دیا۔

و حال بی بی و بین الاخرین نوی و غنمی بین اولادی و احفادی
 میرے اور اعزہ کے درمیان مہائی عامل ہو گئی اور اولاد و احفاد کے فرق نے مجھے غم میں ڈال دیا۔
 حبس فی السجن من حی و لم یذوق عندی رفیقاً کفیان و نحباً
 میں غمگین حزمین جیل میں پہنچا دیا گیا۔ میرے پاس میرا کوئی رفیق یا درجی، یا خدمتگار بھی نہ چھوڑا گیا۔
 وقد کسوفی کساء بعد ماسلبوا — الکساء و امتزعو البس و ازواجی
 میرا عمدہ لباس اتار کر قیدیوں کے کپڑے پہنا دیئے، میرا تو شر اور کپڑے چھین لئے۔
 اعطوا و طلاء غلیظاً اشاء کلکشتنا لنوم لین سلبین الفرش معتاد
 انہوں نے سخت موٹا اور چھپنے والا بستر ایسے احتسابہ شخص کو سونے کے دیا جو نرم بستر کا عادی تھا۔
 سقوا اجاجاً حسیماً از شکوت منک و اعتدوا لی غذا غیر معتاد
 میں نے پیاس کی شدت کی شکایت کی تو گرم اور کھاری پانی پلایا اور ایسی غذائیں مہیا کیں جن کا میں کبھی عادی نہ تھا۔
 لم یفتعوا باحتباسی بل ضیفالی حبسی جلالی و تفریحی و ابعدی
 میرے قید کرنے پر بھی انکساز کی جگہ اس کے ساتھ بل و وطنی مسافت اور اہل وطن سے وری کا بھی اٹھا کر دیا
 فان کسوفی و اسریٰ اخر من علی فلک یسود بوج البحر حیات
 مجھے اور دوسرے قیدیوں کو جہاز پر سوار کر کے لے چلے اور وہ جہاز سمندر کی موجوں سے جھپکے کھاتا پیتا تھا۔
 و امتز لوفی مع الاسری علی جبل فاص یثقی دونہ او هام قضاد
 اور مجھے ان قیدیوں کے ساتھ ایک دور دراز پہاڑی پر اتار دیا جہاں قصد کرنے والوں کا
 و ہم و گمان بھی نہ پہنچتا تھا۔

شق المزارینا اذ شق حاسبنا بشق بحر لہ مد ہا زباد
 ہمارے قید کرنے والے نے ہم پر ظلم روا رکھ کر بہاری دید سے لوگوں کو محروم کر دیا اور ہمارے
 درمیان ایسے سمندر کا کنارہ عامل ہو گیا جس میں پانی کے جوش سے جھاگ پیدا ہوتے تھے۔
 ارواحہ تنزع الا و ام مزخبت کصہر اذ صلت قبلہ علی عاد
 وہاں کی ہوائیں اپنی خرابی کی وجہ سے جان نکال لیتی تھیں۔ وہ اس ہلاکت خیز آندھ کی طرح تھیں
 جو قوم عاد پر اس سے قبل بھی جب چکی تھی۔

خَالِبُ الْمَنَآوِ الْمَنَاقِدِ عَمَّ فِيهِ وَمَا لَمِنَتْ فِيهِ مِنْ دَفْنٍ وَالْعَادِ
 اس میں آرزو نہیں پامال اور موت عام تھی، اور کسی میت کے لئے دفن و قبر کا کوئی انتظام نہ تھا۔
 يَفِيضُ فِيهِ هَمُّو حَاجِمَةٌ أَبَدًا عِلِيمُ هَمُّو فِاسِرٌ دَائِمٌ عَادِ
 فلوں کے بادل قسم قسم کے رنج و الم پرستے رہتے ہیں اور وہ بادل صبح، شام اور شب کو آتے ہاتے رہتے ہیں
 فَلَا مِيرَى فِيهِ يَوْمَانِ شَمْسُ شَمْسِي وَلَا سَنَاتٌ يَتَرَبَّالِ لَيْلِ وَقَادِ
 وہاں کبھی دن میں سورج کی رکشائی نظر آتی ہے، نہ چمکنے والے چاند اور تاروں کی رات میں چمک۔
 يَوْمِي كَلِيلِي وَلَيْلِي سَرْمَدُ تَقِفُ — النُّجُومُ فِيهِ كَانَتْ شَدَّتْ هَاوَاتِ
 میرا دن، رات کی طرح ہے، اور میری رات کو دوام ہے۔ آسمان پر ستارے ایسے رکے ہوئے ہیں
 جیسے یخوں میں انہیں باندھ دیا گیا ہو

كَانَتْ كَايَا مَنَا بِمَضَادِّ يَاجِسِرْنَا وَكَانَ أَيَا مَنَا أَيَامُ اءِمْيَادِ
 ایک زمانہ تھا کہ ہماری تاریک راتیں، روشن دن کی طرح تھیں اور ہمارے دن عید کے دن تھے
 كَيْفَ اءِمْتِيَالِي لَءِظْلَاقِي وَقَدْ ضَرَبْتَ عِلْنِي اءِمْضِي اءِمْتِنِي مَبَاسِدِ
 میری ربائی کے لئے کیا حید ہو سکتا ہے جو زمین میں بار اٹھائے ہوئے ہے اگے سا کرتے سرد و دہی
 كَيْفَ اءِمْخَلَصُ وَءِمْضِي ظَالِمُ شَكْسِ وَبِلَهْ مِنْ كَافِرٍ بَانْدَلْ كَسَادِ
 مجھے چھوڑا کر کیسے نمیبے سکتا ہے یار دشمن ظالم و بد خو ہے، اس کافر کی خرابی ہو جو خدا کا بھی منکر ہے۔
 اءِمْغَرِي اءِمْصَلَمِي بَعْدَ ذِي اءِمْزَادَةِ يَلُونُ هَمُّو وَتَوَلُو هَمُّو لَءِءِءَادِ
 مجھے تکلیف پہنچانے کے لئے امارے نے ایسے زندہ لقیوں کو آمادہ کیا جو ان کے مقرب ہیں اور وہ بھی
 جن سے ان کے العاد کی وجہ سے محبت کو تے ہیں

ءِمْظَلُو اءِمْجَدُو اءِمْجَوَافِ اءِمْعَاقِبِي ءِمْءَادُو اءِمْبَادُو اءِمْءَافِغَانِ وَاءِمْءَافِءِ
 وہ غصے میں آپے سے باہر ہو گئے اور میری اذیت رسانی میں ہر ممکن جہد و جد سے کام لیا، پوری
 پوری دشمنی برتی اور بغض و کینہ کا کھلا مظاہر کیا۔

أَيْسَتْ مِنْ أَعْلَى اءِمْقَعَتْ جَبِيلِي وَءِمْجَرَتْ كَالْطَيْسِ فِي اءِمْجَبُولِ هَيْتَادِ
 اپنی تدبیروں کے انقطاع پر میں ناامید و بالوس ہو گیا اور شکاری کے جلال میں پھنسے ہوئے پرندہ کی طرح خیر و ایشیائی

کالطی فی جُزۃ امسی یُنَاوصہَا وقد یسا المہامن خوف مصطلد
 میری حالت اس ہرن سے مشابہ تھی جو ٹھکاری کی لکڑی سے موقع شکار کے خوف سے مصالحت کر بیٹھا ہے۔
 مرجوت ناسا راجمن اقلوا مُٹھبا قد اقلعت بعد ابراق وارعداد
 میں نے چند لوگوں سے ان قہر زدہ اشخاص کی سی امید باندھی جو ایسے بادلوں سے جو گرج اور
 ٹپک کر چھٹ گئے ہوں، امیدیں باندھ لیتے ہیں۔
 قطعت عما سوی اللہ الجارفا ممن سواہ ہجار فذ وارفاد
 میں نے خدا کے سوا سب سے کنارہ کشی اختیار کر لی، اس کے سوا کسی دوسرے سے بخشش و
 امداد کی امید نہیں ہے۔

فلا أوقل الرحمة الملك العدل الذی ذکرہ حرزی واورادی
 اس بادشاہ عادل کی رحمت کا بھی میں امیدوار ہوں جس کا ذکر میرا حزب جاں اور میراورد ہے۔
 حی یحییٰ حقی بالدعاء فلا یرد دعوة مملہوف ولا زاد
 وہ ہمیشہ زندہ رہنے والا، حیات دہکنے والا اور پکارنے والوں کے ساتھ مہربانی سے پیش
 آیا والا ہے، بلاکت زدہ اور مظلوم و مضطرب کی دعا و دعائیں کرتا ہے۔
 ینجی أساری عنما فامن جبارة شوس لشذاہ جابوا الصخریا الولد
 وہ کمزور قیدیوں کو ایسے جابر، متکبر اور سخت انسانوں سے نجات دلاتا ہے جو آدمی میں پتھروں کو کاٹنے آتے ہیں
 یسلط الضعفاء العاجزین علی صید شداد کفرعون وشداد
 وہ فرعون وشداد جیسے سخت و جابر بادشاہوں پر کمزور عاجزوں کو مسلط کر دیتا ہے۔
 فمن سواہ لعان الاحتیال لہ وما لا اطلاقہ من ولا فاد
 اس مصیبت زدہ کے لئے جس کا کوئی حید و سیل نہ ہو اور جس کی ربائی کے لئے نہ کوئی فدیہ
 ہو اور نہ احسان، خدا کے سوا کون چارہ ساز؟

یارب انتقدہ من ابیدی عدی کفر بجاہ احمد محمدی وجماد
 اے پروردگار! اس عاجز و خستہ کو، ستودہ صفات، احمد و حماد، علی اللہ علیہ وسلم
 کے غفیل میں، کافر دشمنوں کے چنگل سے نکال

اٰرسلنہ رحمۃ اللعالمین الی الامم حطّوا لافساد وارساد
تو نے انہیں تمام مخلوق کی طرف اس کی دیرری و ہدایت اور عطا و اعانت کے لئے رحمت
عالم بنا کر بھیجا ہے ۔

غوث المنادی لکف الباس منزعنا یوم القنادی مدعی الکف فی النادی
وہ مصیبت و عذاب روکنے کے لئے پکارنے والوں کے فریاد رس ، روزِ قیامت میں
ہماری پناہ گاہ ، اور جس میں بڑے سختی و جزا ہیں

حاد و حام و ماہم مانع یغیو عیم و مستصوخ مستشفع جاہا
وہ گمراہ کے لئے ہادی ، نابینا کے حامی ، فریادی کے مددگار ، سفارش چاہنے والے کے
شفیع اور سائل کو عطیات سے نوازنے والے ہیں

جار نجار شکاجو یا یسیع لمن قد استماح و معتاد نعمتاد
ظلم سے شاکی پر دوسی کے محافظ ہیں ، امداد چاہنے والے کے معاون اور
طالب عطا کے لئے سختی ہیں ۔

ہادو بیشر قد ائت بشانہ الرهبان فی زہب و الفود فی ہاد
وہ خوشخبری سنے والے ہادی ہیں ، راہبوں نے ان کی آمد کی اطلاع حالتِ خوف میں
پہنچائی اور اسی طرح یہود نے ۔

ہدی سبیل مسویا کل منحرف عن السبیل و سوی کل متناد
انہوں نے ہر گم کردہ راہ کو سیدھا راستہ بنایا اور ہر ٹٹھے کو سیدھا کر دیا ۔
غوث و غیث للہوف و منتجع بحرو بزل و لوزاد و محرقاد
وہ غمگین کے فریاد رس اور طالبِ بازش کے لئے بادل ، گھاٹ پر آنیوالوں کے لئے دریا
چارہ اور پانی کے مشکاشی کے لئے دسر سبز میدان ہیں ۔

بحر شریعتہ بیضاء صافیۃ مشروعا مشرعا عذب لوزاد
وہ دریا ہیں ، ان کی شریعت روشن اور صاف ہے جس کے احکام
پایسوں کے لئے شیریں چشمہ ہیں ۔

ہوئے تَشْبِیْہِ الخوفی اصابعہ جادت فجولت جُولِ اللہ بِالْصَادِقِ
وہ بڑے نیک اور سچے ہیں، بھوکوں کا ان کی انگلیاں پیٹ بھرتی ہیں جب انگلیاں سخاوت پر آتی ہیں
تو تشبہ نبیوں کی پیاس پر غالب آجاتی ہیں

ان ذاد آدم حیدر امن لدنہ حکم بلبن علاء حیدر اباہ و احب داد
آدم علیہ السلام کی بزرگی میں ان کی وجہ سے اضافہ ہوا تو تعجب کیوں ہے بہت سے آباء و اجداد
نے اپنی اولاد کے ہمد و شرف کے باعث ہندو مت پر پالیا ہے

ختم النبیین اولاءہم و اولاءہم بدو لبندی سناہ بدو اعجاباد
وہ قائم النبیین ہیں، نبیوں میں سب سے اول و افضل ہیں۔ غلو قدس اوسیت کا شرف انہیں کو
خاص اور انہیں کی روشنی سے پہلی رکھا رہا ہے۔

خدیجہ ناسخہ الاذیان قاطبہ باق علی حق احقاب و آباد
ان کا دین تمام دینوں کا ناسخ اور رہتی دنیا تک رہنے والا ہے۔
تلاکنا بالحقما محکما حکما یقضی عنی کل مرئیاب لمزناد
انہوں نے حکمت والی مضبوط اور فیصلہ کن کتاب کی تہذیب کی، وہ کتاب متنازعہ حق کے حق
میں اور شک کے خلاف فیصلہ صادر کرتی ہے۔

دعایہ دخل فی افراد اہمتہ و سل علی ماروی اصحاب سنداد
رسولوں نے ان کے مسمیٰ بننے کی فنا کی بارگاہ میں دعا کی روایات میں اسناد و کیا تہذیب اس کا تذکرہ موجود ہے
دعوا لکی بحسبوا من اہم و وسط عدل علی الامم لما ضین اشہاد
انہوں نے امت وسط، شاید جلال امت محمدیہ، میں شمار ہونے کی دعا کی جو کہ تمام امتوں
پر قیامت کے دن گواہ بنے گی۔

فمن اولئک من لم یعط ما آملوا والبعض فازوا بجماعی مرئاد
ان میں سے بہت کی آرزو پوری نہ ہوئی اور بعض اپنی مراد کو پہنچے۔

اکرم بعترتہ الغر الکرام فہم خیر النبال و ہم سادات اہباجاد
کس قدر قابلِ عظمت ہے، ان کی شریف، بزرگ، نجیب اولاد، بلند درجہ اولاد

اصحاب جہاد والذین واجتہدوا لنصرہ واجتہدوا کل احبدا
ان کے صحابہ نے دین کے لئے جہاد کیا، معاونت میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی
اور اس سلسلہ میں طرح طرح کی کوششیں کیں

یاسید الخلق یاخیالوری خلقا یاخیر من یرتقی یاخیر احبوا
اسے مخلوق کے سردار، اور اخلاق میں سب سے بلند و بہتر، امیدوں کے
بہترین سہارے، اور تمام اہل معاونت سے بلند تر رکھنے والے۔

افدیک محفی وکفی وکفی بالعیہ یاخیر محتاح وحتاح
میں آپ پر قربان، مجھ پر رحم فرمائیے، اور مجھے بخشش سے نوازئیے، اپنی عطا سے میری شقتیں
اور غموں کی تلافی کیجئے، اسے جو دو عطا کے مالک

فاشعہ وکفی وکفی لینجیدی ممن یزنی بتغریبی وافرادی
مجھ پر کرم کرتے ہوئے خدا سے میری سفارش کیجئے کہ مجھے بلا وطنی اور قیہ تنہائی کی مصیبت
آزماؤں سے نجات دے۔

وان ینفس عنی عاجلا کربی اللافی تجاوزن عن حصرو تعداد
اور جلد سے جلد میری ان پریشانیوں اور اذیتوں کو دور کرے جو حد و
شمار سے متجاوز ہو چسکی ہیں۔

وان مافی فی خوڑا ویدلنی وحیدی بوجد واشتاقی باسعاد
اور مجھے غفلت کے ساتھ اپنی عافیت میں لے اور میرے غم کو سرور و شقاوت کو سعاد سے بدل دے
وان یتبع جماعی بالشہادۃ فی جوار شوالک یا جاری ویاہادی
اسے میرے محافظ و رہنما! اس بات کی بھی دعا کیجئے کہ خدا میری موت آپ کی اقامت گاہ کے
جوار میں شہادت کی موت مقدر کر دے۔

ناشدنک اللہ فاقبل مدحی کرما حتی افوز بعبث شودی ہائشادی
میں آپ کو خدا کی قسم، دلائل ہوں۔ اپنے کرم سے میرا، درج دستاؤں قبول فرمائیے تاکہ اشعار خدائی
کی بدولت میں یاق براد کو پہنچوں۔

عليك اذكي صلوة الله صلحت ورقار ايل ودين او شدا اشادي

آپ پر اللہ کی پاکیزہ رحمتیں نازل ہوئی رہیں جب تک سر سبز شاد آ
مغربیوں میں قزاقوں کی آوازیں گونجتی رہیں اور گائیولے گاتے رہیں

قال رحمه الله :

تمت القصيدة في شهر رجب
سنة ١٢٤٦ يعني الف و مائتين
وستا وسبعين من الهجرة
المقدسة النبوية على صاحبها
الزكي الصلوة والتحية وانا
محبوس في الجزيرة الوبية
نجاني الله سبحانه منها برحمة الوسيعة
وقد نيت المبدعة بمجاه حبيب وارحمته
عليه وعليهم اذكي الصلوات واسمى
التسليمات.

مصنف علیہ الرحمۃ نے آخر میں تحریر فرمایا
یہ دونوں قصیدے رجب ۱۲۴۶ء
میں بمات امیری جزیرہ وبائی
تمام ہوئے۔ اللہ تعالیٰ
اپنی رحمت وسیعہ اور قدرت
بدیعہ سے اپنے حبیب اور
اس کی آل اطہار اور اولاد اطہار
کے طفیل اس وبائی جزیرہ سے
نجات دے، ان سب اللہ کی
دشمن نعمتیں اور پاکیزہ رحمتیں
نازل ہوں۔

تمتہ

بابی چہندستان

— سدہ خیر آبادی اور مولانا فضل امام کی ایک تصنیف کا تعارف —

ترتیب
محمد عبد الحکیم شرف قادری

مولانا فضل امام خیر آبادی کی ایک غیر مطبوع تصنیف

مقدمہ تاریخ یا خلاصۃ التواریخ (فارسی) | اس کتاب کے دو نسخے ہماری نگرانی میں ہیں۔
مشترا

عجائب گھر ٹبریری (لاہور) میں ۹۰۔۸۵۵ A مدفوعہ ہے جسے ۱۹۳۹ء میں چمپل ۱۰

خوشحال لکھا ہوا ہے۔ اس نثر پر کتاب کا نام مقدمہ تاریخ لکھا ہوا ہے۔
مولوی عبدالرشید لاجپت نگر (شاہدہ) کے پاس دیکھنے کا اتفاق ہوا، اب یہ سومر کی تحقیقات
فارسی ایران و پاکستان کے کتاب نگار نجیب خان اولپندی صدر میں منتقل ہو چکا ہے۔ اس پر
کتاب کا نام غلامرضا التور تاریخ لکھا ہے۔

کتاب کا نام قلندرِ اشراق رکھا ہے۔
یہ کتاب مولانا فضل امام خیر آبادی نے ۱۳۱۲ھ میں قیامِ دہلی کے دوران لکھی۔ یہ کتاب گویا
تدریجِ عالم ہے جس کا تبار حضرت سیدنا آدم علیہ السلام سے لگ گئی ہے۔ مولانا نے اس کی اجمالی فہرست
اس طرح بیان کی ہے :-

اس طرح بیان کی ہے :-
گفت راول : خلقت آدم اور دیگر انبیاء کرام کے احوال ، اس ضمن میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آل پاک ، صحابہ کرام و ازواج مطہرات کا ذکر فرمایا ہے ۔

گفتار دوم: صوفیائے کرام اور اویسائے عظام کے ذکر میں۔
 گفتار سوم: ملوک ایران کے نوکر میں۔ اس گفتار کا آغاز آدم علیہ السلام سے کیا گیا ہے۔ سبطین کیا
 خفائے عباسیہ سبطین چنگیز یاوشادان کیوں کا ذکر کیا ہے۔ یسعلہ ابن نصر مدد کبر و شاد
 حکمہ سنیانہ ہے۔

گفتا چہام : ان راجوں کا ذکر جو دہلی اور دیگر بلاد میں حکمران رہے۔
گفتا ناخیم : غزنی اور لاہور کے حکام کے بیان میں یہ سلسلہ بابہ کے ہندوستان آنے اور
ابراہیم کے مارے جانے تک پہنچا ہے۔

سے دو دنوں سوز کی نشاندہی جناب پروفیسر محمد اقبال مجددی نے کی جس کے لئے راقم شکر گزار ہے۔

گفتار ششم : سلجوقی ، صفوی ، گجراتی اور مصری اکابر سلاطین کا اجماعی ذکر ۔

گفتار ہفتم : مشہور حکماء ، اطباء اور خوشنویسوں کا ذکر ۔

خاتمہ : نبوتِ اقلیم کے جلا اور عجائب کا بیان

مولانا کی مفید تصنیف آمد نامہ فارسی کا ایک باب تراجم العلماء کے نام سے گزیری
 آمد نامہ ترجمہ اور حواشی کے ساتھ پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی کراچی کی طرف سے
 شائع ہو چکا ہے ۔



www.anglo-islam.com

علامہ احمد رضا علامہ ہدایت اللہ خاں رامپوری شہنشاہِ دہلی قادری

استاذ الاساتذہ مولانا علامہ ہدایت اللہ خاں بن مولانا رفیع اللہ خاں قدس سرہما، علامہ خاں رامپور میں پیدا ہوئے آپ کا آبائی وطن سوات تھا۔ رویداد خاندان سے تعلق رکھتے تھے، لے ابتدائی کتب والد ماجد سے پڑھیں، عربی و نحو کی تحصیل مولانا حافظ غلام علی سے کی اور میرزا عبد الحکیم معقولات کی تعلیم مولانا جلال الدین کام ۱۳۱۳ھ/۱۸۹۵ء سے حاصل کی جب خاتم الحکام مولانا علامہ فضل حق خیر آبادی رامپور تشریف لائے تو ان کے حلقہ درس میں شریک ہو کر کسب کمال کیا۔ درس حدیث مولانا سید عالم علی گینوی (م ۱۲۹۵ھ/۱۸۷۸ء) سے پڑھا۔ علامہ خیر آبادی کے شہیدانی تھے مختلف مقامات میں ان کے ساتھ رہے اور جب علامہ محمد عبدالحمید حق خیر آبادی اسیر ہو کر اندمان روانہ ہوئے تو آپ مفہوم و معنوں رامپور میں تشریف لائے اور مدرسہ عالیہ میں درس دینا شروع کیا۔ ۸-۱۲۸۴ھ/۱۸۷۰ء میں مولوی حمید حسین کے طلب کرنے پر چونچر تشریف لے گئے اور مدرسہ ختفیہ میں مفتی محمد رفیع فرنگی علی لکھنوی کی جگہ مدرسہ درس مقرر ہوئے اور تاحیات اسی مدرسہ میں علم و فضل کے خزانے لٹاتے رہے۔

اپنے استاد و محترم مولانا جلال الدین کے چچوٹے بھائی حضرت شاہ چچوٹے میاں قدس سرہ کے سلسلہ عالیہ قادریہ میں مرید تھے، وسیع الافلاک، کریم النفس، طلبہ پر شفیق اور مسلک اہل سنت پر ثابت قدم تھے۔ ۱۳۰۰ھ/۱۸۸۲ء میں مرشد آباد دنگال میں شہنشاہِ دہلی علامہ عبد العزیز رحیم آبادی کے مقابلہ میں مذہبِ ختفیہ کی حمایت فرمائی۔ ۱۳۱۸ھ/۱۹۰۰ء میں مجلس علمائے اہل سنت کے املاک میں شریک ہوئے چونکہ وہ کی اصلاح کے لئے چٹنہ میں منعقد ہوا تھا۔ لے علم و فضل میں فقید المثال شخصیت تھے، بالخصوص معقولات و حکمت میں اپنی مثال آپ تھے عیسائیکہ

۱۔ علامہ احمد قادری، مولانا شاہ، تذکرہ علمائے اہل سنت جلد اول، مطبوعہ کانپور، ۱۳۹۱ھ، ص ۲۶۱
 ۲۔ اقبال احمد سید، تذکرہ شیوخِ زیندہ، چونچر، مطبوعہ چونچر، ۱۹۶۳ء، ص ۷۹
 ۳۔ علامہ احمد قادری، مولانا، تذکرہ علمائے اہل سنت، ص ۲۶۱ نیز اقبال احمد سید، تذکرہ شیوخِ زیندہ، چونچر، ص ۷۹
 ۴۔ علامہ احمد قادری، مولانا، تذکرہ علمائے اہل سنت، ص ۲۶۱

عبدالحمیٰ کنوی لکھتے ہیں :

انتھت الیہ ریاست المنطق والحکمت "منطق و حکمت کی ریاست آپ پر ختم ہو گئی۔"
مولانا شاہ محمود احمد قادری لکھتے ہیں :

"آپ ان عمارتیں تھے جن سے علم و فضل کو شرف حاصل ہوتا ہے۔"
سید اقبال احمد لکھتے ہیں :-

"معقولات میں یگانہ روزگار تھے اور ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں ان کے بار بار
کا کوئی عالم اس وقت نظر آتا تھا۔"

آپ کے تلامذہ کا احصاء بہت دشوار ہے۔ آپ سے ان اساتذین علم و فضل نے کتب فیض کیا،
جن کی برکات علم آج بھی پاک و ہند کے گوشے گوشے میں بروہا تمجدہ گر ہیں، چند مشاہیر کے ہمراہ ہیں :-
صدر الشریعہ مولانا حکیم محمد امجدی ، فقیہ العصر مولانا محمد بنڈیالوی ، رئیس علماء ملتان علامہ
سید سلیمان اشرف، سابق چیرمین اسلامک سٹڈیز مسلم یونیورسٹی علی گڑھ ، مولانا عبدالسلام نیازی
دہلوی ، مولانا حکیم سید برکات احمد ٹوکی ، مولانا شیر علی صدر شعبہ نباتات جامعہ عثمانیہ حیدرآباد
دکن ، مولوی محمد ابراہیم بلیاوی صدر مدرس دارالعلوم دیوبند ، مولانا عبدالاول جوہوری
مصنف مغیر المقتی وغیرہ ، مولانا عنایت حسین خاں جوہوری ، مولانا محمد اسماعیل جوہوری ،
مولانا منصب علی جوہوری اور جبروت جوہوری وغیرہ وغیرہ

استاذ الاساتذہ حضرت مولانا باریت اللہ جوہوری قدس سرہ بروز اتوار یکم رمضان المبارک
۲۷ ستمبر (۱۳۲۶ھ/۱۹۰۸ء) دارفانی سے رخصت ہوئے اور حضرت قصبہ القباب مولانا شیخ عبدالرشید
جوہوری قدس سرہ مصنف مناظرہ رشیدیہ (۱۹۰۸ء/۱۶۷۲ھ) کی درگاہ و قلعہ رشیدیہ آباد میں دفن ہوئے

۱۔ عبدالحی کنوی، تاریخ ازبک التواضع، مطبوعہ مدینہ آباد دکن، ۱۳۲۹ھ/۱۹۰۷ء، ص ۲۰
۲۔ علامہ احمد قادری، مولانا، تذکرہ علمائے اہلسنت، ص ۲۶
۳۔ اقبال احمد سید ، کاوش شریذہند، جوہور، ص ۷۹
۴۔ علامہ احمد قادری، مولانا، تذکرہ علمائے اہلسنت، ص ۲۶۲، ۲۶۳
۵۔ اقبال احمد سید ، کاوش شریذہند، جوہور، ص ۷۹، ۸۰
۶۔ رشید احمد صدیقی، پروفیسر، گنجانے گزشتہ، ص ۲۲

۱۸۰۸ء سے اکتساب فیض کے لئے مدرسہ خیر جوئیہ میں داخل ہوئے۔ علوم و فنون کی تکمیل کے بعد
 حجۃ الاسلام شیخ الحدیث مولانا شاہ وحسی احمد محدث سوئی قدس سرہ ام ۱۲۴۲ھ/۱۹۱۶ء کی خدمت میں
 مدرسۃ الدیوبہ (دینی حیثیت) میں حاضر ہو کر درس حدیث لیا اور ۱۳۴۰ھ/۱۹۰۲ء میں سند حاصل کی،
 ۱۳۴۳ھ میں حکیم عبدالولی جھوٹی ٹوڑا گھنٹہ سے علم عرب حاصل کیا۔ ۱۳۴۷ء سے ۲۷ھ تک حضرت محدث
 سوئی کے مدرسہ میں درس دیا، ۱۳۵۰ء کے بعد ایک سال تک چتر میں مقیم کرتے رہے۔ ۱۳۵۰

اس اثناء میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاؤنڈیشن بریلوی قدس سرہ کو مدبر و مقرر اسلام بریلی کے
 لئے ایک مدرسہ کی ضرورت پیش آئی، استاد گرامی مولانا وحسی احمد محدث سوئی کے ارشاد کی بناء
 پر مولانا عبدعلی عظیمی مقیم چتر کر بریلی شریف پہنچ گئے۔ ابتداً تدریس کا کام شروع کیا، بعد ازاں
 مطبع اہل سنت کا انتظام اور جماعت رضائے مصطفیٰ بریلی کے شعبہ تعلیم کی صدارت کے فرائض بھی آپ
 کے سپرد کر دیئے گئے، اقتدار کی مصروفیات اس کے علاوہ تین سلسلہ کاریہ تدریس میں اعلیٰ حضرت امام
 احمد رضا فاؤنڈیشن بریلوی کے دست حق پرست پر بیت ہوئے اور جدیدی خلافت سے نوازے گئے۔
 قریباً ۱۸ برس شیخ کمال کے فرائض و برکات سے مستفید ہوئے اور کمال عروج کو پہنچے۔ ۱۳۵۰
 اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاؤنڈیشن بریلوی، قتلوانے کے سلسلے میں آپ پر مدد و رجاء متاد فرماتے تھے۔
 ایک دفعہ ارشاد فرمایا ۱

”آپ کے یہاں موجود دین میں تفتہ جس کا نام ہے وہ مولوی احمد علی صاحب میں
 زیادہ پایسے گا، اس کی وجہ یہی ہے کہ وہ استغفار سنایا کرتے ہیں اور جو میں جواب
 دیتا ہوں کہتے ہیں، طبیعت اتنا ذہ ہے، طرز سے واقفیت ہو چکی ہے“ ۲
 تھانہ اور غفار کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں ۱

میرا احب، محب کا پکا
 اس سے بہت کچھ یاد ہے

۱۔ حضرت احمد قادری، مولانا، تذکرہ علماء اہل سنت (مطبوعہ جھوٹی پراہار، ۱۳۹۱ھ/۱۹۷۱ء) ص ۵۱، ۵۲
 ۲۔ حضرت روزہ اور اب ایسا رسنہ سے مطبعہ، گوجرانوالہ، ۲۰۰۲ء بقیدہ ۱۳۷۹ھ، ص ۳
 ۳۔ حضرت رضا بریلوی مفتی اعظم ہند، ملفوظات جداول (مطبوعہ کراچی، ۱۳۹۳ء)

بریلی شریف میں قیام کے دوران حضرت صدر الشریعہ کی مصروفیات حیرت انگیز حد تک بڑھیں ہوئی تھیں۔ تدریس، پریس کی نگرانی، پروف ریڈنگ، پریس میوزک کوڈایات، پاپرسوں کی ریسپل اور دفتری نوٹس وغیرہ کو حق تنہا انجام دیتے فیضی خاندان کے دیگر کئی اہل کار بھی اس کی مدد کرتے تھے۔

مولانا عبدملیٰ صاحب تو کام کی مشین ہیں۔

اہل حضرت مجدد دین و ملت مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہ کا فقید المثل تجربہ قرآن مجید سمیٹے باہم تاریخی "کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن" (۱۳۴۰ھ/۱۹۱۱ء) آپ ہی کی معنی جہید سے شروع ہوا اور پانچ شکلیں کو پہنچا۔

آپ نے ابتدائے شباب سے تدریس کا کام شروع کیا اور آخریات تک ہماری دکان اور ایسے نابینا روزگار افراد تیار کئے جن پر علم و فضل کو بھی ناز ہے۔ حویلی عرصہ مدرسہ منظر اسلام بریلی میں فرائض تدریس انجام دیے۔ ۱۳۴۳ھ/۱۹۲۴ء میں بحیثیت صدر مدرس دارالعلوم حیدرآباد دکن تشریف لے گئے۔ ۱۳۵۱ھ/۱۹۳۲ء میں پھر بریلی شریف چلے آئے اور تین سال تک قیام کیا، بعد ازاں نواب حاجی غلام محمد خاں خروانی رئیس ریاست دادو (سٹی گڑھ) کی دعوت پر بحیثیت صدر مدرس دارالعلوم خانپور ضلع سیوہ میں تشریف لے گئے اور سات سال تک یہاں حسن و خوبی فرائض تدریس انجام دیے۔ مولانا حبیب الرحمن خروانی نے ۱۳۵۶ھ/۱۹۳۷ء میں مدرسہ کے سالانہ جلسہ میں امتحان کے موقع پر تقریر کرتے ہوئے آپ کے فضل و کمال کا اعتراف ان الفاظ میں کیا۔

مولانا اکبر علی صاحب چورے ملک میں ان چار پانچ مدرسین میں ایک

میں جنہیں میں منتخب جانتا ہوں۔

۱۔ اپنا پاسبان الزامیاد (۱۱۱) احمد رضا خاں، شمارہ ۱۵۵، دہریہ (۱۹۶۲ء) ص ۶۵

۲۔ محمد ابراہیم خاں، مولانا، تذکرہ علمائے اہل سنت، ص ۵۲

۳۔ غلام علی، مولانا، المیزانیت العربیہ، ص ۸۰

۴۔ محمد ابراہیم خاں، مولانا، تذکرہ علمائے اہل سنت، ص ۵۳

اس زمانے میں مولانا عبدالشاہ خاں شروانی اسی مدرسہ میں نائب مدرس تھے۔ انہوں نے اپنے تاثرات کا اظہار اس طرح کیا ہے :-

”مولانا محمد امجد علی غنی، سات سال سے صدر مدرس تھے۔ بریلی، اجمیر اور دوسرے مدرسوں کے صدر مدرس رہ چکے تھے، کتبہ مشرقی کی بنیاد پر درسیات میں پوری مہارت رکھتے ہیں۔“

۱۹۳۲ء/۱۳۵۱ء تک دادوں میں قسیم رہا، اس کے بعد ایک سال بنارس میں

رہے بعد انہوں نے ۱۹۳۵ء/۱۳۵۴ء تک منظر اسلام بریلی میں درس دیا۔

اجیر شریف کے قرب و حوالہ میں راجہ پرستوی راج کی اولاد آہا دتھی جو اگرچہ سلمان ہو چکی تھی لیکن ان میں فرائض و واجبات سے غفلت اور شرکانہ رسوم بکثرت پائی باقی تھیں حضرت صدر الشریعہ کے ایام پر آپ کے تلامذہ نے ان میں تبلیغ کا پروگرام بنایا تبلیغی جلسوں کا خوشگوار اثر ہوا اور ان لوگوں میں مشرکانہ رسوم سے اجتناب اور دینی اقدار اپنانے کا جذبہ پیدا ہو گیا، پروفیسر محمد الیوب قادری لکھتے ہیں :-

”اجیر کے زمانہ قسیم میں نو مسلم راجپوتوں میں مولانا امجد علی نے غوب تبلیغ کی اور اس کے بہت مفید نتائج برآمد ہوئے۔“

اس کے علاوہ اگر دیکھیں بڑے شہروں اور قصبہ مشائخ نصیر آباد، بیادور، لاڈنوں، سبھ پور، جود پور، پالی مارڈا اور پتود وغیرہ میں بھی خود آپ اور آپ کے تلامذہ تبلیغی سرگرمیاں جاری رکھتے، مذہب اہلسنت کی اشاعت وروج پیہ، قادیانیہ کا رد کیا کرتے تھے، آپ کی تقریریں اعلیٰ علمی مضامین اور قرآن و حدیث کی تفسیر و تفصیل پر مشتمل ہوا کرتی تھیں، مسلک اہل سنت کو غلط فہمی سے اس طرح بیان فرماتے کہ مخالفین تسلیم کے علاوہ چارہ کار نہ پاتے۔

۱۔ صدر عبدالشہ خاں شروانی، بانی ہندوستان، مہاراجپور ۱۹۲۷ء، ص ۳۷

۲۔ بنارس پاکستان، دکنام محمد رضا خاں، ص ۶۸

۳۔ محمد الیوب قادری، پروفیسر، ڈیگڑ بریلی، مہاراجپور ۱۹۶۰ء، ص ۱۹

حضرت صدر الشریعہ اگرچہ دینی اور مذہبی قائد تھے لیکن ہر وقت ضرورت سیاسی طور پر
 قوتِ اسلامیہ کی صحیح ترجمانی فرمائی۔ چونکہ آپ کے مرشدِ طریقت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ
 ودقوی نظریہ امت پرست اور بت شکن کا اتحاد نہیں ہو سکتا، کے عظیم مبلغ تھے، اسی نظریہ
 کی بناء پر پاکستان معرضِ وجود میں آیا، آپ نے ان کی موافقت میں اس نظریہ کی تسبیح
 پورے شد و قدر سے کی۔ ۱۴ رجب ۲۴ رمارتھ (۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء) کو بریلی میں جمعیت العلماء
 ہند کا اجلاس منعقد ہوا جس میں ابوالکلام آزاد کے علاوہ دوسرے لیڈر بھی شریک ہوئے
 جمعیت کے لیڈر اس جوش و خروش سے آئے تھے کہ گویا "ہندو مسلم اتحاد" کے مخالف
 علامہ اہل سنت کو لاجواب کر دیں گے۔ مولانا محمد عبد علی نے جماعتِ رشتائے مصطفیٰ (بریلی)
 کے شہر علیہ کے صدر کی حیثیت سے اراکینِ جمعیت کے ہندوؤں سے اتحاد و داد کے بارے
 میں شر سوات پر مشتمل سوان شر مرتب کر کے قائدینِ جمعیت کو جمع ہوا یا، بار بار اصرار اور
 معاذ کے باوجود انہوں نے کوئی جواب نہ دیا۔

صدر الانفاصل مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی نے اہل حضرت امام احمد رضا بریلوی
 (قدس سرہ) کے نام ایک مکتوب میں اس سوانہ کے بارے میں اس طرح اظہارِ خیال
 فرمایا ہے :-

د سیدی، دامت برکاتہم اسلام نیاز کے بعد گزارشِ حضور سے شخصیت
 ہو کر مکانِ سپنیا، یہاں آکر میں نے "اقامِ حجتِ تامرہ" کا مطالعہ کیا،
 فی الواقع یہ سوات فیصلہ ناطقہ میں اور یقیناً ان سوات نے منافع کو
 جہاں گنہگار اور راجہ جواب باقی نہیں چھوڑی ہے۔
 ابوالکلام آزاد نے روانگی کے وقت بریلی کے اسٹیشن پر کہا :-

مے یہ سوانہ "اقامِ حجتِ تامرہ" (۱۳۳۹ھ) کے نام سے چھپ چکا ہے۔ علامہ پر
 "دوامِ الخیر" مطبوعہ مطبعہ حسنی، بریلی، ص ۴۰، ۴۱۔
 مے دوامِ الخیر، مکتوب صدر الانفاصل، ص ۵۵، ۵۴۔

” ان کے جس قدر اعتراضات میں حقیقت میں سب درست ہیں، ایسی غلطیاں کیوں کی جاتی ہیں جن کا جواب نہ ہو سکے اور ان کو اس طرح گرفت کا موقع ملے؟“

۱۹-۲۰ شعبان المعظم ۳۰-۳۱ اکتوبر (۱۳۵۰/۱۹۳۹ء) کو مراد آباد میں شاہزادہ اعظم حضرت حجة الاسلام مولانا حامد رضا خاں پریوی کی صدارت میں اجلاس منعقد ہوا اور ایک جماعت مومنین تعمیر قائم کی گئی جس کا مقصد مسلمانوں میں پیدا ہونے والے مفاسد کی اصلاح اور فرائض و حقوق کا دفاع تھا۔ اس اجلاس میں حضرت صدر الشریعہ نمایاں طور پر شریک ہوئے، یہی جماعت بعد میں آل انڈیا سنی کانفرنس کے نام سے مشہور ہوئی۔

اپریل ۱۹۳۶ء میں سنی کانفرنس کے بنارس میں منعقد ہونے والے فقید المثال اجلاس (جس میں علامہ مشائخ پانچنزار کی تعداد میں شریک ہوئے) کو قیام پاکستان کی بنیاد کی حیثیت حاصل ہے۔ اس اجلاس میں اسلامی حکومت کے لئے لائحہ عمل مرتب کرنے کے لئے عین القدر علماء کی ایک کمیٹی مقرر کی گئی تھی جس کے مت زامائین میں حضرت صدر الشریعہ بھی شامل تھے۔

صدر الشریعہ مولانا محمد انور علی کو اللہ تعالیٰ نے جملہ علوم و فنون میں مہارت مآثر عطا فرمائی تھی لیکن انہیں تفسیر، حدیث اور فقہ سے خصوصی لگاؤ تھا۔ فقہی جزیات نوک زبان پر رہتی تھیں اس لئے دور حاضر کے مجدد امام احمد رضا پریوی نے آپ کو صدر الشریعہ کا لقب عطا فرمایا تھا۔

سے دواۓ الخیر : مکتوب صدر الانضام، ص ۵۶، ۵۷

سے ابواب کرامت : سید احمد مفتی، پاکستان : تعلیمی واداشت

سے قدم مبین الدین مولانا : حیات صدر الانضام (جلد ثانی) ص ۱۹۰

سے حمزہ احمد قادری : مولانا : مذکورہ ص ۵۱، ۵۲

آپ نے داوود (رضی علیہ السلام) میں قیام کے دوران امام ابو جعفر محمد باقر (ع) کی خدمت میں حاضر ہو کر اس کی تفسیر کی مشکوٰۃ کتاب شرح معانی الآثار پر ماحشیہ لکھنا شروع کیا اور سات ماہ کی مختصر مدت میں پہلی جلد پر بمسوط ماحشیہ تحریر فرمادیا۔ یہ ماحشیہ بائیک قلم سے ۴۵۰ صفحات پر مشتمل تھا اور ہر صفحہ میں ۳۶،۳۵ سطریں تھیں، گویا دیگر شافعی سے فارغ وقت میں اڑھائی صفحہ روزانہ قلمبند فرماتے تھے۔ افسوس کہ یہ ماحشیہ طبع نہ ہو سکا۔ آپ کی دوسری تصنیف فتاویٰ امجدیہ سب جو علمی تحقیقات پر اپنی مثال آپ ہے۔ جس زمانے میں با تصدیق قاعدہ جاری ہوئے آپ نے ایک قاعدہ مرتب فرمایا جو صرف سبب جان کشیا کی تصاویر پر مشتمل تھا۔ اس کی خوبی یہ تھی کہ کچھ بہت جلد اور دوپڑے پر قادر ہو جاتا۔ آپ کی تحریر کی خصوصیت یہ ہے کہ آپ مشکل سے مشکل مسئلہ عام فہم انداز میں بیان فرما دیتے تھے۔

ہمارے شریعت، حضرت صدر الشریعہ کی وہ شہرہ آفاق تصنیف ہے جسے بجا طور پر فقہ حنفی کا دائرۃ المعارف (انسائیکلو پیڈیا) کہا جاسکتا ہے اس کے کل سترہ حصے بارہ جلدیں ہیں جو کہ تقریباً عام کی سند حاصل کر چکے ہیں۔ اس کتاب سے نہ صرف عوام بلکہ علماء کے لئے بھی سہولت پیدا ہو گئی ہے۔ اس کتاب کی ابتدا غالباً ۱۲۳۳ھ/۱۸۱۵ء میں ہوئی اور ۱۲۶۲ھ/۱۸۴۳ء میں پایہ تکمیل کو پہنچ گئی۔ آپ ابھی تین حصے اور لکھنا چاہتے تھے مگر حالات نے اس کی صلت نہ دی۔ چار سال کے عرصے میں کچھ بعد دیگرے لکھے گئے عزیز دارغ مغفرت دے گئے جس کا اثر دل و دماغ پر اس قدر پڑا کہ بنیائی جاتی رہی اور تصنیف و تالیف کا کام ترک کیا۔

ہمارے شریعت کے ابتدائی چھ حصے اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا بریلوی نے حرف بحرف لکھے اور جاہل اصلاح فرائی اور انہیں تقریظ سے مزین کیا۔ کتب فقہ میں سے ہمارے شریعت کی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ ہر باب میں پہلے آیات مبارکہ سبھرا حدیث

مقدمہ، اس کے بعد مسألی فقہیہ بیان کئے گئے ہیں۔

آپ کے عقد درس میں سینکڑوں ملکی اور غیر ملکی علماء شامل ہوئے اور اربعہ کمال کو پہنچے۔ چند شاہیر تلامذہ کے اسماء یہ ہیں :

- ۱۔ محمد بن عظیم پاکستان مولانا ابو الفضل سردار احمد گجپوری۔
- ۲۔ منافرا عظیم مولانا حشمت علی گھنوی۔
- ۳۔ مولانا محمد ایسا سیالکوٹی۔
- ۴۔ مولانا مفتی محمد اعجاز الرضوی۔
- ۵۔ مولانا غلام یزدانی سابق صدر مدرس جامعہ ضویہ مظہر اسلام بریلی (رحمہ اللہ تعالیٰ)۔
- ۶۔ مولانا غلام جیلانی صاحب برادر کلاں مولانا علامہ مدنی صاحب شیخ الحدیث برلاؤں شریف۔
- ۷۔ حافظ عت مولانا عبدالعزیز قدس سرہ باقی دارالعلوم اشرفیہ مبارکپور۔
- ۸۔ مجاہد عظیم مولانا حبیب الرحمن صدر آل انڈیا تبلیغ سیرت۔
- ۹۔ مولانا رفاقت حسین مفتی اعظم کانپور۔
- ۱۰۔ مولانا وقار الدین دارالعلوم امجدیہ کراچی۔
- ۱۱۔ مولانا آغا محمد علی خاں شیخ الہامہ، جامعہ رشیدیہ پیر گڑھ (سندھ)۔
- ۱۲۔ مولانا ولی النبی، یکی تورو شیر شریف (مردان)۔
- ۱۳۔ مولانا عت راحمٰن خطیب اعظم دارالسلام (قرب ٹیک سنگھ ضلع لاہور)۔

غیرہ وغیرہ۔

حضرت صدر الشریعہ کے تین صاحبزادے آپ کی حیات میں ہی داغ مفارقت سے گئے تھے۔ اس وقت آپ کے چار صاحبزادے موجود ہیں۔ مولانا علامہ عبدالصطفیٰ ازہری مدظلہ شیخ الحدیث جامعہ امجدیہ کراچی، مولانا حافظ رضا المصطفیٰ خطیب جامع مسجد مولانا شہار المصطفیٰ اور مولانا شہار المصطفیٰ۔ حضرت علامہ ازہری مدظلہ العالی جمعیت العلماء پاکستان کے ممتاز و اجنبی اور قومی مسئلہ کے سربراہ۔

سے بائیں پاسوان : امام احمد رضا نمبر ۳، ۴، ۵، ۶، ۷، ۸، ۹، ۱۰، ۱۱، ۱۲، ۱۳، ۱۴، ۱۵، ۱۶، ۱۷، ۱۸، ۱۹، ۲۰، ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴، ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۱، ۳۲، ۳۳، ۳۴، ۳۵، ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۰، ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵

فقہ العصر مولانا یار محمد بن دیالوی قدس سرہ

استاذ العلماء، فقہ العصر مولانا یار محمد بن دیالوی ابن میاں سٹ ہنواز (قدس سرہ)، ۱۲۹۰ھ/ ۱۸۷۹ء میں بنڈیال ضلع سرگودھا میں پیدا ہوئے۔ مرنے تک ضلع میاںوالی میں قرآن مجید حفظ کیا، بعد ازاں ایک مقامی عالم کے پاس فارسی کی کتابیں پڑھیں۔ اس کے بعد مولانا محمد امیر دہانی رحمہ اللہ سے: مصنف کا فریضہ میرپور سے ورت و نحو کے علاوہ بعض دینی کتابیں پڑھیں، پھر مولانا شاہ احمد رحمہ اللہ سے بنڈیال ضلع جہلم حاضر ہوئے اور الفیہ ابن مالک پڑھا۔ فزون عالیہ کی تحصیل مشکوٰۃ زادہ استاذ مولانا غلام احمد حافظ آبادی صدر مدرس جامعہ تھانہ لاہور سے کی، جامع مسجد قشتچی دہلی میں بھی تعلیم حاصل کرتے رہے، مزید دینی تعلیم حاصل کرنے کے لئے مرکز اہل سنت بریلی شریف اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی کی خدمت میں حاضر ہوئے، اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے علامت جمع اور تصنیف و تالیف کی بے پناہ مصروفیات کی بنا پر استاذ اہل مولانا ہدایت اللہ خاں جوہر دہلی تلمیذ پرشاد خان صاحب، مولانا علامہ محمد فضل حق خیر آبادی کی طرف راہنمائی کی، مولانا یار محمد قدس سرہ نے جوہر پور پبلشرز کے معقولات کی منتہی کتب افق البین، شرح اشارات، حاشیہ جدیدہ و تفسیر چتر گلوں کی تکمیل کی۔ ان دونوں کے الشریعہ مولانا محمد مہدی رحمہ اللہ تعالیٰ مصنف بہا شریعت، بعض اسباق میں آپ کے ہم درس رہے۔ ۵

لے غلام مہدی، مولانا: ابوالقیت، عمریہ (مطبوعہ مکتبہ مہریہ جہتین شریف ۱۹۶۳ء) ص ۱۰۲۔
نوٹ: ۱۔ حیات استاذ العلماء (مطبوعہ مکتبہ اعلیٰ تعلیم، بنڈیال ضلع سرگودھا ۱۳۸۹ء) میں جن ولادت ۱۸۷۷ء لکھا ہے جس کے مطابق سن ہجری ۱۲۹۵ء ہے، دوبارہ حیات کے پیش نظر: ذکرہ بالا کسی ولادت صحیح معلوم ہوتا ہے، تذکرہ ص ۱۱۱، اہل سنت، مطبوعہ مظہر پور بہار لاہور، مرتبہ مولانا رشاد احمد قادری میں جن ولادت ۱۲۹۷ء/ ۱۸۷۷ء لکھا ہے اس پر سن ہجری و مصری کی مطابقت نہیں ہے۔

۵۔ حیات استاذ العلماء، بنڈیالوی، ص ۱۰، ۱۱

مرشد العصر حضرت مولانا مولوی محمد حسین آزاد با دینی (م ۸ رجب ۱۳۲۲ھ / ۱۹۰۴ء) خلیفہ اعظم حضرت حاجی امداد اللہ مبارکوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے دست مبارک پر سلسلہ عالیہ چشتیہ مبارکہ میں بیعت ہوئے اور امداد علی سال تک بارگاہ شریفہ میں حاضر رہ کر کتب تصوف کا درس لیا اور منازل سلوک طے کیں۔ بالآخر باہارت و خلافت سے شرف ہوئے۔

استاذ العلماء مولانا جدایت اللہ جو نپوری کے وصال کے بعد درخانیہ میں مدرس مقرر ہوئے تھے، بعد ازاں آزاد، رام پور، جھوپال اور ٹونک کے مدارس میں بیس بائیس سال تک تدریسی فرائض انجام دینے کے بعد مراجعت فرمائے وطن ہوئے اور قریباً بیس برس تک تشنگانِ علم کی علمی پیاس بجھاتے رہے۔

مولانا یا محمد قس سرہ کو قدرت نے غضب کا مافظ دیا تھا، تمام علوم میں حیرت انگیز مہارت رکھتے تھے، خاص طور پر فہم میں یدِ طولیٰ حاصل تھا، متناظرہ میں آپ کو معراجِ کمال حاصل تھا۔ قیامِ ہند کے دوران مولوی اشرف علی تھانوی سے آپ کی خطات ہوئی تو آپ نے پرچہ ارشاد باری تبارے ہے و علیہ ادم الاسماء، کھلے اس میں "اسماء" معرفہ جہم تفریق اور "کن" سے مرکب ہے اس کا عموم قطعی، ناقابلِ تخصیص ہے، یہی علم کلی ہے، تو جو علم نفس قرآنی کے مطابق آدم علیہ السلام کے لئے ثابت ہے اسے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے ثابت مانا کیونکہ کفر و شرک ہوگا؟ تھانوی صاحب نے کہا حضرت آدم علیہ السلام کو صرف اسماء کا علم عطا کیا گیا تھا نہ کہ استیات کا لہذا یہ علم کلی نہ ہوا۔ مولانا نے فرمایا اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے فتحرر عنہم علی الملئک فقال انہ یوفی باسما ہؤلاء الانیت، پھر آدم علیہ السلام کو فرمایا انہ یوفی باسما مہم۔ اس سے مراد یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو اسماء اور استیات دونوں کا علم عطا کیا گیا تھا نہ کہ صرف اسماء کا، تھانوی صاحب سے کوئی جواب نہ دین چاہیے۔

سے حیات استاذ العلماء ہند تھانوی، ص ۱۶

سے محضر امتدادی، مولانا: مذکرہ ص ۱۶۳

سے فہم مہر علی، مولانا: الیقین العربی ص ۱۰۳

استاذ الاساتذہ مولانا یار محمد بندیا لوی کی تقریر میں بلا کا سوز تھا۔ تحریک پاکستان شروع ہوئی تو آپ نے پورا زور و خطابت مسلم لیگ کی حمایت میں صرف کر دیا۔ اس وقت ضلع سرگودھا اور میانوالی کے اکثر ائمہ اور یونیٹ پارٹی سے تعلق رکھتے تھے اور مسلم لیگ کا نام تک سننا گوارا نہ کرتے تھے۔ پھر اس علاقہ میں ملکخصیات فواد کا بہت اثر تھا، اس کے باوجود آپ نے ملی الامان فرمایا۔

”ایک طرف اسلام کا جھنڈا ہے، دوسری طرف کفر کا، چونکہ مسلم لیگ مسلمانوں کی جماعت ہے اس لئے اس سے کٹنا اسلام سے کٹنا ہے۔“
آپ برصغیر نظریہ پاکستان کے حق میں بیان فرماتے جس سے متاثر ہو کر سینکڑوں افراد مسلم لیگ میں شامل ہو گئے۔

حضرت استاذ العلماء سے سینکڑوں علماء نے کتاب فیض کیا۔ قیام ہند کے دوران جن حضرات نے آپ سے استفادہ کیا ان کے اسماء کا علم نہیں ہو سکا۔ آپ کی باگاہ ملی سے مستفید ہونے والے چند مشہور تقاضہ کے نام یہ ہیں:-

جناب لدین مولانا حافظ عطاء محمد گورکھوی، دست برکات اہل العالیہ، شیخ القرآن مولانا محمد عبدالغفور رازوی، رحلتہ تعالیٰ، مولانا ملا محمد سیٹھان اشرف قدس سرہ، خلیفہ اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ و سابق چیرمین اسلامک سٹڈیز مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، مولانا محمد مسعود غلامی (واں پھول)، مولانا فتح محمد، مولانا قادر بخش، مولانا عبدالرحیم (کاشغر)، مولانا عبدالغنی (سوات)، مفتی محمد شفیق دیوبندی (گودھان)، مولوی احمد شاہ دیوبندی (چوکیرو)۔

مولوی غلام حسین دیوبندی (واں پھول) وغیرہ وغیرہ۔
آپ کے تلامذہ میں سب سے زیادہ فیض رسالت شخصیت ملک الدین استاذ الاساتذہ مولانا عطا محمد گورکھوی، دست فیوض اہل العالیہ، ذیہ سندہ میں دارالعلوم اعداویہ منظر یہ ہندیاں (ضلع سرگودھا) ہیں، ویسے اہل یونیٹ پر آپ کا احسان عظیم ہے کہ آپ نے فاضل مدرسین کی بہت بڑی جماعت تیار کی ہے۔

۱۰ حیات استاذ العلماء : ص ۴۲

۱۱ ایضاً : ص ۴۰

آپ کے ہاں وسط اور بااوسط تلامذہ کراچی سے پشاور تک کے مدارس میں گرانقدر تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ اس وقت مجاہد تحریک آزادی مولانا مظہر محمد فضل حق خیل آبادی شہید مدرس سرور کے سلسلہ تلامذہ میں سب سے عظیم مدرس آپ کی ذات گرامی ہی ہے۔

استاذ العالی مولانا یار محمد بنڈیوی کا وصال ۲۲ محرم ۹ دسمبر ۱۳۶۷ھ / ۱۹۴۷ء کو ہوا۔ آپ کا مزار امامہ بنڈیال کی جنوبی جانب مرجع ندائق ہے، کورج مزار پر آپ کے تلمیذ ارشد مولانا عطا محمد گوردروی مدظلہ العالی کا درجہ ذیل قطعہ کندہ ہے :

شدہ او را بد جٹوٹے پڑخزل بدہ در مرتبہ اوٹے بہ معقول
دش روشن و انوار الہی پیش گنج اسرار الہی
و ان غائب لیکن مرفوش ماند مزار سبز ہزاراں زوفاں ماند
ہمہ عمرش بزمہ دانتا رفت عطا گوید بہ عشق مصطفیٰ رفت

- آپ کی اولاد میں سے اس وقت دو صاحبزادے صاحب علم و فضل تشریف فرما ہیں،
- ۱۔ فقیر جلیل مولانا محمد عبدالحق مدظلہ العالی ہستم دارالعلوم امدادیہ مظفریہ (بنڈیال)
 - ۲۔ مولانا محمد فضل حق مدظلہ العالی ناظم مدرسہ مذکورہ۔

دارالعلوم امدادیہ مظفریہ (بنڈیال) دورِ حاضر میں علوم دینیہ کی وہ عظیم یونیورسٹی ہے جہاں پاکستان بھر کے مصلحتی بورشائق طلباء کہنے چلے آ رہے ہیں اور شب و روز علوم دینیہ کی تحصیل میں محو ہیں۔ مجھے حضرت مفتی اسلام مولانا شہ محمد عارف اللہ مدظلہ العالی کا وہ فرمان آج تک نہیں بھولا جو میں نے دورانِ تعلیم وال بھپراں میں سنا تھا۔ انہوں نے فرمایا تھا :

” بنڈیال میں علم پڑھایا نہیں جاتا، چلایا جاتا ہے !“

مولائے کریم حضرت استاذ العالی بنڈیالوی کے فیوض و بکات کو تائید جاری رکھے : آمین !

رَسِیدِ مُتَّقِیْنَ مولانا سید محمد سلیمان اشرف بہارِ قدس سرہ

دنیا سے علم و فضل کے سہ مدار، میدانِ تحقیق و تدقیق کے شمسوار مولانا سید محمد سلیمان اشرف بہاری ابن مولانا حکیم سید محمد عبداللہ قدس سرہ تقریباً ۱۸۷۸/۱۲۹۵ء میں مولانا سید محمد بہار (مفت) پٹنہ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی کتب پڑھنے کے بعد مدرسہ خلیفہ جوہوریہ میں استاذ اعلیٰ مولانا علامہ محمد ہدایت اللہ رام پوری ثم جوہوری سے علوم کی تحصیل و تکمیل کی۔ ان کے علاوہ استاذ اہل سنت مولانا یار محمد بنیدیا لوی قدس سرہ سے بھی استفادہ کیا۔

طریقت کے اعتبار سے آپ حشمتی نظامی فخری سلیمانی تھے (آپ کے مرشد کا نام معلوم نہیں جو سکا، موجودہ صمدی کے محبہ و اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی آپ کو اجازت و خلافت حاصل تھی۔

۱۹۰۲/۱۳۱۹-۲۰ء میں علی گڑھ یونیورسٹی کے شعبہ اسلامک اسٹڈیز کے چیرمین مقرر ہوئے آپ کے تقریر کی تفصیل جناب حافظ غلام غوث (نیر مولانا ہدایت اللہ خاں جوہوری) نے ایک مضمون میں بیان کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ایم۔ اے۔ او کالج علی گڑھ میں دینیات کے پیکار کی ضرورت تھی۔ مولانا کو اطلاع دی گئی اور انھوں نے ”مبعوضہ“ پر مقالہ لکھنے کی فرمائش کی گئی اور ساتھ ہی کہا گیا کہ کتابوں کی ضرورت ہو تو مجیب گنج تشریف لے جائیں۔ مولانا نے فرمایا: بعد اللہ مجھے کتابوں کی ضرورت نہیں ہے، صرف کاغذ اور قلم و دوات مہیا کر دیا جائے چنانچہ نماز عشاء کے بعد سے صبح کی نماز تک ایک ہی مجلس میں بائیس فی ایک سو صفحہ پر مدلل مضمون قلمبند کر دیا جسے بہت پسند کیا گیا پھر نماز جمعہ کے بعد ”توحید“ پر خطاب کرنے کے لئے کہا گیا تو آپ نے تین گھنٹے تک اس موضوع پر تقریر فرمائی جسے شکر پرستاران وعدت جہوم گئے۔ اس تقریر میں دینیات کی کمی کے

سے علامہ احمد قادری، مولانا سید کریم اللہ، اہل سنت، ص ۱۰۰

سکے حیات استاذ اعلیٰ مولانا سید کریم اللہ، ص ۲۹

تھام اراکین، نواب وقارالحک ششاق حسین اور مولانا حبیب الرحمن شروائی موجود تھے، اسی دن پچاس روپیہ مشاہرہ پر آپ کا تقرر کر دیا گیا۔ آپ نے تاحیات بڑے جاہ و جلال کے ساتھ فرائض منصبی کو ادا کیا۔

قدربت ایڑی نے آپ کو حیرت انگیز صلاحیتوں سے نوازا تھا۔ خطابت میں بلا کا نور تھا جس وقت آپ گفتگو فرماتے تو دریا کی روانی کا نقشہ سامنے آجاتا تھا۔ پروفیسر رشید احمد صدیقی صدر شعبہ اردو مسلم یونیورسٹی بلیک رومد کہتے ہیں،

”جو پوری میں سیرت رسول کا جلسہ تھا، مرحوم مولانا محمد سلیمان اشرف کی تقریر پڑھی تھی، جلسہ کیا ایک جم غفیر تھا، مرحوم اپنے مخصوص والہانہ مجلس و وارفتگی کے ساتھ تقریر کر رہے تھے۔ حاضرین کی خاموشی کا عالم تھا کہ سارا مجمع ایک ہی تنفس تھا اتنے میں دور سے ایک بوزعہ پستہ قد بمضی شخص جھکا ہوا، انہو کو چیرتا ہوا بڑھتا نظر آیا جس شخص کے پاس سے گزرتا ہے وہ خوف و عقیدت سے سمٹ کر تعظیم دیتا ہے۔ دیکھتے دیکھتے پلیٹ فارم پر پہنچ گیا، مرحوم کو سینیٹ سے لگا کر پیشانی کا بوسہ دیا اور واپس چلا گیا۔ یہ مولانا ہدایت اللہ خاں صاحب جبروت جو پوری مرحوم کے استاد اور جو پوری میں انس وقت علم و ہنر کے چشم و چراغ تھے“۔

جرات اور بے باکی مولانا کی طبیعت میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ اپنی رائے کا انہما بے دھڑک کر دیتے تھے، کسی کے علم و فضل یا وجاہت و اقتدار سے مرعوب ہونا تو آپ نے سیکھا ہی نہ تھا۔ خود داری کا یہ عالم تھا کہ یونیورسٹی کے کسی ایسے اہل کس میں ٹکرانے ہوتے جس میں کسی بڑے آدمی کو مدعو کیا گیا ہوتا، اور نہ ہی کسی کے گھر جاتے جب تک اس سے دوستانہ مراسم نہ ہوتے۔

ڈاکٹر غوث، حافظ، مولانا سلیمان اشرف اور مولانا حبیب الرحمن شروائی کے تعلقات اس طرح تھے کہ ان پر فی جون ۱۹۶۲ء میں

ڈاکٹر رشید احمد صدیقی، پروفیسر گلشن گلزادہ، آئینہ ادب دہلی ص ۳۱۲

میں گاندھی کے فیصلے کو حرف آخر سمجھنے لگے بلکہ اس کی اقتدار میں دین و مذہب سے بھی جاننا
برتنے لگے، نتیجہ نکلا کہ مسلمان عوام اپنے دینی شعار کو ترک کر کے ہنود کی خلافات کو اپنانے
لگے، اس دور کا نقشہ مولانا سید محمد سیوان اشرف نے کس در و کرب سے کھینچا ہے، ذیل کی عبارت
میں ملاحظہ فرمائیے :

”گائے کی قربانی مسلمانوں سے چھڑائی جاتی ہے، موقدین کی پیشانیوں پر
قشعہ جو شعارِ شرک ہے، کھینچا جاتا ہے۔ مساجد ہنود کی تفریح گاہیں، مندر
مسلمانوں کا ایک مقدس معبد ہے، ہولی شعابہ اسلام ہے جس میں رنگ پاشی
اور وہ بھی خاص اہل ہنود کے ہاتھوں جبکہ وہ نشہ شراب میں بدست ہوں جب
دککش عبادت ہے، بتوں پر دیڑھیاں چڑھانا، ہار پھولوں سے انہیں
آراستہ کرنا، پھولوں کا تاج اصنام کے سروں پر رکھنا خاص توحید ہے۔
یہ سارے مسائل ان صورتوں میں اس نئے دھڑلے کے کہ ہنودوں کی دلنوازی
اور استرضاء سے زیادہ اہم نہ توحید ہے نہ رسالت، نہ معاد، نہ عود نہ نشہ نہ
نمود نہ نشہ نہ

اس وقت امت مسلمہ کو ایسے دامن کی ضرورت تھی جو ہنود کی شاہزادہ چالوں کے تار و پود کو بیکار
لا جاوے، واضح کرتا اور مسلمانوں کو ہنود و ازم میں مدغم ہونے سے بچاتا۔ اس نازک دور میں علمائے
اہل سنت نے علمِ توحید سے بے نیاز ہو کر حق گوئی کا فریضہ کا حقہ ادا کیا اور ملی الاعلان کہا :
”بہت پرست اور بہت شکن کا اتھک و نہیں ہو سکتا“

یہی وہ دو قوی نظریے کا نعرہ تھا جو پہلے پہل علمائے اہل سنت کی طرف سے بلند ہوا اور اسی نظریے
کی بناء پر پاکستان معرض وجود میں آیا۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری بریلوی کی بلند پایہ تصنیف
”الہدایۃ المؤمنین“ اور مولانا سید محمد سیوان اشرف کی تصنیف لطیف النور کا مطالعہ کیجئے، یہ
حقیقت ہے نقاب ہو کر سامنے آ جائے گی۔

مولانا سید محمد سیوان اشرف، مشرکین ہنود سے کس قدر متفرق تھے اس کا اندازہ ذیل کے

واقعہ سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔ جناب ڈاکٹر عبدالاحد علی بیان کرتے ہیں کہ،
 ”ایک مرتبہ علی گڑھ یونیورسٹی کی مسجد میں بعض لوگوں نے گاندھی کو تقریر کے لئے بلایا
 تو سید صاحب (مولانا محمد لیان شرف) نے بعد میں خود اپنے ہاتھ سے ساری مسجد کو
 دھوکے صاف کیا۔“ ۱

مشترکین سے یہ نفرت و بیزاری محض دینی جذبے اور خوفِ خدا کے تحت تھی چنانچہ ایک مرتبہ فرمایا :-
 ”دیکھو! علماء کس طرح لیڈروں کا کھلوامے ہوئے ہیں! ریڈیروں نے مذہبی امور
 اور فقی مسائل کو کلیسا گھونڈنا بنا رکھا ہے! — میں جھگڑا مول لینا نہیں چاہتا اور نہ
 یہ چاہتا ہوں کہ کالج اس قسم کے مشاقشوں کا مرکز بنے لیکن کیا کروں خدا کو تو بعد میں منہ دکھانے
 کا موقع ملے گا، اس دنیا کے پڑے کئے لوگ کیا کہیں گے۔“ ۲

مولانا کے نزدیک دین کی حفاظت سب سے اہم تھی، سلطنت کے حصول کی خاطر ہندو سے
 اتحاد نہ کر دین کے پس پشت ڈالنے کو بدترین گمراہی قرار دیتے تھے چنانچہ فرمایا کرتے تھے،
 ”سلطنت ہے اس سلطنت پر جو دین بچ کر حاصل کی جائے۔“ ۳

۱۰ وجہ مطابق تاریخ ۳۹۱/۱۲۴۱ھ میں جمعیت العلماء ہند کا اجلاس بریلی میں ہونے لگا
 پایا، پروپگنڈے کے طور پر دو شمار سامنے آئے جن سے معلوم ہوتا تھا کہ راکین جمعیت اس اُن بان
 سے بریلی آئیں گے کہ ان کی گھن گرج سے مخالفین و محل جاتیں گے اور کسی کو مجالِ دمِ ندون نہ ہوگی ایک
 اُستاد کا عنوان تھا ”زندگی مستعار کی چند باتیں“ اس میں اجلاس کے تصدیق کرتے ہوئے لکھا گیا تھا،
 ”مخالفین ترکِ مولات اور مولاتِ فساد کے علی حاسموں پر اتمامِ حجت کیا جائے گا۔“

دوسرا اُستاد کا عنوان ”آفتابِ صداقت کا طلوع“ شائع ہوا اس میں مخالفین پر پڑے دھوکے
 محلے کئے گئے تھے۔ ذرا اس اُستاد کے غیر منصفانہ تیور ملاحظہ ہوئی۔ اس میں لکھا تھا:

”مشترکین و مخالفین پر اتمامِ حجت، مسکلی ماحول کا انتظامی فیصلہ، مذاکرانِ پینچا نے
 کئے بریلی میں جمعیت العلماء کا اجلاس ہونے والا ہے، ہسپانی کا ہر جوگئی اور جھوٹ

۱۔ ڈاکٹر عبدالاحد علی، ”مقالاتِ یومِ رضا“ ص ۱۰۷، مہر و پریس، ۱۹۷۱ء۔ ص ۱۰

۲۔ رشید احمد صدیقی، ”پروفیسر، گھنڈے گرائیہ“، ص ۳۰

۳۔ فقیم الدین مراد آبادی، مولانا سید: حیاتِ صدرالفاضل، ص ۱۶

سہاگ نکلا " خداوند جبار و قہار کا یہ فرمان پورا ہو کر رہے گا "۔
 ۱۰ رجب ۱۳۳۹ھ (۱۹۲۱ء) کو صدر شعبہ علم و جماعت رضائے مصطفیٰ بریلی صدارت
 مولانا محمد امجد علی نے ستر سوالات پر مشتمل اعلان منظرہ بنام "اتحاد امت" شائع کر کے جمعیۃ العلماء کے
 ناظم کو بھیج دیا لیکن بار بار تقاضوں کے باوجود علماء دین جمعیۃ منظرہ کے لئے تیار نہ ہوئے اور بلند
 بانگ دعاوی کرمات نظر انداز کر گئے۔

۱۳ رجب کو مولانا سیلیان اشرف بھی تشریف لے آئے۔ انہوں نے انفرادی طور پر بھی منظرہ
 کی دعوت دی، اس کا جواب مولانا ابوالکلام آزاد نے دیا لیکن مختلف فیہ مسائل پر گفتگو کرنے کی بجائے
 غیر متعلقہ مسائل کا تذکرہ چھیڑ دیا اور کسی طرح زامی مسائل پر گفتگو کرنے کے لئے تیار نہ ہوئے۔ آخر
 ۱۴ رجب کو شام کے بعد مولانا سیلیان اشرف، حمزہ الاسلامیہ مولانا حامد رضا بریلوی، صدر اشرفیہ مولانا
 امجد علی صمد جماعت رضائے مصطفیٰ، صدر الاناضل مولانا سید عظیم الدین مراد آبادی، ملک العلماء مولانا
 ظفر الدین بہاری، مولانا محمد حسین رضائے مصطفیٰ اور مولانا برہان الحق وغیرہم حضرات
 شان و شوکت کے ساتھ جمعیۃ العلماء کے ہنڈال میں تشریف لے گئے۔ صدر مجلس مولانا ابوالکلام آزاد
 نے جماعت رضائے مصطفیٰ کے مناظرین کو خطاب کا وقت نہ دیا اور انہوں نے اس طرح ستر سوالات
 کے جواب سے پہلو ہٹ کر چاہتے تھے البتہ مولانا سیلیان اشرف کو ۳۵ منٹ کا وقت دیا۔ اس کی
 بڑی وجہ یہ تھی کہ ان کے نام ابھاس بریلی میں شرکت کا دعوت نامہ چاچکا تھا۔

مولانا سیلیان اشرف نے خطاب فرمایا اور علماء اہل سنت کا موقف بڑی خوبی سے واضح کیا۔
 اس تقریر کو پڑھ کر مولانا کی حق گوئی، صلاحیت، رائے اور حیا جاننے والی شخصیت کا گہرا احساس دل پر
 نقش ہو جاتا ہے۔ یہ تقریر روداد منظرہ میں جماعت رضائے مصطفیٰ بریلی کی طرف سے شائع ہو چکی
 ہے۔ اس تقریر کے کچھ اقتباسات ذیل میں پیش کئے جاتے ہیں: مولانا نے مابہ لائق اور مبالغہ آلود
 بیان کرتے ہوئے فرمایا:

لے اور کہیں جماعت رضائے مصطفیٰ بریلی : دوام الخیر (مطبوعہ بریلی) ص ۴۴

روداد منظرہ، ص ۴۰۲

لے ایضاً :

۱۰ مسدودیت و تحفظ وصیات اماکن مقدسہ اور ترک مولات، یہ وہ مسائل ہیں جنہیں صرف فقیر یکہ تمام علمائے کرام، نہیں بلکہ تمام عامہ مسلمین ہمیشہ متفق ہوسکتے ہیں، ترکوں کی مخالفت یعنی قوتِ دفاعی ایک امر مسلم ہے، خدمتِ حرمین شریفین ہر مسلمان پر فرض کفایہ ہے نیز حفاظتِ حرمین شریفین بھی ہر مسلمان پر فرض کفایہ ہے۔ سلطنتِ ترکی ہماری دینی بھائی، اس پر اسلامی سلطنت، اس پر اسلام کی قوتِ دفاعی، پھر حرمین شریفین کی قدام و محافظہ، پس ان کی اعانت اور نصرت و صرف مسلمان ہند بلکہ تمام مسلمان عالم پر بقدر استطاعت فرض ہے۔ یہ وہ مسائل شرعیہ ہیں جنہیں دین صرف اس وقت بیان کر رہا ہوں بلکہ آج سے دس برس پیشتر فقیر نے کہا، مکہ، چچا پٹا، ملک میں شائع کیا۔

میلادِ نذر دیگر علمائے اہل سنت و جماعت کا آپ سے اختلاف اس مسئلہ میں ہرگز نہیں، ہاں اختلاف اس میں ہے کہ آپ ہندؤں سے مولات برتتے ہیں اور مسلمانوں کو حرام و کفایات کا مرتکب بناتے ہیں۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ مولات ہر نصرانی و یہودی سے ہر حال میں حرام ہے اور قطعی حرام !، یا ایہا الذین امنوا لاتخذوا الیہود والنصارى الذین لعنوا فی اور یہودی خواہ فریقِ محارب ہو یا غیر محارب مطلقاً مولات ان سے حرام اور مطلقاً حرام، ہر کافر سے مولات حرام خواہ محارب ہو یا غیر محارب، لا یتخذ المؤمنون الکافرین اولیاء۔

آپ حضرات انگریزوں سے تو مولات حرام بتاتے ہیں اور کافروں (ابنعدوں) سے مولات نہ صرف جائز بلکہ عین حکمِ الہی کی تعمیل بتاتے ہیں۔ آپ نے قشقہ لگایا، گاندھی کی بے ایک ذوبار نہیں بلکہ میسوں جگہ میسوں بار پکاری کہ ماتا گاندھی کی ہے، جس طرح علیل علامتِ تثلیث ہے کیا قشقہ علامتِ شرک نہیں؟ کیا آپ کی غیرت تقنا کرتی ہے کہ شرک کی علامت قشقہ اپنی پیشانیوں پر لگائیے؟

آپ ہمارے سامنے سرنا وغیرہ کے مظالم بیان کر کے ہمارے جذبات
 بھارت میں مگر کیا ہندوؤں نے آرمہ ، سٹہ آباد ، کنر پور وغیرہ میں
 قربانی نہ کرنے کے لئے ایسے ہی مظالم نہیں کئے ؟ قرآن مجید نہیں بھارت سے ؟
 عورتوں کی بے حرمتی نہیں کی ؟ مسلمانوں کی جانیں نہیں لیں ؟ مسجونوں میں
 بے ادبیاں نہیں لیں ؟ آج آپ سبز گنبد کی بے ادبی ہونے سے غیرت
 دلاتے ہیں مگر کیا آپ کے لئے یہ غیرت کی بات نہیں تھی جبکہ یہ کہہ کر دربار نبوت
 رسالت کی اہانت کی گئی کہ :

”اگر نبوت ختم نہ ہو گئی ہوتی تو مہانت گاندھی جی ہوتے“

آپ نے اس پر کیوں مدانکار کیا ؟ کیوں خاموش رہے ؟
 فرض مقامات مقدسہ و خلافتِ اسلامیہ کے مسائل میں ہمیں اختلاف
 نہیں ، ہندوستان کے مفاد کی کوشش کیجئے ، اس سے ہمیں خلاف نہیں
 خلاف ان حرکات سے ہے جو آپ لوگ منافی و مخالف دین کر رہے ہیں
 ان حرکات کو دور کر دیجئے ، ان سے باز آئیے ، ان کی روک تھام کیجئے ، علوم
 کو ان سے باز رکھیے ، تو خلافتِ اسلامیہ و ممالکِ مقدسہ کی مخالفت ، ہندوستان
 کے ملی مفاد کی کوششیں ، ہم بھی آپ کے ساتھ مل کر کر کے کو تیار ہیں ۔ لے
 اس کے بعد ابوالکلام آزاد نے چند باتیں بطور مصفاہی کہیں جن کا خلاصہ

درج ذیل ہے :

”میں کس نے قشتے کی اعزازت دی ؟ کس نے مساتما گاندھی کی جے پکار
 کو کہا ؟ بلکہ میں غور تو مساتما کے یہ معنی تک نہیں جانتا کہ وہ کوئی تعظیم کا لفظ
 ہے ۔ میں کس نے ذمہ دار نہ کیا کہ اگر نبوت ختم نہ ہو گئی ہوتی تو مساتما
 گاندھی جی ہوتے ؟ یہ کفر کا کلمہ کون مسلمان کہہ سکتا ہے ؟ اور جے قشتہ وغیرہ

حرکات مخالفت دین پر ہم سخت نفوذ کرتے ہیں۔ نفس مولات تمام کفار سے خواہ وہ حربی ہوں یا غیر حربی، یقیناً حرام اور ممنوع ہے اور ہم کب اسے جائز بتاتے ہیں۔ کوئی غیر مسلم کسی مسلم کا ہرگز پیشوا رہنا نہیں ہو سکتا مسلمانوں کی پیشوائی و رہنمائی ایک ذات حضور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہے اور ان کی نیابت سے علماء کے لئے ہے۔ میں صاف کہتا ہوں کہ ہمارے ہندو بھائی بایس کر در ہیں اگر وہ بایس کر دو گاندھی ہوں اور مسلمان ان کو اپنا پیشوا بنائیں اور ان کے بھروسہ پر رہیں تو وہ بُت پرست ہیں اور گاندھی ان کا بت ! ۹۱

مولانا آزاد نے اپنی تقریر میں مسند قربانی کے بارے میں کچھ نہ کہا، اس تقریر کے جواب میں مولانا سیلیان اشرف نے کہا :

”ابوالکلام صاحب کہتے ہیں کہ آیات میں تحریر ہے کہ ہندو سے مولات کس ذمہ دار شخص نے جائز بتائی؟ کیا حکیم اجل خان صاحب نے دائرہ شخص نہیں؟ پھر ان کا مطبوعہ خطبہ دیکھئے جس کی ہزاروں کاپیاں شائع ہوئیں۔ آپ کہتے ہیں کہ شقہ وغیرہ حرکات کی ہم نے کب اجازت دی مگر آپ نے عوام کے سامنے ہندو سے اتحاد کو کیوں اس طرح مفصل و شرح کر کے نہیں پیش کیا کہ ان امور میں اتحاد کر دو اور ان امور میں الگ رہو، آپ نے ان کے سامنے مجمل صورت میں اتحاد پیش کیا جس سے وہ ان حرکات میں مبتلا ہوئے پھر آپ ان حرکات کی ذمہ داری کیسے الگ ہو سکتے ہیں۔ خود آپ کے شہر بریلی میں گاندھی کو سپاس پیش کیا گیا جس میں گاندھی کی نسبت کہا گیا :

علا خا موشی از شائے تو مد شائے تست

کیا آپ حضرات نے اس پر کچھ انکار کیا؟ کیا آپ کا یہ سکوت آپ پر لازم نہیں آتا؟

مولانا ابوالکلام آزاد ان الزامات پر غامخوش رہے، پھر مولانا سیلیمان اشرف نے مولانا عبدالعزیز دہلوی کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا :

”کسویار تمہاری بھی کمندیں، تم نے گاندھی کو کہا کہ خدا نے ان کو مژدہ گزینہ کر بھیجا ہے، یہ کفر ہے“ لے

اس پر مولانا دہلوی غامخوش رہے، تقریر ختم ہونے پر مولانا حامد رضا بریلوی نے فرمایا :
 ”ہمیں خلافت آپ حضرت کی ان خلاف شرع و خلاف اسلام حرکات سے ہے جن میں سے کچھ مولوی سیلیمان اشرف صاحب نے بیان کیں اور جن کے متعلق جماعت (رفضائے معصطی) کے ستر سوال بنام ”اتحاد جماعت تاملہ“ آپ کہہ چکے ہوئے ہیں ان کے جواب دیجئے۔ جب تک آپ ان تمام حرکات سے اپنا رجوع نہ شائع کر دیں گے اور ان سے عہدہ برآ نہ ہوں گے ہم آپ سے علیحدہ ہیں اور اس کے بعد قدمت و مخالفت حرمین شریفین و مقامات مقدسہ و محالک اسلام میں ہم آپ کے ساتھ مل کر جواز کو شش کرنے کو تیار ہیں“ لے

یہ سب غلامہ گفتگو جس میں علمائے اہل سنت کو نمایاں کامیابی ہوئی۔ صدرالافتاح مولانا محمد نعیم الدین مراد آبادی نے اعلیٰ حضرت امام الحسنیہ بریلوی کے نام ایک مکتوب میں اپنے تاثرات کا اظہار کرتے ہوئے کہا :

”رواگی کے وقت بریلی کے آئین پر ایک تاجر صاحب نے مجھ سے کہا کہ ابوالکلام جس وقت بریلی سے جا رہے تھے میں ان کے ساتھ تھا، وہ یہ کہتے جاتے تھے کہ ان کے جس قدر اعتراض ہیں حقیقت میں سب درست ہیں ایسی غلطیاں کیوں کی جاتی ہیں جن کا جواب نہ ہو سکے اور ان کو اس طرح گرفت کا موقع ملے؟ میں اپنی اس مسرت کا اظہار نہیں کر سکتا جو مجھ اس فتح سے حاصل ہوئی میرا“

مولوی سلیمان اشرف صاحب کے ہاتھ رہا، حضرت کے غلاموں کی جست قابلِ تعریف ہے ۹

مولانا سلیمان اشرف نے متعدد کتابیں تحریر فرمائیں جن میں بیان و برہان کا زور پوری طرح جلوہ گر ہے۔ آپ نے جب انور اور الرشاد ایسی کتابیں لکھ کر ہندو نواز لائبریری لکھنؤ کا شرفِ نقطہ نگاہ سے محاسب کیا تو ان لغتوں کا طوفان کھڑا ہو گیا۔ تحریر و تقریر کے ذریعے آپ کے خلاف پروپیگنڈا کیا گیا لیکن آپ کو وہ قاتر بنے رہے اور وطنِ کوشنیں کی پرواہ کئے بغیر علماء کھڑا لائحہ کا فریضہ ادا کرتے رہے۔ اس وقت علوم و عوام بعض خواص بھی اس معاملے میں واقع ہو گئے کہ عام طور پر لکھنؤ اور جمیہ العلماء ہند کے لیڈر جو کچھ کہہ رہے ہیں وہی سو فیصد درست ہے۔ جوں جوں وقت گزرتا گیا یہ احساسِ یقین کی حد کو پہنچنے لگا کہ اس افواغی کے دور میں علماء اہل سنت نے جو کچھ کہا تھا وہی حقیقت تھا، پروفیسر رشید احمد صدیقی لکھتے ہیں :

”سیلاب گزر گیا، جو کچھ ہونے والا تھا وہ بھی ہوا لیکن مرحوم مولانا سلیمان اشرف نے اس عہدِ سراپائی میں جو کچھ لکھ دیا تھا بعد میں معلوم ہوا کہ حقیقت وہی تھی۔ اس کا ایک ایک حرف صحیح تھا، آج تک اس کی سچائی اپنی جگہ پر قائم ہے۔ سارے علماء سیلاب کی زد میں آچکے تھے، صرف مرحوم اپنی جگہ پر قائم تھے ۱۰

فارسی شعروادب کی تاریخ پر الاشارہ لکھی عربی، فارسی اور اردو کے محقق اور ادیب مولانا ابوالخیر محمد شرفانی نے اسے شہل کی شعراجم سے بہتر قرار دیا۔ ج کے موصوعہ پر الج تالیف کی جسے مولانا شرفانی نے ج کے موصوعہ پر سب سے بہتر قرار دیا۔ عربی زبان کی برتری اور فوقیت پر نہایت دقیق کتاب البین لکھی جس کا بی علم نے بے حد سراہا۔ مشہور مستشرق مسٹر ہاؤن نے اسے دیکھ کر کہا :
”مولانا نے اس عظیم موصوعہ پر اردو میں یہ کتاب لکھ کر تم کی، عربی یا انگریزی میں ہوتی تو کتاب کا وزن اور وقار بڑھ جاتا ۱۱

۹ ایضاً ص ۱۹-۲۰

۱۰ کشیدہ احمد صدیقی، پروفیسر، گنبدائے گرانمایہ، ص ۳۱

۱۱ محمد احمد قادری، مولانا : تذکرہ علمائے اہل سنت، ص ۱۰۰

مولانا نے البین کا ایک سوز و گمراہ اقبال کو بھی بھرایا تھا۔ افسانہ کچھ دن بعد اقبال علی گڑھ گئے تو دورانِ ملاقات اس کتاب کی بڑی تعریف کی اور کہنا :

”مولانا آپ نے عربی زبان کے بعض ایسے پہلوؤں پر بھی روشنی ڈالی ہے جن کی طرف پہلے کبھی میرا ذہن مشتعل نہیں ہوا تھا“۔

مولانا کا اہل سنت پر یہ احسان بھی کچھ کم نہیں ہے کہ آپ نے مجاہدِ جلیل مولانا ملام محمد فضل حق خیر آبادی کی لاجواب تصنیف ”انتاع الفیض“ پہلی دفعہ شائع کر کے اسے ملی دنیا میں متعارف کرایا ہے۔

مولانا سلیمان اشرف نصف صدی سے زیادہ عرصہ تک مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں فرائض تدریس انجام دیتے رہے۔ آپ سے ہزار ہا افراد نے استفادہ کیا، چند مشائخِ بزرگہ کے نام یہ ہیں :-

- ۱۔ مفتی احمد مولانا ڈاکٹر فضل الرحمن انصاری، بانی امر الاسلامی، کراچی
- ۲۔ پروفیسر رشید احمد صدیقی، گجرات گرانمایہ، علی گڑھ
- ۳۔ ڈاکٹر عابد احمد علی، مستم بیت القرآن، پنجاب پبلک لائبریری، لاہور (۲۵ اپریل ۱۹۷۷ء)
- ۴۔ ڈاکٹر بہان احمد فاروقی، لاہور

۵۔ ربیع الاول، ۲۵ اپریل (۱۳۵۸ھ/۱۹۳۹ء) میں مولانا سید محمد سلیمان اشرف قدس سرہ کا وصال ہوا اور علی گڑھ کے قبرستان میں دفن کئے گئے۔

۱۔ رشید احمد صدیقی، پروفیسر : گجرات گرانمایہ، ص ۱۴

۲۔ مفتی تقی عثمانی، نقادری، مولانا : اکل تاریخ حیدرآباد، ص ۹۰

۳۔ عبد القدوس دہلوی، تقویم تاریخی، ص ۳۴۰

نوٹ :- تذکرہ علما نے اہل سنت میں لکھا ہے کہ رمضان المبارک ۱۳۵۲ھ میں آپ کا وصال ہوا مگر یہ صحیح ہے۔

مقدمہ اور اس کے متعلقات

ڈاکٹر ابراہیم عباس رضوی جب "سوختہ دہلی" تالیف کر رہے تھے تو اس کی ترتیب کے سلسلے میں سرکاری موافقی ہٹا کر رہے تھے۔ اسی ضمن میں علامہ فضل حق خیر آبادی کے مقدمہ کی مسئلہ بھی میرا لگئی۔ موصوف سے میرے درمیان تعلقات ہیں۔ وہ غالباً ۱۹۴۲ء میں کدو خانہ حبیب گنج میں اپنے موضوع کی تحقیق کے سلسلے میں پہنچے تھے اور میں وہاں کام کو تاکھا۔ اس کے بعد ۱۹۴۵ء میں لندن لائبریری مسلم یونیورسٹی میں بحیثیت اورینٹل اسٹڈی میٹا فکچر ہو گیا۔ کچھ دن کے بعد رضوی صاحب بھی شعبہ تاریخ میں یکپور ہو کر آگئے۔ پھر تو مسلسل ملاقاتیں ہونے لگیں۔ کچھ عرصہ کے بعد وہ یونیورسٹی میں سرکاری اچھے عہدے پر چلے گئے۔ اسی دور میں سوختہ دہلی کی تالیف کی۔ اب اس کتاب کی یونیورسٹی میں پروفیسر ہیں، اور وہ اس کے باشندے ہو گئے ہیں۔ مگر تقریباً ہر سال علی گڑھ آتے ہیں۔

میری استدعا پر موصوف نے اس مسئلہ کی دو کاپیاں ٹائپ کر کے مجھے دیں۔ پھر میری استدعا پر اس کا اردو ترجمہ بھی کر کے دیا۔

اس مسئلہ میں سے کچھ کاغذات سرکاری طور پر نکال لئے گئے ہیں۔

علامہ کوہسور جوری ۱۹۵۸ء کو گرفتار کیا گیا، اور لیکن میں مقدمہ چلا باگیا۔ گرفتاری سے تین ہفتے کے اندر کیپٹن ایف۔ اے۔ وی بھمبرن کی عدالت میں ۲۱ فروری ۱۹۵۹ء کو مقدمہ شروع ہوا۔ استغاثہ اور صفائی کے پانچ پانچ گواہوں کے بیانات کے بعد ۲۸ فروری ۱۹۵۹ء کو لیکن بھمبرن نے فرد جرم مرتب کر کے مقدمہ جوڈیشل کمشنر اور دھ کی عدالت میں منتقل کر دیا جوڈیشل کمشنر شہزاد حاکم بھمبرن اور بھمبرن باوجود قائم مقام کمشنر خیر آباد ویزن کی شہزادہ کی عدالت سے ۴ مارچ ۱۹۵۹ء کو قتل پر ایگٹ اور بغاوت کے الزام میں بطور شاہی قیدی جین جیات جس بے جود دریلے شور اور تمام جائداد کی ضبطی کی سزا سنائی گئی۔

مقدمہ فوجداری نمبر ۲ (۷۱) ۱۹۵۵ء فیروز آباد ڈویژن۔

سویکار۔ بنام فضل حق۔

الزام۔ بناوت۔

سزا۔ عرقید (موت ۲-۸-۶۱) ضلعی کل جائداد۔

۱۔ سٹر قحاسن کانیم سرکاری خط مورخہ ۹ فروری۔

۲۔ کیپٹن تھورن کے ریکارڈ کی شہادت۔

۳۔ مقدمہ فوجداری کیپٹن تھورن کی عدالت میں چلا۔

۴۔ چارج شیٹ۔

۵۔ کلینڈ۔

۶۔ اخبار کا ترجمہ۔ مورخہ ۱۶ جون ۱۹۵۵ء

۷۔

۸۔ خط از طرف کشنر متلع اسٹیٹ نمبر ۷ (۷۱) مورخہ ۲ مارچ۔

۹۔ فارسی کے اخبار کے اقتباسات۔

۱۰۔ نقل خط از طرف کشنر سی ایس ایس نمبر ۲ مورخہ ۲ مارچ ۱۹۵۵ء بنام کشنر ڈبی۔

۱۱۔ کشنر ڈبی کا خط نمبر ۱۱۱۳۵ (۷۱) مورخہ ۲۶ فروری ۱۹۵۵ء (جس کے ساتھ ایک نوٹ

بزبان فارسی نوٹ ہے فضل حق جس پر ہی لکھا ہے منسلک ہے)

۱۲۔

۱۳۔ اور مختلف لوگوں کے DEPOSITION بزبان فارسی۔

۱۴۔ جوڈیشل کشنر کے شہادتی نوٹ۔

۱۵۔ چارج شیٹ۔

۱۶۔ دیکس بمو ڈاکٹ نمبر ۳۲۲ مورخہ ۲ مارچ ۱۹۵۵ء بنام ایس۔

۱۷۔ وارنٹ نمبر ۱۴۔

- ۱۸۔ مولوی فضل حق کی جانب سے عرضداشت (Memorandum) بزبان فارسی۔
- ۱۹۔ خط از طرف کثیر خیر آباد نمبر ۱۵۳ مورخہ ۳۰ جولائی۔
- ۲۰۔ خط بنام مولوی جعفر کثیر نمبر ۲۸۰ مورخہ ۳ اگست ۱۸۵۷ء
- ۲۱۔ خط از طرف مولوی جعفر کثیر نمبر ۱۹۰۵ مورخہ ۱۲ اگست ۱۸۵۷ء
- ۲۲۔ نقل ایک C. ایجنٹ کے رد بکار ایٹ راجپوتانہ کی مورخہ ۱۰ جولائی ۱۸۵۷ء۔
- ۲۳۔ مشرولیم کامبر۔
- ۲۴۔ خط بنام ریکٹ گورنمنٹ جنرل راجپوتانہ نمبر ۵۱ مورخہ ۱۶ از طرف پرنسپل ڈپارٹمنٹ (۲۵ اور ۲۶)
- ۲۵۔ ARYDAK (گم ہے مکن ہے الگ کر دیا گیا ہونمبر A مورخہ ۲۴ جولائی ۱۸۵۷ء) سب سوائے نمبر ۲-۴-۱۳-۱۵-۱۶-۱۹-۲۰-۲۱ اور ۲۶ کے الگ کر دیئے گئے۔
- ۲۶۔ وارنٹ۔
- ۲۷۔ فارسی کی سلسلہ پر نشانی لگائی ہوئی۔
- ۲۸۔
- ۲۹۔
- ۳۰۔ ڈسٹرکٹ جج کے کاغذ نمبر ۲۵۸۵ مورخہ ۱۴ دسمبر ۱۸۵۷ء
- ۳۱۔
- ۳۲۔ جوڈیشل کثیر کے کاغذ نمبر آر ۷۱ ۱۸۵۷ء مورخہ ۲۴ دسمبر ۱۸۵۷ء
- ۳۳۔

یہ مقدمہ فوجداری نمبر ۱۶ (۱) آپشن ایف۔ بی۔ وی تقریر کی عدالت میں ۲۱ فروری ۱۸۵۷ء کو لکھنؤ میں شروع ہوا۔ استغاذ کی طرف سے پانچ گواہ پیش ہوئے۔ (۱) عبدالکیم اکسر اسسٹنٹ دریا باد (۲) تاج حسین (۳) فضل حسین (۴) رام دیال (۵) امرتھی حسین۔ ان گواہوں نے اپنے بیانات میں مولانا فضل حق کو زندگی میں موخاں باغی کا شیر اور دھک کی بغاوت میں شریک کار اور عبدالکیم و امرتھی حسین کے قتل کے لئے فتور دینے

کا رنگ ثابت کرنے کی کوشش کی۔

استغاثہ کے گواہوں کے بعد مولانا فضل حق کا بیان ہوا۔

بیان مدعا علیہ

”میں اور کے راجہ کی ملازمت میں تھا۔ میں ان کے ساتھ ۵ سال رہا اور بغاوت کے شروع ہونے پر بھی ان کے ساتھ تھا۔ راجہ جتنے سنگھ کی موت کے ایک ماہ بعد تک میں اور میں رہا۔ اگست ۱۸۵۷ء میں نے اور چھوڑ دیا۔ میں نے دہلی کیسے گورج کی وہاں ۵ دن رہا اور پھر اور لوٹ آیا۔ میں نے اپنا خاندان اور ہی میں رہنے دیا تھا۔ اور ستر ۱۸۵۷ء میں خیر آباد کے لئے چل پڑا۔ میں اپنے گھر رہا تھا۔ اور میں نے کسی کی ملازمت نہیں کی۔ نہ ہی میں باغیوں سے ملا تھا۔ میرے گواہان میرے خیمین محمد حسین اور احمد علی خاں ہیں۔ نجی بخش، قادی بخش، ام علی، آل محمد اور نور خاں میرے رہنے کے شہادت دے سکتے ہیں۔ میں نے خیر آباد اس لئے چھوڑا کیونکہ سب ہی لوگ بیگم کے ساتھ بھاگ گئے تھے۔ میں خیر آباد سے ہٹنے کے بعد کچھ وقفہ کے لئے کھیری۔ ہر گھنٹوں، قنبر، اور سوہرورد میں بھی ٹھہرا تھا۔ میں کچھ دن دور یہ میں بھی رہا۔ ۲۶ دسمبر ۱۸۵۷ء کو میں کرنل کلارک سے سپہا کے مقام پر ملا۔ بس سے پہلے میں بریگیڈ برٹروپ سے مل چکا تھا۔ بریگیڈ برٹروپ ہی نے مجھے کرنل کے پاس بھیجا تھا۔ کرنل کلارک نے ایک دو بکار کھسی اور حکم دیا کہ اسے ڈپٹی کمشنر قلعہ کی تحویل میں دے دیا جائے۔ میں ۳۰ دسمبر کو ڈپٹی کمشنر کے سامنے پہنچا۔ پھر اسے مکان پر رہا۔ ۳۰ جنوری ۱۸۵۸ء کو ڈپٹی کمشنر نے مجھے بلایا اور کھسو بھیج دیا۔ فضل حق ایک دوسرے شخص کا نام ہے۔ اس کے بدلے میں مجھے گرفتار کیا گیا ہے۔ وہ آج کل فیروز شاہ کے ساتھ ہے۔ وہ آٹولہ کا تحصیلدار تھا۔ اور خان بہادر خاں اور بیگم کی ملازمت میں تھا۔ وہ سید ہے اور شاہجہاں پور کا رہنے والا ہے۔“

مولانا کے بیان کے بعد گواہان صفائی قادی بخش، نجی بخش، علی محمد خاں، نور خاں اور احمد علی خاں کے بیانات ہوئے جن میں قیام خیر آباد اور باغیوں سے بے تعلقی پر

زور دیا گیا تھا۔ اور مولانا پر قائم کئے گئے، اذامات کو دوسرے نفل حق شاہیاں چوری سے منتقل بنایا گیا تھا۔

کیپٹن ایف۔ اے۔ وی۔ تھورن نے استغاثہ، ملزم اور گواہان صفائی کے بیانات کے بعد ۲۸ فروری ۱۹۷۷ء کو عبث ذیل فرد جرم مرتب کر کے مقدمہ جوڈیشل کنستبل اور دھوکے دہی کے تحت منتقل کر دیا۔

فرد جرم بغاوت

نکتہ ۱: ملزم نے زندگی میں ماہمی شعلہ میں باغی موخاں کی کونسل میں حصہ لیا۔ اس طرح باغیوں کا فوجی سرور ہوا اور بغاوت پر لوگوں کو آمادہ کرتا رہا۔

نکتہ ۲: زندگی میں ماہمی شعلہ میں جب کہ موخاں کے مشیر کی حیثیت سے کام کیا تو سازش قتل کی جہد الکیم جو سرکاری ملازم تھا اس کے قتل کا شورہ دیا۔

حجت و ضابطہ: ایک سرکاری ملازم جہد الکیم کو شعلہ میں باغیوں نے گرفتار کر کے بیگم اور موخاں کے پاس بھیجا جو ان دونوں قتل و زندگی اور اس کے گرد و فراع میں پڑاؤ ڈالے۔ جہد الکیم کے ساتھ ہی ایک اور شخص مرعفی حسین بھی گرفتار ہوا تھا جو اگرچہ سرکاری ملازم تو نہیں تھا لیکن انگریزوں کا دفادار تھا۔ اس نے باغیوں میں بغاوت کی۔ جب یہ دونوں موخاں کے سامنے پیش ہوئے تو ملزم نے جو دہاں موجود تھا قرآن کی آیتیں پڑھیں۔ اور یہ رائے ظاہر کی کہ یہ دونوں موت کے مستحق ہیں۔ شہادت سے ثابت ہے کہ ملزم کو موخاں پرست اور تھا۔ ملزم اس کا مشیر اور باغی فاع میں گویا سر فرما تھا۔ اس نے اپنے اثر و سوریہ کو جہد الکیم اور مرعفی حسین کے خلاف استعمال کیا۔ گو کہ یہ دونوں قید سے رہائی حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے۔ مگر یہ ممکن نہ تھا۔ اگر موخاں نے ملزم کو مولوی احمد شہزادہ کی جائداد ضبط کرنے کو بھیجا ہوتا۔

لکھنؤ

۲۸-۲-۵۹ء

بعد ازاں لکھنؤ مورخہ ۲۰۱، ۳، مارچ ۱۹۵۹ء

یہ اجلاس ایفٹن جی کیمپل جوڈیشل کمشنر آف اودھ و بھوپور۔ سی۔ ایم۔ آئی۔ فٹنٹلک
کمشنر آف خیر آباد ڈویژن۔

مروئی فضل حق پر سند درجہ ذیل الزامات عائد کئے گئے۔

بغاوت اور قتل کی سازش

نکتہ ۱۔ ۱۹۵۷ء اور ۱۹۵۸ء میں باغی سرکار کی حیثیت میں دہلی، اودھ اور دوسری
جگہوں پر بغاوت اور قتل میں مدد دی۔

نکتہ ۲۔ برہمنی میں ماہ می ۱۹۵۸ء میں باغی سردار متوفاں کے شیر خاں کی حیثیت
سے نمایاں کام انجام دیا۔

نکتہ ۳۔ برہمنی میں ماہ می ۱۹۵۸ء میں ملازم جید حکیم سرکار انگلیہ کے خلاف سازش قتل
کی قیدی نے خود کو مجرم نہیں مانا۔ مقدمہ کی کارروائی ہوئی۔

عدالت نے قیدی کو مندرجہ ذیل وجوہ پر مجرم قرار دیا
۱۔ ۱۹۵۸ء اور ۱۹۵۹ء میں بغاوت کی سازش کی۔ اور ایسے اصولوں کی اشاعت کی
جس سے قتل کے امکانات پیدا ہوئے۔

۲۔ برہمنی میں ۱۹۵۸ء میں باغیوں کی کونسل میں خاص کام انجام دیئے۔ خاص طور پر
باغی سردار متوفاں کے شیر خاں کی حیثیت سے اس نے ایسے اصولوں کی اشاعت کی،
جس سے قتل کے امکانات پیدا ہوئے۔

۳۔ مارچ کو مجرم کو عمر قید بھوپور دیئے گئے شوبھیت قیدی سرکار انگلیہ اور
ضلعی جہاد کی سزا دی گئی۔ لکھنؤ۔ ۴ مارچ ۱۹۵۹ء

تشریح

اس شخص (فضل حق) کے مقدمہ کو دو حصوں میں تقسیم کر کے دیکھا جاسکتا ہے۔ یہ
شخص ۱۹۵۸ء میں باغی سردار کے شیر خاں کی حیثیت سے مانا جاتا تھا۔ دہلی میں اس کے

تعلقات تھے۔ دہلی کے کشن کے خط کے ذریعہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس نے تقریباً دو تہائی بھی رکھا تھا۔ اس مقدمے کا جہاں تک دہلی سے تعلق ہے وہ ثابت نہیں کیا جاسکے کیونکہ گواہان نہیں پیش کی جاسکیں۔ اور مجرم کو اس بات کا موقع نہیں ملا کہ وہ الزامات کو قبول کر سکے یا انہیں جھٹلا سکے۔ مگر چونکہ اس شخص کے خطرات اور دھوکے الزامات ثابت کئے جا چکے ہیں۔ اس لئے اس کا رد یہ دہلی میں بھی کم و بیش اسی قسم کا اخذ کیا جاسکتا ہے۔

مندرجہ ذیل الزامات اس مضمم پر عائد کئے گئے :-

(۱) پوری بغاوت کے دوران اس شخص نے عام طور پر لوگوں کو اکسایا اور

(۲) خاص طور پر اور دھوکے میں مشغول کر دیں لوگوں کو بغاوت پر آمادہ کیا۔

پہلے کچھ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ عدالت کے لئے مضمم کو قتل کے لئے اکسانے کے الزام پر سزا دینا ممکن نہ ہوگا کیونکہ جن لوگوں کے لئے یہ کہا جاتا تھا کہ مضمم نے انہیں قتل کرانے کی کوشش کی۔ وہ واقعہ قتل نہیں کئے گئے۔ اور یہ بات بھی بالکل واضح نہ ہوئی تھی، کہ مضمم نے انہیں کچھ شرائط پر چھوڑ دیا ہو سکتا ہے جو عدالت کا یہ خیال ہے کہ یہ بات پائیدار ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ مضمم نے اس موقع پر بالکل مرتجا اور اپنی سرکاری حیثیت میں کچھ ایسے اصول کی اشاعت کی جن سے لوگ قتل کے لئے آمادہ ہوئے۔ اس نے قرآن سے اقتباسات پیش کئے اور یہ کہا کہ جو لوگ سرکار انگلشیہ کی ملازمت میں رہ چکے ہوں وہ ملحد ہیں۔ اور یہ کہ اسلامی قانون کے اعتبار سے ان کی سزا موت ہے۔ اور اس نے یہاں تک کہا کہ اگر باغی سردار نے یہ سزا سرکار انگلشیہ کے نوکر کو دے دی تو وہ خود خدا کی نگاہ میں گنہگار ہوگا۔

عدالت نے شبہ کی بنا پر مضمم کو اس الزام سے بری کیا کہ مضمم نے سزائے موت کے بدلے سرکار انگلشیہ کی نوکری چھوڑنے کو کہا ہو لیکن یہ بات بالکل صحت اور واضح ہے کہ مضمم نے جن اصولوں کی اشاعت کی تھی ان سے ایسے غریب مناظر دیکھنے میں آئے جو بغاوت کے جو خاص سقے اور تمام گروہوں کے بیانات سے عدالت یہ سمجھتی ہے کہ مضمم ایک شیر اور بغاوت کو اکسانے والا شخص تھا۔ اس نے اپنا یہ رد یہ دہلی میں بھی رکھا۔ اور یقیناً اور

میں اس جرم کا مزید نکتہ تھا۔ اس نے ایک بار اس بات کی بھی کوشش کی کہ وہ یہ بات ثابت کر سکے کہ وہ فضل حق ہیں جو کہ اودھ کی بغاوت میں غسک رہے تھے مگر یہ بات بالکل حاص ہے کہ ایک تحصیلدار بریلی تھا جو کہ بعد کو باغیوں کے ساتھ ایک جھٹکے کا لیڈر تھا جب کہ طرم بالکل مختلف شخص ہے۔ یہ شخص کبھی جھٹکے کے ساتھ نہیں رہا اور کبھی اس سے توار باقد میں نہیں لی۔ یہ شخص باقی سردار کے دربار میں تھا اور باغیوں کی عدالت عالیہ کا سب سے زیادہ با اثر ممبر تھا۔ یہ بات شبہ ہے کہ آیا یہ عدالت واقعی کوئی حیثیت رکھتی تھی۔ اور کیا طرم اس عدالت میں کوئی مستقل مقام رکھتا تھا لیکن یہ بات بالکل ثابت ہو چکی ہے کہ کچھ لوگ بغیر اور باغی سردار کو مشورہ دیتے رہتے تھے اور باغیوں کے کیپ میں انھیں بہ شور و گے نام سے یاد کیا جاتا تھا اس لیے اس کو کبھی کبھی انگریزی نام کیری پارینٹ بھی کہا جاتا ہے۔ یہی مجلس کا طرم ایک سرگرم اور سربراہ لیڈر تھا۔

براہ راست شہادت سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ طرم کو موخاں کا اعتماد حاصل تھا اور یہ کہ طرم سے براہ راست موخاں مشورہ لیا کرتا تھا اور اس موقع پر طرم نے ایسے اوصافوں کی اشاعت کی جن سے قتل کے امکانات ہو سکتے تھے۔

قیدی ان باتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایک بہت عقلمند شخص ہے جس نے طاقت اور مشہور ہونے کی محسوس میں یلبے انتہا شدید باتوں سے اثر انداز ہو کر باغیوں کی مجلس میں اپنی اس قدر اثر انداز جگہ بنائی تھی۔ وہ ایک بہت خطرناک ہستی ہے۔

وہ کسی بھی وقت لاٹھ و دھنصانات پہنچا سکتے کا اہل ہے۔ وہ ایک ایسا انسان ہے جس کا ہندوستان سے ہٹا دیا جانا انصاف اور امن کے لئے ضروری ہے۔ وہ اودھ کا کٹھن والا ہے مگر ایک ایسے خاندان سے تعلق رکھتا ہے جو بکھر گئے سرکار انگلشیہ کے مہم جوں منت رہے ہیں۔ اور وہ بذات خود سرکار انگلشیہ میں ایک اچھی حیثیت رکھتا تھا مگر اس نے بہت دنوں سے سرکار انگلشیہ کی نوکری چھوڑ دی تھی۔ اور بالذات جگہوں پر اودھ پر اور اودھ کی ریاستوں پر مامور رہا ہے۔ وہ ہمیشہ ایک مشہور انسان رہا ہے اور جن گواہان نے اسے دیکھا بھی نہیں تھا انھوں نے بھی مولوی فضل حق کے متعلق پہلے سے بہت کچھ سنا رکھا

تھا۔ وہ خود سے دہلی آیا۔ اور اس نے تب ہی سے بناوت میں حصہ لینا شروع کیا ہے۔ وہ ایک ایسا انسان ہے جسے بہت محنت سزا دینا چاہئے۔ اور جسے بہت اصرار دینا چاہئے۔ ایک کر دینا چاہئے لیکن اس کی ضعیف عمر اس کی زندگی میں پوزیشن اور اس کے اودھ کے باشندے اور کئی برس تک مختلف ایسی دیاستوں میں کام کرنے کو متاثر رکھتے ہوئے ہم نے یہ مناسب سمجھا ہے کہ وہ ایک سرکاری قیدی تصور کیا جائے نہ کہ ایک معمولی مجرم۔

وارنٹ نمبر ۱۴ - ڈپٹی کمشنر لکھنؤ۔

فضل حق ولد فضل امام کو مجرم گردانا گیا۔ وجہ اس کے بناوت کے۔ اور وجہ اشاعت ایسے اصولوں کے جن سے قتل کے حالات پیدا ہو سکتے تھے اور وجہ باغیوں کی کونسل میں حصہ لینے کے اسے عرقید مجبور دور یا سٹوڈنٹ شہادت کی سزا دی گئی۔ لہذا یہ حکم دیا جاتا ہے کہ مندرجہ بالا سزا کو فضل حق ولد فضل امام پر عمل میں لایا جائے۔ اور یہ کہ تم اس وارنٹ کو جب کہ اس پر عمل درآمد ہو چکے تو اسے اپنے سرکاری ہجر اور قتلوں کے تحت یہ بتلاتے ہوئے کہ مندرجہ بالا سزا کس طرح عمل میں لائی گئی واپس کر دو۔

۱۵۳ - ۱۶۱

از طرف کرنل جے کلاک کشر و پرنسپل ڈیپارٹمنٹ غیر آباد ڈویژن۔

بنام جی کپیل اسکواڈر ڈپٹی کمشنر اودھ۔

سینا پور - ۳۰ جولائی ۱۶۱

جناب عالی!

مجھے آپ کے حضور میں مندرجہ ذیل کاغذات پیش کرتے ہوئے فوراً محسوس ہوتا ہے۔ یہ زبان ہندوستانی کشر لکھنؤ کی پرنسپل ڈیپارٹمنٹ ۲۲ جولائی ۱۶۱ کو مسئلہ کاغذات کیونکہ فضل حق کے مقدمے کا تباہ لکھنؤ کر دیا گیا تھا (جنوری ۱۵۹۹ء میں) اس کا مقدمہ کیپٹن پتھر عمر کے اجلاس میں پیش ہوا تھا جو میرا خیال ہے آپ کا specimen of a good ant تھا۔

آپ کا فرماں بردار خادم

کشر و پرنسپل ڈیپارٹمنٹ غیر آباد ڈویژن۔

۴۸۰۔ بنام سکریٹری چیف کشنر اودھ کھنؤ۔ مورخہ ۲۷ اگست ۱۹۶۵ء

جناب عالی

کناہ سے نوٹ کی ہوئی خط و کتابت کے واسطے سے جو کہ فضل حق کے مقدس سے
سنتوں میں فضل حق کو میں نے بنادت کے اساتے وغیرہ کے جرم میں مئی ششتر میں مقید
بجورود یا نے شور (تبدیل شہقت) کی مراد ہی تھی۔ میں آپ کے حضور میں غیر آباد کشنر
سے وصول شدہ ورنہ نا کو لڑ کا غذات بسلسلہ مقدمہ ہڈا میں کر رہا ہوں اور استدعا کرتا ہوں
کہ ان کا غذات کو چیف کشنر کی قدرت میں پیش کیا جائے تاکہ ان پر احکام دے سکیں جو وہ
فردی اور مناسب سمجھتے ہوں۔

میں ہوں آپ کا مخلص جو ڈیشل کشنر۔

روحانی۔

{ ڈاکٹ نمبر ۳۱۲ مورخہ ۲۷ اگست ۱۹۶۵ء سکریٹری کا دفتری کاغذ
نمبری ۶۵۶ مورخہ ۲۸ اپریل جو یہ سے پتہ پر بھی گیا ایرٹ نمبری ۶۵ مورخہ
۱۰ مئی ۱۹۶۵ء

نمبر ۱۹۵۔ اذرف سکریٹری چیف کشنر اودھ

بنام جی کمپل سکریٹری چیف کشنر اودھ۔

کھنؤ ۲۷ اگست ۱۹۶۵ء

جناب عالی!

بھائی آپ کے خط نمبری ۴۸۰ مورخہ ۲۷ اگست مجھے ہدایت کی گئی ہے کہ میں عرض
کروں کہ میں نے آپ کے اوپر حوالہ دیئے ہوئے مسئلہ کو دیکھا
اور وہ محنت مخالفت کریں گے۔ اگر مٹی فضل حق کے سلسلے میں کچھ بھی رعایت کی گئی
۲۔ جو ورنہ نا کو لڑ کا غذات آپ کے واسطے کے ساتھ منسلک تھے وہ واپس کے جا رہے ہیں

میں ہوں آپ کا فرماں بردار خادم

سکریٹری چیف کشنر اودھ۔

گورنٹ کے حکم مورخہ ۲۰ اپریل ۱۸۵۷ء سے اقتباس :-

فضل حق کے سلسلے میں *Madras Ecclesiastical Council* کی یہ خواہش ہے، کہ قیدی کی شخصیت اور ذکر کو مد نظر رکھتے ہوئے کوئی سختی اس پر اس طرح نہ کی جائے جو اس کی عمر کے منافی ہو۔ اصل اقتباس جو ڈیپل کٹر اور دھ۔

مندرجہ ذیل قیدی واسطے عربی سنی مفتی فضل حق ۳۶۸۷ *Final Settlement* پورٹ ٹریمرہ راکٹر برکوزر برائیسٹر *Final Cause* براہ کلمتہ وصول کیا گیا۔

دستخط سرٹیفکیشن پورٹ ٹریمرہ

پوری سب پڑھنے کے بعد یہ نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ علامہ خیر آبادی کو دہلی اور اردھ کی سرگرمیوں کی بنا پر پھانسا گیا تھا۔ اور فضل حق شاہجہاں پوری کے الزامات ہمسائی کی وجہ سے کفر و کرم گردانا گیا تھا۔ سو اتفاق سے عبدالحکیم سرکاری ملازم اور مرتضیٰ حسین خیر خواہ برطانیہ سے جو دونوں شہر میں تھے علامہ سے کسی وقت قرآنی آیات پر مباحثہ ہو گیا تھا۔ ان کی جھوٹی شہادتوں پر عدالت نے نواز کا فیصلہ کر دیا۔ برطانوی حکومت کی یہ پالیسی آخر جد تک رہی اور آج بھی ان کے سرکاری خاکہ گرد قادیانی گرفت میں لائے گئے ہیں اور بیچ کھیلے جاتے ہیں جس کی خبر روٹن شاہیں دی جاسکتی ہیں۔

اس مباحثہ کے متعلق علامہ الثورة الہندیہ میں لکھتے ہیں :-

”میری چھٹی ایسے دو مرتبہ جھگڑا اور دست خوار ہونے کا کافی وجہ ہے قرآن کی حکم

آیت میں مجاہد کرتے تھے جس کا حکم یہ تھا کہ نصاریٰ کا دوست بھی نظر نہ ہے۔ وہ

دونوں نصاریٰ کی مودت و محبت پر مصر تھے انھوں نے مرتد ہو کر کفر کو اپنا گناہ بنالیا تھا۔“

اس مقدمہ میں علامہ کو موخاں کا مشیر اور بوندی کے قیام میں اس پر اثر انداز ہونا ثابت

کرنے کی کوشش کی گئی ہے جب کہ موخاں کے متعلق علامہ الثورة الہندیہ میں یہ اظہار رائے

کر رہے ہیں :-

”یہ تمام امور ہمدردان کا اہتمام و نظرم ایسے ذہین، غافل اور متحرقات کو سونپا گیا تھا جو

اب عبدالحکیم شہید و مرتضیٰ حسین شہید۔ لکھ موخاں۔

کسی طرح اس کا اہل نہ تھا۔ وہ صحیح شوروں سے گریزاں اور جمل سے ہٹکار تھا۔ انسان
بہتر سمجھتا اور شور کو آسان سمجھتا وہ ذلیل حق اور بڑا دل تھا اس نے کالکتا اور بھارت اور
ملاوٹ کے حق چاہا اور ذلیل جتن کچھ کچھ لکھا تو آخرت خود کی بنا پر شریعت مرداروں اور عقید
رہنماؤں سے بچتا اور اپنے ہی اہل خاندان اور لوگوں سے جا بولوں اور راقیوں کو مصاحب
حاکم بناتا چنانچہ اس نا تجربہ کار نے لشکر وں پر کین، ہزول، ذلیل اور ذلیل
لوگوں کو سردار بنادیا۔ وہ بڑے ہی لالچی تھے۔

غور فرمائیے جس موصاف کے متعلق خلاصہ کی یہ رائے ہو اس کے شیر کیسے بن سکے تھے۔
علامہ نے اس مقدمہ میں جو بیان دیا ہے اس کا تجربہ یہ کہنے سے ہمارے اس دعوے کی پوری
تائید ہوتی ہے کہ علامہ کا دوران بغاوت دہلی میں موجود ہونا اور بغاوت میں بڑی حد تک
سرگرمی سے دہائی کرنا کوئی دھکی بھیجی نہیں۔
حکومت کا دستور اصل مرتب کرنا، قوت کے جہاد مرتب کرنا اور تقاریر کرنا ان سب
باقوں کا ثبوت اپنے مقام پر ملاحظہ کیا جائے۔

علامہ خلاصہ کے سلسلے اپنے بیان میں فرماتے ہیں:-
”میں اور کے راجہ کی ملازمت میں تھا۔ میں ان کے ساتھ ۵ سال رہا۔ اور بغاوت کے
شروع ہونے پر بھی ان کے ساتھ تھا۔ راجہ جنے سنگھ کی موت کے ایک ماہ بعد دہلی
اور میں رہا۔ اگست ۱۸۵۷ء میں میں نے اور چھوڑ دیا۔ میں نے دہلی کے لئے کوچ
کیا۔ وہاں ۵ دن رہا۔ اور پھر ٹورنٹ آیا۔ میں نے اپنا خاندان اور ہی میں رہنے لیا۔
تھا۔ میں اپنے گھر رہا تھا۔ اور میں نے کسی کی ملازمت نہیں کی نہ ہی میں باغی ہو گیا تھا۔
یہ خود رہے کہ یہ علاقہ بیان ہے! اس میں بڑی احتیاط کے ساتھ الفاظ کا استعمال
ہوا ہے جس سے علامہ کی بے پناہ ذہانت کا پتہ چلتا ہے۔ کہ بات بھی بھی ہوا اور مقدمہ پر
اثر انداز بھی نہ ہو۔ مثلاً یہ جملہ کہ میں ان (راجہ کے ساتھ ۵ سال رہا) یعنی ان کی ملازمت
میں ۵ سال رہا۔ اس کا مطلب یہ نہ ہو گا کہ مشابہہ و زمان کے ساتھ رہا۔ اور ان سے کسی
وقت علیحدہ نہیں ہوا۔ دوسرا جملہ ”بغاوت کے شروع ہونے پر ہی میں ان کے ساتھ تھا۔“

مکتی بھی بات ہے۔ بغاوت وسطی سٹھ ایس میں شروع ہوئی۔ جون ہی اس کی اطلاع ملی علامہ اہل خانہ کو اور چھوڑ کر دہلی آگئے۔ اور سرگرمی سے بغاوت کی رہنمائی اور حکومت کے دستور العمل کی ترتیب شروع کر دی۔ جولائی میں جنرل بخت خاں کے دہلی آنے پر نئے جہاد مرتبہ کے عمار کے دستخط کرائے۔ اسی درمیان راجہ اور بے سنگھ کی خبر تھانہ پر اور چلے گئے۔ تقریباً ایک ماہ میں دہلی آگئے پھر عروج دہلی میں قیام کر کے اور آگئے اور اپنے اہل و عیال کو لے کر اوائل ستمبر میں دہلی آگئے۔ وسط ستمبر ۱۸۵۷ء میں دہلی پر انگریزوں کا مکمل قبضہ ہو گیا۔

بادشاہ اور اس کے متعلقین مقبرہ ہمایوں میں قیامت گزریں ہو گئے۔ علامہ بھی دہلی کو خیر آباد کو خیر آباد کے لئے روانہ ہو گئے ساتھ ساتھ راجہ اور بے سنگھ میں فرماتے ہیں:-

”جب نصاریٰ کا شہر پر بھی طرح قبضہ ہو گیا اور کوئی لشکری و شہری باقی نہ رہا۔ قلعہ اور پانی دشمنوں کے ظلم و استبداد کی وجہ سے ناپید ہو گیا۔ توہ شبانہ روز اسی حالت میں گزرا کر اپنی عزیز ترین شاہ کھدیں۔ ہائی واسباب پور کر بار بر وادی کا انتظام نہ ہو سکے کی وجہ سے اخذ پور پھر دہلی کے اہل و عیال کو ساتھ لے کر نکل پھرا ہوا۔“

علامہ سفر میں ریاست بیکیم پور ضلع علی گڑھ پہنچ کر نواب عبدالشکور خاں شروانی دہلی محرم فریب صدر یار جنگ مولانا محمد حبیب الرحمن شروانی کے کچھ دن جہان رہے جس کی تفصیل پچھلے صفحہ میں دی جا چکی ہے۔ اس طرح وطن مالوت خیر آباد داخلے عرصے کے بعد پہنچے۔

بیان میں فرمایا: میں نے کسی کی لازمت نہیں کی، یقیناً اس مدت میں کہیں لازم نہیں ہے پھر فرمایا: شہر میں باغیوں سے لاف تھا، لیکن کبھی کبھی بات ہے۔ علامہ تو جاہدین سے ملے تھے۔ منہبہ حکومت کے تو انگوٹھا بنی تھے۔ علامہ تو جاہدین کے سربراہ تھے۔ انگریزوں اور ان کے عوارپوں سے ملے کا سوال ہی کیا تھا۔

جنوری ۱۸۵۸ء میں علامہ کو خیر آباد سے گرفتار کر لیا گیا اور فروری ۱۸۵۸ء میں ہندوئی عدالت سے سزا دیدی گئی اور مارچ ۱۸۵۸ء میں عدالت مالہ سے اس کی توثیق کر دی گئی۔

راجہ بے سنگھ کا انتقال ۵ جولائی ۱۸۵۸ء کو ہوا۔ ۱۰ ستمبر ۱۸۵۸ء

یہ بات پوری طرح فراموش نہ کیے کہ مقدمہ میں براہ راست عدالتی بیان علامہ کا ذاتی ہے۔ اس کے علاوہ جتنی بھی درخواستیں یا پٹیلیں ہیں وہ سب علامہ کے خلاف دو کھار مقدمہ کی کارگزاریاں ہیں جس کی تائید مرزا غالب کے خط بنام یوسف مرزا سے بھی ہوتی ہے۔

مولانا افضل حق کا حال کچھ تم سے کچھ کو معلوم ہوا، کچھ کچھ سے تم معلوم کرو۔ مراد محکم دوام جس محل رہا، بلکہ تکیہ کی گئی کہ جلد درپائے شور کی طرف دوڑا نہ کرو۔ چنانچہ تم کو معلوم ہو جائے گا کہ ان کا لڑکا دناہیت میں پھیل گیا چاہتا ہے۔ کیا ہوتا ہے۔ جو ہونا تھا۔ وہ ہو چکا۔ انشاء اللہ ایدہ راجعون۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ ان ایملوں اور درخواستوں سے علامہ کا ذاتی طور پر تعلق نہ تھا اس لئے یہ کہنا کہ علامہ دہلی کے لئے خود دم تک کوشش کرتے رہے اور موت نہیں ہارے۔

سراسر الزام اور نا انصافی ہے۔ علامہ نے جو کچھ مانگا اپنے رب سے مانگا جس کی شہادت انشورۃ الہندیہ اور قصائد فتنۃ الہندیہ سے ملتی ہے۔

اب آئیے لائق حد محترم مولانا افتخار علی خاں عرشی اور محترم بزرگ جناب مالک رام کے ان مضمونوں پر نظر ڈالیں۔ جو اپنا مذہب دہلی میں اگست ۱۹۱۹ء اور جون ۱۹۲۰ء میں علی الترتیب شائع ہوئے ہیں جن سے یہ تاثر ہوتا ہے کہ علامہ کا جنگ آزادی میں کوئی حصہ نہ تھا۔ یہ دونوں بزرگ راقم الحروف کے دیرینہ کرم فرما اور شوق و فتنے رہے ہیں۔ ان پر رقم لگانا یا حرف گیری کو خالصتگی کے خلاف تھا۔ مگر یہ دونوں بزرگ جب اپنے سے بزرگ تر شخصیت پر خام فرمائی کر چکے ہیں تو ہیجا کتا ہے کہ اس نچلی ہیست کہ در شہر شہر نہ کہے۔

مرزا عرشی صاحب نے اپنے صفحات پر شش مضمون میں علامہ کی جہاد آزادی میں عدم شرکت کی تین بنیادیں قائم کر کے طبع آزمائی فرمائی ہے۔

۱۔ علامہ آگست سے قبل دہلی میں نہ ہونا۔ (۲) فتویٰ جہاد آزادی شہرہ سو فتر دہلی (۳) انواب بہرہ کے نام علامہ کی درخواست۔

(۱۱) اب پہلی بات یعنی اگست سے قبل علامہ کے دہلی میں نہ ہونے کی بنیاد باغی ہندوستان کی اس عبادت کو بنایا گیا ہے کہ:-

”علامہ اور سے نشر و اشاعت کرتے ہوئے اس وقت دہلی پہنچے۔“

نیز منشی جیون لال کے ۱۶ اگست کی اس خبر کو کہ:-

”مولوی فضل حق شریک دربار ہوئے انھوں نے اشرفی خدو میں پیر کی اور صورت

حالات کے متعلق بادشاہ سے گفتگو کی۔“

میں دیا چہ میں لکھ چکا ہوں کہ باغی ہندوستان کی تحریک ۱۹۴۷ء میں ہوئی۔

اور ۱۹۴۷ء میں طبع دینے پر من بھنور سے شائع ہوئی۔ اس وقت تک جو مواد میرا سکا

تھا وہی پر انحصار کرنا پڑا تھا۔ آزادی کے بعد جو مواد دستیاب ہوا اس کی بنا پر ثابت ہوتا ہے

کہ علامہ ”غدر“ شروع ہوتے ہی دہلی پہنچ گئے تھے مجرم عرشی صاحب جیسے محقق کو تو ”باغی

ہندوستان“ کے نظریہ کی تحلیل کرنی تھی۔ نہ کہ اسی کو بنیاد بنا کر عمارت کی تعمیر شروع کر دی۔

مجرم عرشی صاحب نے باغی ہندوستان کی اشاعت کے پورے دس سال کے بعد

مضمون تحریر فرمایا تھا پورا موقع ملتا تھا کہ اپنی مفقہ نہ جو دہ طبع کو کام میں لاتے۔

اب تھا بجلی بقی، سورج زیر کو و قات تھا

داع زلف شگور رخ سے سر کاٹی تو مطلع صاف تھا

اب ہمارے دعوے کو اس کسوٹی پر جانچئے، مولوی ذکار اللہ لکھتے ہیں:-

”مولوی صاحب (فضل حق) عالم شہر مشہور تھے۔ وہ اور سے ملازمت ترک کر کے

دہلی آئے تھے انھوں نے بادشاہ کے لئے ایک دستہ دہل سلسلت لکھا تھا جس کی

ایک دفعہ یہ مشہور ہوئی تھی کہ گاسے کہیں بادشاہی محل داری میں ذبح نہ ہوتا

جیون لال کا بیان ہے کہ یہ دفعہ ہر لائی مشہور کو نافذ کر دی گئی۔ تھ

ایک انگریز رابرٹ لکھتا ہے:-

اس خاص موقع (عید الفی) پر ہندوؤں کا کھانا کرتے ہوئے قربانی مٹوی کر دی گئی

اور اس کی جگہ رنگیوں کو ختم کرنے کے لئے ہندو مسلمانوں کی زبردست متحد کوشش ہو رہی ہے۔

مولوی زکرا اللہ کی تجویز اور دوسرے حوالوں سے یہ توثیحت ہو چکی کہ علامہ نے حکومت کا دستور العمل مرتب کیا تھا۔ اس دستور العمل کی ایک فہرست کے قیام کی کوئی جگہ قاعدہ ہی علامہ نے بندھے تھے۔ جس کا مکس "سوتھری دہلی" میں موجود ہے۔ اور فضل حق خیر آبادی اور مسلمانوں میں بھی شائع ہو چکا ہے۔

دستور العمل تیار کرنا اصحاب رائے اور بادشاہ کی منظوری حاصل کرنا اور پھر اس کا نفاذ اس کے لئے دو تین ماہ کا عرصہ کچھ زیادہ مدت نہیں اس سے ثابت ہوتا ہے کہ علامہ جولاہی بہت پہلے دہلی میں موجود تھے۔ نہ صرف بقریہ عید گجہ عید دہلی میں ہی کی ہوگی۔ جو ادنیٰ ۱۳۵۷ھ میں ہوئی تھی۔

(۳) اب محرم عشریٰ صاحب کی دوسری بنیاد فتویٰ جہاد آزادی کی ہے۔ آپ نے کتاب "سوتھری دہلی" کے مکس فتویٰ مطبوعہ صادق الاخبار دہلی منقولہ اخبار الغفر دہلی مورخہ ۲۶ جولائی ۱۳۵۷ھ کو نقل کر کے تحریر فرمایا ہے۔ کہ اس پر مولانا فضل حق کے استغناء میں جب کہ دیگر ۲۳ علماء کے استغناء میں۔ فرماتے ہیں۔

"جو کہ یہ فتویٰ مولانا کے درود دہلی سے پہلے مرتب ہو چکا تھا۔ اس لئے اس پر مولانا خیر آبادی کے استغناء میں ہو سکے تھے۔"

اس فتویٰ پر تاہم یہ نہیں ہے جس سے معلوم ہو سکتا کہ اشاعت اخبار سے کئے عرصے پہلے کا لکھا ہوا ہے جو کہ کسی کے دست میں ترمیم دیا گیا ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس فتویٰ کے متعلق علامہ نے "انوار الہندیہ" میں لکھا ہو۔

یہ تو سب کچھ ہم ہی دانتا کہ بعض شہر و دیہہ سے ہمارے مسلمانوں کی ایک جماعت علامہ زکرا اللہ اور ان کے اجتہاد سے جہاد کے جواب کا فتویٰ کے جہاد و قتال کے لئے اٹھ کھڑی ہوئی۔

محرم عشری صاحب نے اسی ایک فتوے پر انحصار کر کے حکم لگادیا کہ چونکہ اس فتوے پر علامہ کے دستخط نہیں ہیں اس لئے علاوہ خیر آبادی کا فتویٰ جہاد سے کوئی تعلق ہی نہیں۔

بسوخت عقل زحمت کہ اس چہ بولاجی است

یہ فتویٰ جہاد کے فرض عین اور فرض کفایہ کے استفتاء کے جواب میں ہے۔ غالباً علامہ نے سی کے متعلق جلد جہاد کے وجوب کا فتویٰ لے کر سے اشارہ کیا ہے۔

یہ فتویٰ صادق الاخبار دہلی میں ۶ جولائی ۱۳۵۷ء کو شائع ہوا۔ اخبار النظر دہلی سے نقل ہوا ہے اخبار النظر دہلی میں کب چھپا اور کب ترتیب دیا گیا اس کا کچھ پتا نہیں۔ ہمیں محرم عشری صاحب کی اس رائے سے اتفاق ہے کہ یہ فتویٰ مولانا کے درود دہلی سے پہلے مرتب ہو کر شائع ہو چکا تھا، مگر ہمیں اس رائے سے اتفاق نہیں کہ یہ وہ فتویٰ ہے جو جنرل بخت خاں نے مرتب کروایا تھا، اور یہ کہ علامہ کا درود دہلی اگست سے پہلے نہیں ہوا تھا جب شروع جولائی میں جنرل بخت خاں دہلی پہنچے تو علامہ وہیں موجود تھے۔

یہ فتویٰ جنرل بخت خاں کے درود دہلی سے قبل لکھا جانا چکا تھا۔ بقول مولوی دکار اللہ "جب تک دہلی میں بخت خاں نہیں آیا جہاد کے فتوے کا چرچا بہت کم تھا۔ وہ یہی فتویٰ تھا جو صادق الاخبار میں شائع ہوا ہے۔ اب آپ مولوی دکار اللہ کی پوری عبارت پڑھئے:

"جب تک دہلی میں بخت خاں نہیں آیا جہاد کے فتویٰ کا چرچا شہر میں بہت کم تھا۔ مساجد میں خبروں پر چہاں کا دغظ کتر ہوتا تھا۔۔۔ مگر جب بخت خاں جس کا نام اہل شہر نے کم بخت خاں رکھا تھا۔ دہلی میں آیا تو اس نے یہ فتویٰ لکھا کہ مسلمانوں پر جہاد اس لئے فرض ہے کہ اگر کافروں کی تیغ ہوگی تو وہ ان کے بیوی بچوں کو قتل کر دے اور اس نے جامع مسجد میں مولویوں کو جمع کر کے جہاد کے فتوے پر دستخط و مریں ان کی کراہیں لیکن مولوی محبوب علی و خواجہ ضیاء الدین نے فتوے پر مریں نہیں کیں۔

جنرل بخت خاں بڑی سلیقہ مندی اور ہوشیاری سے شروع جولائی میں دہلی آیا۔ ۷

مولوی ذکار اللہ کے مذکورہ بالا بیان سے صاف ظاہر ہے کہ دو فتوے تھے ایک وہ جس کا چرچا شہر میں بہت کم تھا اور جس پر مولوی محبوب علی اور خواجہ سیار الدین نے بھی دستخط نہیں کیا اور یہ فتویٰ وہی ہے جو جرنل بخت خاں کے دہلی نسخے سے پہلے دیا گیا تھا اور جس کا ٹکس سوتر دہلی میں شائع ہوا ہے اسی کا ذکر الثورۃ السندیہ میں علامہ نے کیا ہے۔

اب باقی ہندوستان کی عبادت پر نظر ڈالئے۔

علامہ سے جرنل بخت خاں نے پہلے شیوہ کے بعد علامہ نے آخری تیر زکشی سے نکالا۔ بعد ازاں مجدد جامع مسجد میں علامہ کے سامنے تقریر کی استغاثہ پیش کیا۔ یعنی صدر الدین خاں آزدہ صدر الصدور دہلی، مولوی عبدالقادر قاضی فیض اللہ، دہلوی، مولانا فیض احمد بڑا بونی، ڈاکٹر مولوی وزیر خاں اکبر آبادی اور سید مبارک شاہ دایموری نے دستخط کر دیئے۔ اس فتوے کے شائع ہونے ہی ملک میں عام شوش مچ گئی۔ غور فرمائیے باقی ہندوستان میں جتنے نام دیئے گئے ہیں ان میں سے مفتی صدر الدین کی ہر اور مولوی عبدالقادر کے سوا کسی عالم کے دستخط صادق الاخبار کے فتوے پر نہیں۔ علامہ کے فتوے پر مفتی صدر الدین کے دستخط کے بعد شہادت بالہو کے بھی الفاظ تھے۔ جس کی تائید مولوی ذکار اللہ کے بیان سے بھی ہوتی ہے کہ ہر جہرے کی گئی تھی۔

محترم عرشی صاحب نے اپنے مضمون میں فتویٰ اعتبار سے اسے غلط قرار دیا ہے۔ ہم فتویٰ دیر کے لئے عرشی صاحب کی بات مان لیتے ہیں تو کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ جہاں جصلیٰ مہر کی ہوداں یہ جملہ بھی لکھ دیا ہوتا کہ بوقت گریز یہ کہہ سکیں کہ مجھ جیسا فیاض غلط ہو کر کیسے لکھ سکتا ہے۔ محترم عرشی صاحب رسالہ تحریک دہلی کے اسی مضمون میں اعتراف کر رہے ہیں "بقیہ نے مجبوراً قوشین کی ٹمکت کے بعد جان بچانے کی طرف ہی ایک تدبیر باقی تھی کہ جبر کی پناہ لی جائے" اس بنا پر جس سے باز پرس ہوئی اس نے اپنی مجبوری کا اظہار کیا۔

حاصل کلام یہ ہے کہ یہ دو فتوے ہیں اخبار انظر دہلی کا فتویٰ دہمے جو جرنل بخت خاں

نے باقی ہندوستان میں پھیلانے کے لئے شائع کیا تھا کہ خدمت بالہو کے رومی علامہ ہند مولانا حسین الدین بڑا بونی میں فیض دس مولانا تیسرے کم گمن فتویٰ بڑا بونی بوقت روایت موجود تھے جو بفضل خدا بقید حیات ہیں۔

کے درود دہلی سے قبل لکھا تھا اور بقول مولوی دکار اللہ اس کا چرچا شریہ پست کم تھا۔ اس کے عجیب و غریب حال تھے۔ دوسرا فتویٰ وہ ہے جو جنرل بخت خان کی موجودگی میں لکھا گیا اور جسے علامہ خیر آبادی نے قریب کیا تیسرے فتوے کا ذکر سر سید احمد خان نے اسباب شرعی ہندوستان میں کیا ہے جسے انھوں نے خود لکھا تھا جو عدم وجوب جہاد کا اذیتہ دار تھا۔

۲۔ شہادت بالکفر کے سلسلے میں مفتی انصاف اللہ شاہی گوپاموی لکھتے ہیں :-

ہر بروی مقدمہ میں جواب دہوی یہ کیا میں نے فتوے پر دستخط کئے مگر کچھ عبارت بھی لکھ دی ہے۔ بالآخر لوگ پڑھتے ہیں وہ بالجو میں نے لکھا ہے۔ مفیدوں نے ذہنی طور پر محسوس کیا تھا۔ کاغذات برآمد ہوئے تو پڑھا گیا۔ مفتی صاحب کے بیان کی تصدیق ہوئی۔ اس بنا پر چھوڑ دیئے گئے۔

۳۔ تیسری بنیاد عرضی بنام نواب رامپور کو لیجئے۔

یہ عرضی علامہ خیر آبادی کی مہر سے منقذ ہے۔ اور ۱۸۷۱ء اور ۱۸۷۲ء کی قومی اس عرضی کی بنا پر محترم عرضی صاحب تحریر فرماتے ہیں :-

۱۔ مولانا پر حسب ذیل تین الزام عائد کئے گئے تھے :-

(الف) الزام تھاں بہادر خاں خیر خواہ رحمت خاں بہادر نے جب انگریزوں کے خلاف بریلی میں بغاوت کی تو مولانا نے ان کا ساتھ دیا اور ان کی طرف سے نظامت پبلی ہیٹ کا کام انجام دیا۔

(ب) جب انگریزوں نے بریلی فتح کر لی تو مولانا یہاں سے بھاگ کر اودھ پہنچے اور خاں علی خاں کی طرف سے ریاست محمدی کے چکھ دار مقرر ہوئے۔

(ج) مولانا نے اس کے بعد ایک باغی لشکر کی کان پنے ہاتھ میں لی۔

مقدمہ کی ہدوی کارروائی درج کی جا چکی ہے۔ ان میں سے کوئی الزام علامہ پر عائد نہیں کیا گیا۔ علامہ ۳۰ جنوری ۱۸۷۲ء کو گرفتار کر لئے گئے۔ بغاوت کے قیدی مجرم تھے انقورۃ الہند یہ میں فرماتے ہیں :-

”میرا جوتا اور لباس انا کو روئے اور سخت کپڑے پہنا دیئے۔ زم زم ہنر ستر بھین کر
خواب سخت اور تکلیف دہ بھونا حوالے کر دیا۔ گویا اس پر کائنات بچا دیئے گئے تھے
یا دیکھی ہوئی چنگاریاں ڈال دی گئی تھیں۔ میرے پاس لٹا، پیلا اور کوئی برتن نکتہ چھوڑا۔“
انصاف کیجئے۔ ایسی حالت میں ہر رکھنے کی اجازت سے دی گئی ہوگی یا کافرا اور
علم و ادب سے پاک کر دیا ہوگا کہ علامہ عرضی لکھ کر مہر لگا کر نواب راہپور کو بھیج دیں۔ اور وہ بھی
جب کہ اس کے دو دن کے بعد ہی اور فروری کو مقدمہ شروع ہو رہا ہو۔ پھر کھنڈے سے
راہپور دمک عرضی پہنچے ہیں اس زمانے میں کتنی مدت لگی ہوگی۔

یہ عرضی رھنا لاہور ہی راہپور میں موجود ہے۔ میری دیکھی ہوئی ہے نہ علامہ کا رسم الخط
ہے نہ نظربیان اور نہ ہی اس پر دستخط ہیں۔ آخر دستخط کرنے میں کیا چیز مانع تھی ۱۹ اصل چیز
دستخط ہوتے ہیں مہر تو تائید میں ہوتی ہے پھر یہ بات بھی غور طلب ہے کہ ۱۸ دن میں علما
نے تابلو توڑ ۳۰ عرفیاں روانہ کیں جن میں سے دو بقول عرش صاحب ضائع ہو گئیں یہ
میری اور آخری عرضی ہاتھ لگی۔ ریاستی محاذ خانہ کی داد دیکھ کر اس نے ایک عرضی جواب
عرش صاحب کی توہمات کے لئے سنگ بنیاد بنا کر محفوظ رکھی۔ اس عرضی پر بنیادوں کا
کوئی نادرش صاحب جیسے محقق سے باعث تعجب ہے۔ پھر ستم بالائے ستم یہ کیا گیا۔ کہ
دونوں بزرگوں (المعزم عرش صاحب اور معزم مالک رام صاحب) نے علامہ خیر آبادی
کی جہاد آزادی میں شرکت سے ہی انکار کر دیا۔

انھیں کو آج میرا ذکر سن کر طیش آتا ہے
ہمیشہ جن کی خاطر کیں چین آرائیاں پہنے
قدیم دھرم و دین کے اقتباسات پیش کئے جلتے ہیں فیصلہ دار باب نظر خود فرمایا گئے
فرزندگی کی حکایتیں بھی شریک جرم و خطا نہ ہوں
میں سناؤں قصہ دو دول اگر آپ سن کے خفا نہ ہوں
”میری فضل حق جب سے اور سے آئے ہیں وہ فوجیوں اور شہریوں کو بڑا نیکے
خلاف بھڑکانے میں سلسل معروف ہیں۔۔۔۔۔

”دوسرے روز مولوی فضل حق آئے اور نذر پیش کی۔ وہ باغی فوج کی بڑے ذمہ دار
 خورشید خورشید کر رہے تھے! بھولنے بادشاہ سے کہا اب وقت کا تقاضا ہے
 کہ باغیوں کو رقم اور سامان رسد کی مدد پہنچائی جائے۔ تاکہ انہیں کچھ سہارا ہو۔
 بادشاہ نے کہا رقم کہاں ہے۔ رہا رسد کا تو وہ پہنچا ہی نہیں مگر ناکافی تھی۔ اور اس
 کی وجہ ان باغیوں کا عوام کے ساتھ غلط رویہ ہے۔ مولوی صاحب نے کہا بھولنے
 کے تمام ملازمین نااہل ہیں۔ دور اور قریب کے تمام حکمرانوں سے رقم کا مطالبہ
 کرنے کی اجازت دیجئے۔ میراڑ کا (مولانا عبدالحق) اور دیگر اعزہ تحصیل کا
 کام انجام دیں گے! اور رسد بھی فراہم کریں گے۔ بادشاہ نے جواب دیا آپ تو
 یہیں ہیں۔ آپ انتظام سنبھالئے۔ مولوی صاحب نے جواب دیا۔ میرے
 بڑے اور دوسروں کو گورنگانہ کی تحصیل داری اور کلکری کا پروانہ تقرر جاری
 کیا جائے۔ وہ سب انتظام کریں گے اور اور بھجور، جب گڑھ اور پٹیار
 کے راجاؤں کے نام بھی (رقم کے مطالبے کے) پروانے جاری کیجئے۔ پٹیار کا
 راجا اگرچہ انگریزوں سے لاپرواہ ہے لیکن اگر دوستانہ مرسلت کی جائے تو
 وہ ساتھ آجائے گا۔ بادشاہ نے بتایا کہ پیرزادہ عبدالسلام کی درخواست
 پر بھکت خان نے راجہ پٹیار کو ایک پروانہ بھیج دیا ہے مگر ابھی تک اس کا جواب
 نہیں آیا۔ مولوی صاحب نے کہا میں اپنے بھائی (فضل عظیم) کو جو راجہ کے یہاں
 لازم ہیں لکھوں گا کہ وہ جلد جواب بھیجوائیں۔ مولوی صاحب جب بھی بادشاہ
 کے پاس آتے بادشاہ کو مشورہ دیتے کہ جہاد کی ہم میں اپنی بنیاد کی ہمت افزائی
 کریں۔ اور ان کے ساتھ باہر بھی نکلیں۔ فوجی دستوں کو جس حد تک ممکن ہو بہتر
 معاوضہ دیں ورنہ اگر انگریز حیرت گئے، معروف خاندان یحیویہ بلکہ تمام
 مسلمان نیست و نابود ہو جائیں گے۔“

بہادر شاہ کے مقدمہ میں حکیم احسن اللہ خاں نے شہادت دیتے ہوئے کہا۔
 مزین داران گورنگانہ نے بادشاہ کو ایک درخواست ارسال کی تھی جس میں

بدلتی کا ذکر کر کے القی کی تھی کہ کوئی اس نغمہ و نسق کے لئے مقرر کیا جائے۔ مولوی فیض الحق (فضل حق) جو اور سے آئے تھے اپنے بھانجے کا (جس کا نام مجھے یاد نہیں رہا) کی سفارش کی کہ وہ وہاں مقرر کر دیا جائے۔ یہ کوئی گورنمنٹ برطانیہ کے ذریعہ حکومت میں وہ اس ضلع میں مقرر تھا۔ چنانچہ یہ شخص ضلع دار مقرر کیا گیا۔ مگر جس آگاہ نہیں ہوں کہ وہ گورنمنٹ کا نوکیلا یا نہیں۔ البتہ اتنا معلوم ہے کہ زوال دہی کے ۱۵ مارچ ۲۰ روز قبل یہ تقریر ہو چکی تھی۔ مولوی فضل حق نے جس کمی تھیں وہاں کو ضلع دار کی نیابت میں مقرر کیا تھا، لے

۱۹ اگست ۱۸۵۷ء

”بعد ازاں ضلع مولوی فضل حق اور مولوی فیض احمد گان وصول کرنے کی غرض سے گورنمنٹ کا نوہ گئے“، لے

اور دھوکے چیف کسٹمر کا سکرٹری الکلٹر میئر پور کو ۱۰ دسمبر ۱۸۵۷ء کو سرکاری اسٹیل میں لکھتا ہے:-

”ہمیں بسو میں جو کھنڈوں سے شمال مغرب میں پچاس میل کے فاصلے پر ہے شکستہ کا رومبر کو گنگا گزرا ہو گئے“۔

ان کی تعداد ۹۰۰ سوار جن میں ۴۰۰ پوری طرح مسلح ہیں اور باقی سپاہیوں کے پاس اسلحہ کافی نہیں ہے۔ ۳۰۰ پیدل وغیرہ تھے ان میں ۱۰۰ عورتیں ۶۱ باقی ایک توپ جس کا نام گروہ ہے اس جماعت کے ہیڈ وگروہ شاہ شہزادہ دہلی، کلہا شاہ، گلاب شاہ عورت پیرچی، حسن علی خاں ساکن خوش آباد، فریح آباد (جو خود کو پور میں خاں کر تھے) اور مولوی فضل حق سابق سرشتہ دار کسٹمر دہلی جس کے ہتھ سے اعزہ اعلیٰ صاحب حکومت پر ہیں اور جس کا بھائی بیٹا میں راجہ ہرنی سنگھ کا ملازم ہے۔ لے

یہی سکرٹری ۱۰ دسمبر ۱۸۵۷ء کو گورنمنٹ آف انڈیا کے سکرٹری الکلٹر میں لکھتا ہے:-

۲۵

نہ بہادر شاہ کا مقدمہ ۲۵ مئی ۱۸۵۷ء میں شروع ہوا۔ دہلی ۱۲ مئی ۱۸۵۷ء فریم ہرنی سنگھ اور پور میں

مندرجہ ذیل لوگوں کے پہلے چنانے کے بعد حکومت کو قیام امن میں کافی ہوتی
 ہو رہی ہے۔ فرزند شاہ، مکر شاہ، مووی فضل حق جو ہماری حکومت کا دشمن جاں
 ہے، حالانکہ حکومت نے اسے اور اس کے اعزہ کو اعلیٰ مناصب عطا کئے تھے، لے
 ”کچھ لوگ مووی فضل حق کی صحیح خبر لانے کے لئے بھیجے گئے ہیں۔ جو اپنے
 متبعین کے ساتھ شاہ بابا کی طرف روانہ ہوئے ہیں۔“ لکھ

مشہور انگریز مصنف ہنٹن اپنی کتاب ”ہمارے ہندوستانی مسلمان“ میں مدرس
 مانہ کلکتہ کے اس وقت کے صدر مدرس مولانا عبدالحق خیر آبادی کے متعلق لکھتا ہے :-
 ”موجودہ ہیڈ مووی اس عالم دین کے صاحبزادے ہیں جن کو ۱۸۵۵ء کے غدر
 نے نمایاں کر دیا تھا۔ اور جنہوں نے اپنے جرموں کا خیانہ اس طرح بگڑا تھا کہ
 بحر ہند کے ایک جزیرے میں تمام عسکری لے جلا وطن کر دیئے جائیں۔ اس
 غدار عالم دین کا کتب خانہ جس کو حکومت نے ضبط کر لیا تھا، اب کلکتہ کالج
 میں موجود ہے۔“ لکھ

”دان (فضل حق) کو اس بغاوت کے سبب سے جلا وطنی کی سزا ملی تھی۔“ لکھ
 علامہ کے جہاد آزادی میں بھرپور حصہ لینے کی معاصرین کی شہادتیں آپ نے
 ملاحظہ کر لیں اب جدید دہائے بھی دیکھئے :-

”۱۸۵۷ء میں انگریزوں کے خلاف مسلح بغاوت ہوئی تو مووی فضل حق نے
 اس بغاوت میں نمایاں حصہ لیا۔ بغاوت کے الزام میں ان پر مقدمہ چلا
 اور قید کی سزا پائی۔“ لکھ

”علامہ فضل حق نے ۱۸۵۷ء کے ہنگام میں انگریزوں کے خلاف سخت
 حصہ لیا جس کے نتیجے میں گرفتار کر کے کالے پانی بھیج دیئے گئے جہاں اس
 فاضل اجل عالم بے بدل نے نہایت کس پرسی، بے بسی اور لاچارگی کی حالت

لے فریڈم فٹنگ ان پریڈیش حصہ دوم ۱۹۶۹ء ایضاً ۱۹۵۱ء لکھ ہمارے ہندوستانی مسلمان
 ترجمہ لکھ تاریخ غوث سلطنت انگلیشی ۱۹۶۹ء اردو دائرۂ معارف اسلامیا جلد ۱۷ء ۱۹۷۴ء

میں ۲۰ اگست ۱۹۴۷ء کو انتقال کیا۔ اور علم و دانش اور فضل و ہنر کا پُرآفتاب
ہمیشہ کے لئے غروب ہو گیا۔ ۱۷

”جنرل بخت خاں کی تحریک پر مولانا فضل حق خیر آبادی بلوچ دوسرے علماء سے
جو جہاد کا فتویٰ دیا اس کے بارے میں مولوی ذکاء اللہ دہلوی نے بھی اپنی
تاریخ میں اقرار کیا ہے کہ اس سے مذہبی جوش و خروش بہت بڑھ گیا تھا۔ ۱۸
”مولانا فضل حق خیر آبادی کے دہلی پہنچنے سے پیش تر بھی لوگوں نے جہاد کا
پرچم بلند کر رکھا تھا۔ مولانا پہنچے تو مسلمانوں کو جنگ آزادی پر آمادہ کرنے
کی غرض سے باقاعدہ ایک فتویٰ مرتب ہوا جس پر علماء دہلی کے دستخط
لئے گئے۔ میرا خیال ہے کہ یہ فتویٰ مولانا فضل حق ہی کے شور سے تیار ہوا تھا
اور انہی نے علماء کے نام تجویز کئے جن کے دستخط لئے گئے۔ ۱۹

”جب برطانوی استعمار کے خلاف ۱۹۴۷ء کا ہنگامہ شروع ہوا تو بعض شاعروں
ادیبوں اور علماؤں نے اس میں سرگرمی سے حصہ لیا اور انگریزی حکومت کا
اقتدار کج حال ہو جانے کے بعد ان پر مصیبت کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ مولانا
فضل حق کو جہاد کا فتویٰ صادر کرنے کے جرم میں انڈمان بھیجا گیا، مہبائی کو
پھانسی کے تختے پر لٹکا یا گیا۔ شیفتہ کو قید و بند کی مصیبتیں برداشت کرنی
پڑیں۔ ۲۰

”مولانا فضل حق خیر آبادی علیٰ قاعدیت میں نظیر نہیں رکھتے تھے۔ ان کو
فتویٰ جہاد اور جرم بغاوت میں انڈمان بھیج دیا گیا۔ ۲۱
محمد اسماعیل پانی پتی مضمون ”۱۹۴۷ء میں علماء اکرام کا حصہ“ میں لکھتے ہیں :-
”جب ۱۹۴۷ء کا ہنگامہ غم دہلی میں رونما ہوا تو مولانا فضل حق فوراً دہلی
پہنچے اور جہاد کا فتویٰ دیا جنرل بخت خاں کا مذاہن خفیت انواع ظفر سے لے

۱۷ حاشیہ مقالات سرسید حصہ ۱۶ صفحہ ۲۳۳۔ ۱۸ جنگ آزادی ۱۹۴۷ء از خورشید مصطفیٰ رضوی صفحہ ۱۷۰
۱۹ جہاد مقدس از غلام رسول ہر۔ ۲۰ جہاد خاں لاہور سن ۱۹۴۷ء بہار شاہ ظفر اور ان کا عہد
۲۱ ۱۹۴۷ء از دین محمد عسکری۔

صدر الدین آذر دہ، مولوی فیض احمد بدایونی، ڈاکٹر مولوی وزیر خاں، کمر آبادی وغیرہ کے کھنڈ کر کے گئے۔ ۱۱

۱۰ دہلی میں بہادر شاہ نے خود قادی کا اعلان کر دیا۔ مولانا فضل حق خیر آبادی نیز دوسرے علماء دہلی میں موجود تھے۔۔۔۔۔

۱۱ جہز بخت خاں کے شور سے علامہ فضل حق خیر آبادی نے بعد نماز جمعہ جامع مسجد دہلی میں جہاد کی اہمیت و ضرورت پر تقریر کی جہاد کا استفتاء مرتب کر کے پیش کیا۔ جہاد کے فتوے کی تیاری میں جہز بخت خاں کی کوشش خاص تھی۔ ۱۲

۱۲ مسلمانوں کو عزت و اہمیت کی زندگی بسر کرنے کے لئے آخری مرتبہ جان کی بازی لگا دیے پر آمادہ کر کے گئے ایک باقاعدہ فتویٰ جہاد کا جاری کیا گیا جس پر دستخط کرنے والوں میں مفتی صدر الدین آذر دہ اور مولوی فضل حق بھی شریک تھے۔ مولانا فضل حق نے فتوے کے بعد جگہ جگہ دورے گئے اور بالآخر دہلی پہنچ گئے۔۔۔۔۔

۱۳ مولانا فضل حق کے شور سے صرف تلوہ علی کی پوشیدہ مجلسوں تک محدود نہ تھے وہ جہز بخت خاں سے ملے، شور سے ہمے۔ اور آخر میں بعد نماز جمعہ دہلی کی لال مسجد میں علماء کے سامنے تقریر کی اور فتویٰ پیش کیا۔ ۱۴

۱۴ مولانا فضل حق صاحب خیر آبادی کو جو کہ تحریک کے بہت بڑے رکن تھے اور بریلی، علی گڑھ اور دہلی کے طوطا اضلاع کے دوران تحریک میں گورنر تھے۔ آخراں کو گھر سے گرفتار کیا گیا۔۔۔۔۔

۱۵ خدا کے بندے ایسے ہی ہوا کرتے ہیں وہ جان کی پروا کئے بغیر سر رکھتے ہو کر میدان میں نکلتے ہیں۔ ۱۶

۱۶ تحریک آزادی کی مشہور تاریخ نگار سید نفیس خاں بریلوی رقمطراز ہیں:۔
 ۱۷ "فلاح میں جہز بخت خاں، وزیر شاہ، انانارو، نواب محل جیس خاں، جہز بخت خاں،

۱۸ علامہ حق اور ان کی مقلوبیت کی داستانیں ۱۹ مفتی انتظام اللہ شاہی ۱۲۱۱ھ جنگ آزادی ۱۲۱۱ھ کا ایک قیام مولانا فیض احمد بدایونی ۱۲۱۱ھ - از عماد القیامی، ۱۲۱۱ھ بمطابق لاپورستان وغیرہ ۱۲۱۱ھ مقرر از ڈاکٹر ابوالیث عہدیتی، ۱۲۱۱ھ تحریک ہندی روٹل ۱۲۱۱ھ، مولانا مولانا حسین احمد علی۔

اور عظیم شرفاں تھے۔ اور علما کے سرگروہ مولوی احمد اسد مولوی لیاقت علی اور مولوی فضل حق خیر آبادی قرار پائے۔ ۱۷

”جنگ آزادی عظیم میں مولانا فضل حق نے مردانہ وار حصہ لیا۔ دہلی میں جنرل بخت خان کے شریک رہے۔ لکھنؤ میں حضرت محل کی کورٹ کے سر رہے جب انگریزوں کو فتح ہوئی تو گرفتار کر لئے گئے۔“ ۱۸

”جنگ آزادی عظیم میں مولانا فضل حق نے حصہ لیا۔ دہلی میں جنرل بخت خان کے شریک رہے۔ لکھنؤ میں حکیم حضرت محل کی کورٹ کے سر رہے۔ آخر میں گرفتار ہوئے۔ مقدمہ چلا اور جس دوام مجبور دریا نے شور کی سر اٹھائی۔۔۔۔۔“

دہلی مان و نکو ہمس کے زمانہ قیام میں علامہ خیر آبادی سے دو چیزیں یادگار ہیں۔ اولہ ہندو مت اور قصائد فقہ ہند۔ یہ دونوں چیزیں تاریخی ہونے کے علاوہ ادب کا بھی شاہکار ہیں۔۔۔۔۔

یہ رسالہ اور قصیدہ جنگ آزادی عظیم کے حالات کے نہایت قابل قدر اخذ ہیں۔ ۱۹
پروفیسر خلیق احمد خاں قریب روزنامہ محمد اللطیف ۱۹۶۱ء ۱۹۶۲ء ۱۹۶۳ء پر لکھتے ہیں۔

”جب مذمے میں خود دشمن پیدا تو مولوی فضل حق خیر آبادی نے دہلی کا عزم کیا اور بارگاہ میں باریابی کے آرزو مند ہوئے اور نذر اور نسا کے لئے بہت سارے پیسے پیش کیا۔“
”مولوی فضل حق نے مختلف علوم میں خاص مرتبہ حاصل کیا تھا۔ غن منطق میں ان کا

علی سرما یا اجتہاد کے درجہ تک پہنچا ہوا تھا۔“

مشہور ادیب و مورخ رئیس احمد جعفری اپنی کتاب ”بہادر شاہ ظفر اور ان کا عہد“ میں

میں لکھتے ہیں۔

”دوہ (فضل حق خیر آبادی) انگریزوں سے نفرت کرتے تھے۔ اور انگریزوں کو نکلنے کے لئے ہر منظم اور باقاعدہ تحریک میں حصہ لینے پر دل و جان سے آمادہ رہتے تھے چنانچہ خود جب شروع ہوا تو مولانا نے تاقی شریک ہو گئے۔ وہ بہادر شاہ کے

۱۷۔ ۱۸۔ ۱۹۔ ۲۰۔ ۲۱۔ ۲۲۔ ۲۳۔ ۲۴۔ ۲۵۔ ۲۶۔ ۲۷۔ ۲۸۔ ۲۹۔ ۳۰۔ ۳۱۔ ۳۲۔ ۳۳۔ ۳۴۔ ۳۵۔ ۳۶۔ ۳۷۔ ۳۸۔ ۳۹۔ ۴۰۔ ۴۱۔ ۴۲۔ ۴۳۔ ۴۴۔ ۴۵۔ ۴۶۔ ۴۷۔ ۴۸۔ ۴۹۔ ۵۰۔ ۵۱۔ ۵۲۔ ۵۳۔ ۵۴۔ ۵۵۔ ۵۶۔ ۵۷۔ ۵۸۔ ۵۹۔ ۶۰۔ ۶۱۔ ۶۲۔ ۶۳۔ ۶۴۔ ۶۵۔ ۶۶۔ ۶۷۔ ۶۸۔ ۶۹۔ ۷۰۔ ۷۱۔ ۷۲۔ ۷۳۔ ۷۴۔ ۷۵۔ ۷۶۔ ۷۷۔ ۷۸۔ ۷۹۔ ۸۰۔ ۸۱۔ ۸۲۔ ۸۳۔ ۸۴۔ ۸۵۔ ۸۶۔ ۸۷۔ ۸۸۔ ۸۹۔ ۹۰۔ ۹۱۔ ۹۲۔ ۹۳۔ ۹۴۔ ۹۵۔ ۹۶۔ ۹۷۔ ۹۸۔ ۹۹۔ ۱۰۰۔ ۱۰۱۔ ۱۰۲۔ ۱۰۳۔ ۱۰۴۔ ۱۰۵۔ ۱۰۶۔ ۱۰۷۔ ۱۰۸۔ ۱۰۹۔ ۱۱۰۔ ۱۱۱۔ ۱۱۲۔ ۱۱۳۔ ۱۱۴۔ ۱۱۵۔ ۱۱۶۔ ۱۱۷۔ ۱۱۸۔ ۱۱۹۔ ۱۲۰۔ ۱۲۱۔ ۱۲۲۔ ۱۲۳۔ ۱۲۴۔ ۱۲۵۔ ۱۲۶۔ ۱۲۷۔ ۱۲۸۔ ۱۲۹۔ ۱۳۰۔ ۱۳۱۔ ۱۳۲۔ ۱۳۳۔ ۱۳۴۔ ۱۳۵۔ ۱۳۶۔ ۱۳۷۔ ۱۳۸۔ ۱۳۹۔ ۱۴۰۔ ۱۴۱۔ ۱۴۲۔ ۱۴۳۔ ۱۴۴۔ ۱۴۵۔ ۱۴۶۔ ۱۴۷۔ ۱۴۸۔ ۱۴۹۔ ۱۵۰۔ ۱۵۱۔ ۱۵۲۔ ۱۵۳۔ ۱۵۴۔ ۱۵۵۔ ۱۵۶۔ ۱۵۷۔ ۱۵۸۔ ۱۵۹۔ ۱۶۰۔ ۱۶۱۔ ۱۶۲۔ ۱۶۳۔ ۱۶۴۔ ۱۶۵۔ ۱۶۶۔ ۱۶۷۔ ۱۶۸۔ ۱۶۹۔ ۱۷۰۔ ۱۷۱۔ ۱۷۲۔ ۱۷۳۔ ۱۷۴۔ ۱۷۵۔ ۱۷۶۔ ۱۷۷۔ ۱۷۸۔ ۱۷۹۔ ۱۸۰۔ ۱۸۱۔ ۱۸۲۔ ۱۸۳۔ ۱۸۴۔ ۱۸۵۔ ۱۸۶۔ ۱۸۷۔ ۱۸۸۔ ۱۸۹۔ ۱۹۰۔ ۱۹۱۔ ۱۹۲۔ ۱۹۳۔ ۱۹۴۔ ۱۹۵۔ ۱۹۶۔ ۱۹۷۔ ۱۹۸۔ ۱۹۹۔ ۲۰۰۔ ۲۰۱۔ ۲۰۲۔ ۲۰۳۔ ۲۰۴۔ ۲۰۵۔ ۲۰۶۔ ۲۰۷۔ ۲۰۸۔ ۲۰۹۔ ۲۱۰۔ ۲۱۱۔ ۲۱۲۔ ۲۱۳۔ ۲۱۴۔ ۲۱۵۔ ۲۱۶۔ ۲۱۷۔ ۲۱۸۔ ۲۱۹۔ ۲۲۰۔ ۲۲۱۔ ۲۲۲۔ ۲۲۳۔ ۲۲۴۔ ۲۲۵۔ ۲۲۶۔ ۲۲۷۔ ۲۲۸۔ ۲۲۹۔ ۲۳۰۔ ۲۳۱۔ ۲۳۲۔ ۲۳۳۔ ۲۳۴۔ ۲۳۵۔ ۲۳۶۔ ۲۳۷۔ ۲۳۸۔ ۲۳۹۔ ۲۴۰۔ ۲۴۱۔ ۲۴۲۔ ۲۴۳۔ ۲۴۴۔ ۲۴۵۔ ۲۴۶۔ ۲۴۷۔ ۲۴۸۔ ۲۴۹۔ ۲۵۰۔ ۲۵۱۔ ۲۵۲۔ ۲۵۳۔ ۲۵۴۔ ۲۵۵۔ ۲۵۶۔ ۲۵۷۔ ۲۵۸۔ ۲۵۹۔ ۲۶۰۔ ۲۶۱۔ ۲۶۲۔ ۲۶۳۔ ۲۶۴۔ ۲۶۵۔ ۲۶۶۔ ۲۶۷۔ ۲۶۸۔ ۲۶۹۔ ۲۷۰۔ ۲۷۱۔ ۲۷۲۔ ۲۷۳۔ ۲۷۴۔ ۲۷۵۔ ۲۷۶۔ ۲۷۷۔ ۲۷۸۔ ۲۷۹۔ ۲۸۰۔ ۲۸۱۔ ۲۸۲۔ ۲۸۳۔ ۲۸۴۔ ۲۸۵۔ ۲۸۶۔ ۲۸۷۔ ۲۸۸۔ ۲۸۹۔ ۲۹۰۔ ۲۹۱۔ ۲۹۲۔ ۲۹۳۔ ۲۹۴۔ ۲۹۵۔ ۲۹۶۔ ۲۹۷۔ ۲۹۸۔ ۲۹۹۔ ۳۰۰۔ ۳۰۱۔ ۳۰۲۔ ۳۰۳۔ ۳۰۴۔ ۳۰۵۔ ۳۰۶۔ ۳۰۷۔ ۳۰۸۔ ۳۰۹۔ ۳۱۰۔ ۳۱۱۔ ۳۱۲۔ ۳۱۳۔ ۳۱۴۔ ۳۱۵۔ ۳۱۶۔ ۳۱۷۔ ۳۱۸۔ ۳۱۹۔ ۳۲۰۔ ۳۲۱۔ ۳۲۲۔ ۳۲۳۔ ۳۲۴۔ ۳۲۵۔ ۳۲۶۔ ۳۲۷۔ ۳۲۸۔ ۳۲۹۔ ۳۳۰۔ ۳۳۱۔ ۳۳۲۔ ۳۳۳۔ ۳۳۴۔ ۳۳۵۔ ۳۳۶۔ ۳۳۷۔ ۳۳۸۔ ۳۳۹۔ ۳۴۰۔ ۳۴۱۔ ۳۴۲۔ ۳۴۳۔ ۳۴۴۔ ۳۴۵۔ ۳۴۶۔ ۳۴۷۔ ۳۴۸۔ ۳۴۹۔ ۳۵۰۔ ۳۵۱۔ ۳۵۲۔ ۳۵۳۔ ۳۵۴۔ ۳۵۵۔ ۳۵۶۔ ۳۵۷۔ ۳۵۸۔ ۳۵۹۔ ۳۶۰۔ ۳۶۱۔ ۳۶۲۔ ۳۶۳۔ ۳۶۴۔ ۳۶۵۔ ۳۶۶۔ ۳۶۷۔ ۳۶۸۔ ۳۶۹۔ ۳۷۰۔ ۳۷۱۔ ۳۷۲۔ ۳۷۳۔ ۳۷۴۔ ۳۷۵۔ ۳۷۶۔ ۳۷۷۔ ۳۷۸۔ ۳۷۹۔ ۳۸۰۔ ۳۸۱۔ ۳۸۲۔ ۳۸۳۔ ۳۸۴۔ ۳۸۵۔ ۳۸۶۔ ۳۸۷۔ ۳۸۸۔ ۳۸۹۔ ۳۹۰۔ ۳۹۱۔ ۳۹۲۔ ۳۹۳۔ ۳۹۴۔ ۳۹۵۔ ۳۹۶۔ ۳۹۷۔ ۳۹۸۔ ۳۹۹۔ ۴۰۰۔ ۴۰۱۔ ۴۰۲۔ ۴۰۳۔ ۴۰۴۔ ۴۰۵۔ ۴۰۶۔ ۴۰۷۔ ۴۰۸۔ ۴۰۹۔ ۴۱۰۔ ۴۱۱۔ ۴۱۲۔ ۴۱۳۔ ۴۱۴۔ ۴۱۵۔ ۴۱۶۔ ۴۱۷۔ ۴۱۸۔ ۴۱۹۔ ۴۲۰۔ ۴۲۱۔ ۴۲۲۔ ۴۲۳۔ ۴۲۴۔ ۴۲۵۔ ۴۲۶۔ ۴۲۷۔ ۴۲۸۔ ۴۲۹۔ ۴۳۰۔ ۴۳۱۔ ۴۳۲۔ ۴۳۳۔ ۴۳۴۔ ۴۳۵۔ ۴۳۶۔ ۴۳۷۔ ۴۳۸۔ ۴۳۹۔ ۴۴۰۔ ۴۴۱۔ ۴۴۲۔ ۴۴۳۔ ۴۴۴۔ ۴۴۵۔ ۴۴۶۔ ۴۴۷۔ ۴۴۸۔ ۴۴۹۔ ۴۵۰۔ ۴۵۱۔ ۴۵۲۔ ۴۵۳۔ ۴۵۴۔ ۴۵۵۔ ۴۵۶۔ ۴۵۷۔ ۴۵۸۔ ۴۵۹۔ ۴۶۰۔ ۴۶۱۔ ۴۶۲۔ ۴۶۳۔ ۴۶۴۔ ۴۶۵۔ ۴۶۶۔ ۴۶۷۔ ۴۶۸۔ ۴۶۹۔ ۴۷۰۔ ۴۷۱۔ ۴۷۲۔ ۴۷۳۔ ۴۷۴۔ ۴۷۵۔ ۴۷۶۔ ۴۷۷۔ ۴۷۸۔ ۴۷۹۔ ۴۸۰۔ ۴۸۱۔ ۴۸۲۔ ۴۸۳۔ ۴۸۴۔ ۴۸۵۔ ۴۸۶۔ ۴۸۷۔ ۴۸۸۔ ۴۸۹۔ ۴۹۰۔ ۴۹۱۔ ۴۹۲۔ ۴۹۳۔ ۴۹۴۔ ۴۹۵۔ ۴۹۶۔ ۴۹۷۔ ۴۹۸۔ ۴۹۹۔ ۵۰۰۔ ۵۰۱۔ ۵۰۲۔ ۵۰۳۔ ۵۰۴۔ ۵۰۵۔ ۵۰۶۔ ۵۰۷۔ ۵۰۸۔ ۵۰۹۔ ۵۱۰۔ ۵۱۱۔ ۵۱۲۔ ۵۱۳۔ ۵۱۴۔ ۵۱۵۔ ۵۱۶۔ ۵۱۷۔ ۵۱۸۔ ۵۱۹۔ ۵۲۰۔ ۵۲۱۔ ۵۲۲۔ ۵۲۳۔ ۵۲۴۔ ۵۲۵۔ ۵۲۶۔ ۵۲۷۔ ۵۲۸۔ ۵۲۹۔ ۵۳۰۔ ۵۳۱۔ ۵۳۲۔ ۵۳۳۔ ۵۳۴۔ ۵۳۵۔ ۵۳۶۔ ۵۳۷۔ ۵۳۸۔ ۵۳۹۔ ۵۴۰۔ ۵۴۱۔ ۵۴۲۔ ۵۴۳۔ ۵۴۴۔ ۵۴۵۔ ۵۴۶۔ ۵۴۷۔ ۵۴۸۔ ۵۴۹۔ ۵۵۰۔ ۵۵۱۔ ۵۵۲۔ ۵۵۳۔ ۵۵۴۔ ۵۵۵۔ ۵۵۶۔ ۵۵۷۔ ۵۵۸۔ ۵۵۹۔ ۵۶۰۔ ۵۶۱۔ ۵۶۲۔ ۵۶۳۔ ۵۶۴۔ ۵۶۵۔ ۵۶۶۔ ۵۶۷۔ ۵۶۸۔ ۵۶۹۔ ۵۷۰۔ ۵۷۱۔ ۵۷۲۔ ۵۷۳۔ ۵۷۴۔ ۵۷۵۔ ۵۷۶۔ ۵۷۷۔ ۵۷۸۔ ۵۷۹۔ ۵۸۰۔ ۵۸۱۔ ۵۸۲۔ ۵۸۳۔ ۵۸۴۔ ۵۸۵۔ ۵۸۶۔ ۵۸۷۔ ۵۸۸۔ ۵۸۹۔ ۵۹۰۔ ۵۹۱۔ ۵۹۲۔ ۵۹۳۔ ۵۹۴۔ ۵۹۵۔ ۵۹۶۔ ۵۹۷۔ ۵۹۸۔ ۵۹۹۔ ۶۰۰۔ ۶۰۱۔ ۶۰۲۔ ۶۰۳۔ ۶۰۴۔ ۶۰۵۔ ۶۰۶۔ ۶۰۷۔ ۶۰۸۔ ۶۰۹۔ ۶۱۰۔ ۶۱۱۔ ۶۱۲۔ ۶۱۳۔ ۶۱۴۔ ۶۱۵۔ ۶۱۶۔ ۶۱۷۔ ۶۱۸۔ ۶۱۹۔ ۶۲۰۔ ۶۲۱۔ ۶۲۲۔ ۶۲۳۔ ۶۲۴۔ ۶۲۵۔ ۶۲۶۔ ۶۲۷۔ ۶۲۸۔ ۶۲۹۔ ۶۳۰۔ ۶۳۱۔ ۶۳۲۔ ۶۳۳۔ ۶۳۴۔ ۶۳۵۔ ۶۳۶۔ ۶۳۷۔ ۶۳۸۔ ۶۳۹۔ ۶۴۰۔ ۶۴۱۔ ۶۴۲۔ ۶۴۳۔ ۶۴۴۔ ۶۴۵۔ ۶۴۶۔ ۶۴۷۔ ۶۴۸۔ ۶۴۹۔ ۶۵۰۔ ۶۵۱۔ ۶۵۲۔ ۶۵۳۔ ۶۵۴۔ ۶۵۵۔ ۶۵۶۔ ۶۵۷۔ ۶۵۸۔ ۶۵۹۔ ۶۶۰۔ ۶۶۱۔ ۶۶۲۔ ۶۶۳۔ ۶۶۴۔ ۶۶۵۔ ۶۶۶۔ ۶۶۷۔ ۶۶۸۔ ۶۶۹۔ ۶۷۰۔ ۶۷۱۔ ۶۷۲۔ ۶۷۳۔ ۶۷۴۔ ۶۷۵۔ ۶۷۶۔ ۶۷۷۔ ۶۷۸۔ ۶۷۹۔ ۶۸۰۔ ۶۸۱۔ ۶۸۲۔ ۶۸۳۔ ۶۸۴۔ ۶۸۵۔ ۶۸۶۔ ۶۸۷۔ ۶۸۸۔ ۶۸۹۔ ۶۹۰۔ ۶۹۱۔ ۶۹۲۔ ۶۹۳۔ ۶۹۴۔ ۶۹۵۔ ۶۹۶۔ ۶۹۷۔ ۶۹۸۔ ۶۹۹۔ ۷۰۰۔ ۷۰۱۔ ۷۰۲۔ ۷۰۳۔ ۷۰۴۔ ۷۰۵۔ ۷۰۶۔ ۷۰۷۔ ۷۰۸۔ ۷۰۹۔ ۷۱۰۔ ۷۱۱۔ ۷۱۲۔ ۷۱۳۔ ۷۱۴۔ ۷۱۵۔ ۷۱۶۔ ۷۱۷۔ ۷۱۸۔ ۷۱۹۔ ۷۲۰۔ ۷۲۱۔ ۷۲۲۔ ۷۲۳۔ ۷۲۴۔ ۷۲۵۔ ۷۲۶۔ ۷۲۷۔ ۷۲۸۔ ۷۲۹۔ ۷۳۰۔ ۷۳۱۔ ۷۳۲۔ ۷۳۳۔ ۷۳۴۔ ۷۳۵۔ ۷۳۶۔ ۷۳۷۔ ۷۳۸۔ ۷۳۹۔ ۷۴۰۔ ۷۴۱۔ ۷۴۲۔ ۷۴۳۔ ۷۴۴۔ ۷۴۵۔ ۷۴۶۔ ۷۴۷۔ ۷۴۸۔ ۷۴۹۔ ۷۵۰۔ ۷۵۱۔ ۷۵۲۔ ۷۵۳۔ ۷۵۴۔ ۷۵۵۔ ۷۵۶۔ ۷۵۷۔ ۷۵۸۔ ۷۵۹۔ ۷۶۰۔ ۷۶۱۔ ۷۶۲۔ ۷۶۳۔ ۷۶۴۔ ۷۶۵۔ ۷۶۶۔ ۷۶۷۔ ۷۶۸۔ ۷۶۹۔ ۷۷۰۔ ۷۷۱۔ ۷۷۲۔ ۷۷۳۔ ۷۷۴۔ ۷۷۵۔ ۷۷۶۔ ۷۷۷۔ ۷۷۸۔ ۷۷۹۔ ۷۸۰۔ ۷۸۱۔ ۷۸۲۔ ۷۸۳۔ ۷۸۴۔ ۷۸۵۔ ۷۸۶۔ ۷۸۷۔ ۷۸۸۔ ۷۸۹۔ ۷۹۰۔ ۷۹۱۔ ۷۹۲۔ ۷۹۳۔ ۷۹۴۔ ۷۹۵۔ ۷۹۶۔ ۷۹۷۔ ۷۹۸۔ ۷۹۹۔ ۸۰۰۔ ۸۰۱۔ ۸۰۲۔ ۸۰۳۔ ۸۰۴۔ ۸۰۵۔ ۸۰۶۔ ۸۰۷۔ ۸۰۸۔ ۸۰۹۔ ۸۱۰۔ ۸۱۱۔ ۸۱۲۔ ۸۱۳۔ ۸۱۴۔ ۸۱۵۔ ۸۱۶۔ ۸۱۷۔ ۸۱۸۔ ۸۱۹۔ ۸۲۰۔ ۸۲۱۔ ۸۲۲۔ ۸۲۳۔ ۸۲۴۔ ۸۲۵۔ ۸۲۶۔ ۸۲۷۔ ۸۲۸۔ ۸۲۹۔ ۸۳۰۔ ۸۳۱۔ ۸۳۲۔ ۸۳۳۔ ۸۳۴۔ ۸۳۵۔ ۸۳۶۔ ۸۳۷۔ ۸۳۸۔ ۸۳۹۔ ۸۴۰۔ ۸۴۱۔ ۸۴۲۔ ۸۴۳۔ ۸۴۴۔ ۸۴۵۔ ۸۴۶۔ ۸۴۷۔ ۸۴۸۔ ۸۴۹۔ ۸۵۰۔ ۸۵۱۔ ۸۵۲۔ ۸۵۳۔ ۸۵۴۔ ۸۵۵۔ ۸۵۶۔ ۸۵۷۔ ۸۵۸۔ ۸۵۹۔ ۸۶۰۔ ۸۶۱۔ ۸۶۲۔ ۸۶۳۔ ۸۶۴۔ ۸۶۵۔ ۸۶۶۔ ۸۶۷۔ ۸۶۸۔ ۸۶۹۔ ۸۷۰۔ ۸۷۱۔ ۸۷۲۔ ۸۷۳۔ ۸۷۴۔ ۸۷۵۔ ۸۷۶۔ ۸۷۷۔ ۸۷۸۔ ۸۷۹۔ ۸۸۰۔ ۸۸۱۔ ۸۸۲۔ ۸۸۳۔ ۸۸۴۔ ۸۸۵۔ ۸۸۶۔ ۸۸۷۔ ۸۸۸۔ ۸۸۹۔ ۸۹۰۔ ۸۹۱۔ ۸۹۲۔ ۸۹۳۔ ۸۹۴۔ ۸۹۵۔ ۸۹۶۔ ۸۹۷۔ ۸۹۸۔ ۸۹۹۔ ۹۰۰۔ ۹۰۱۔ ۹۰۲۔ ۹۰۳۔ ۹۰۴۔ ۹۰۵۔ ۹۰۶۔ ۹۰۷۔ ۹۰۸۔ ۹۰۹۔ ۹۱۰۔ ۹۱۱۔ ۹۱۲۔ ۹۱۳۔ ۹۱۴۔ ۹۱۵۔ ۹۱۶۔ ۹۱۷۔ ۹۱۸۔ ۹۱۹۔ ۹۲۰۔ ۹۲۱۔ ۹۲۲۔ ۹۲۳۔ ۹۲۴۔ ۹۲۵۔ ۹۲۶۔ ۹۲۷۔ ۹۲۸۔ ۹۲۹۔ ۹۳۰۔ ۹۳۱۔ ۹۳۲۔ ۹۳۳۔ ۹۳۴۔ ۹۳۵۔ ۹۳۶۔ ۹۳۷۔ ۹۳۸۔ ۹۳۹۔ ۹۴۰۔ ۹۴۱۔ ۹۴۲۔ ۹۴۳۔ ۹۴۴۔ ۹۴۵۔ ۹۴۶۔ ۹۴۷۔ ۹۴۸۔ ۹۴۹۔ ۹۵۰۔ ۹۵۱۔ ۹۵۲۔ ۹۵۳۔ ۹۵۴۔ ۹۵۵۔ ۹۵۶۔ ۹۵۷۔ ۹۵۸۔ ۹۵۹۔ ۹۶۰۔ ۹۶۱۔ ۹۶۲۔ ۹۶۳۔ ۹۶۴۔ ۹۶۵۔ ۹۶۶۔ ۹۶۷۔ ۹۶۸۔ ۹۶۹۔ ۹۷۰۔ ۹۷۱۔ ۹۷۲۔ ۹۷۳۔ ۹۷۴۔ ۹۷۵۔ ۹۷۶۔ ۹۷۷۔ ۹۷۸۔ ۹۷۹۔ ۹۸۰۔ ۹۸۱۔ ۹۸۲۔ ۹۸۳۔ ۹۸۴۔ ۹۸۵۔ ۹۸۶۔ ۹۸۷۔ ۹۸۸۔ ۹۸۹۔ ۹۹۰۔ ۹۹۱۔ ۹۹۲۔ ۹۹۳۔ ۹۹۴۔ ۹۹۵۔ ۹۹۶۔ ۹۹۷۔ ۹۹۸۔ ۹۹۹۔ ۱۰۰۰۔ ۱۰۰۱۔ ۱۰۰۲۔ ۱۰۰۳۔ ۱۰۰۴۔ ۱۰۰۵۔ ۱۰۰۶۔ ۱۰۰۷۔ ۱۰۰۸۔ ۱۰۰۹۔ ۱۰۱۰۔ ۱۰۱۱۔ ۱۰۱۲۔ ۱۰۱۳۔ ۱۰۱۴۔ ۱۰۱۵۔ ۱۰۱۶۔ ۱۰۱۷۔ ۱۰۱۸۔ ۱۰۱۹۔ ۱۰۲۰۔ ۱۰۲۱۔ ۱۰۲۲۔ ۱۰۲۳۔ ۱۰۲۴۔ ۱۰۲۵۔ ۱۰۲۶۔ ۱۰۲۷۔ ۱۰۲۸۔ ۱۰۲۹۔ ۱۰۳۰۔ ۱۰۳۱۔ ۱۰۳۲۔ ۱۰۳۳۔ ۱۰۳۴۔ ۱۰۳۵۔ ۱۰۳۶۔ ۱۰۳۷۔ ۱۰۳۸۔ ۱۰۳۹۔ ۱۰۴۰۔ ۱۰۴۱۔ ۱۰۴۲۔ ۱۰۴۳۔ ۱۰۴۴۔ ۱۰۴۵۔ ۱۰۴۶۔ ۱۰۴۷۔ ۱۰۴۸۔ ۱۰۴۹۔ ۱۰۵۰۔ ۱۰۵۱۔ ۱۰۵۲۔ ۱۰۵۳۔ ۱۰۵۴۔ ۱۰۵۵۔ ۱۰۵۶۔ ۱۰۵۷۔ ۱۰۵۸۔ ۱۰۵۹۔ ۱۰۶۰۔ ۱۰۶۱۔ ۱۰۶۲۔ ۱۰۶۳۔ ۱۰۶۴۔ ۱۰۶۵۔ ۱۰۶۶۔ ۱۰۶۷۔ ۱۰۶۸۔ ۱۰۶۹۔ ۱۰۷۰۔ ۱۰۷۱۔ ۱۰۷۲۔ ۱۰۷۳۔ ۱۰۷۴۔ ۱۰۷۵۔ ۱۰۷۶۔ ۱۰۷۷۔ ۱۰۷۸۔ ۱۰۷۹۔ ۱۰۸۰۔ ۱۰۸۱۔ ۱۰۸۲۔ ۱۰۸۳۔ ۱۰۸۴۔ ۱۰۸۵۔ ۱۰۸۶۔ ۱۰۸۷۔ ۱۰۸۸۔ ۱۰۸۹۔ ۱۰۹۰۔ ۱۰۹۱۔ ۱۰۹۲۔ ۱۰۹۳۔ ۱۰۹۴۔ ۱۰۹۵۔ ۱۰۹۶۔ ۱۰۹۷۔ ۱۰۹۸۔ ۱۰۹۹۔ ۱۱۰۰۔ ۱۱۰۱۔ ۱۱۰۲۔ ۱۱۰۳۔ ۱۱۰۴۔ ۱۱۰۵۔ ۱۱۰۶۔ ۱۱۰۷۔ ۱۱۰۸۔ ۱۱۰۹۔ ۱۱۱۰۔ ۱۱۱۱۔ ۱۱۱۲۔ ۱۱۱۳۔ ۱۱۱۴۔ ۱۱۱۵۔ ۱۱۱۶۔ ۱۱۱۷۔ ۱۱۱۸۔ ۱۱۱۹۔ ۱۱۲۰۔ ۱۱۲۱۔ ۱۱۲۲۔ ۱۱۲۳۔ ۱۱۲۴۔ ۱۱۲۵۔ ۱۱۲۶۔ ۱۱۲۷۔ ۱۱۲۸۔ ۱۱۲۹۔ ۱۱۳۰۔ ۱۱۳۱۔ ۱۱۳۲۔ ۱۱۳۳۔ ۱۱۳۴۔ ۱۱۳۵۔ ۱۱۳۶۔ ۱۱۳۷۔ ۱۱۳۸۔ ۱۱۳۹۔ ۱۱۴۰۔ ۱۱۴۱۔ ۱۱۴۲۔ ۱۱۴۳۔ ۱۱۴۴۔ ۱۱۴۵۔ ۱۱۴۶۔ ۱۱۴۷۔ ۱۱۴۸۔ ۱۱۴۹۔ ۱۱۵۰۔ ۱۱۵۱۔ ۱۱۵۲۔ ۱۱۵۳۔ ۱۱۵۴۔ ۱۱۵۵۔ ۱۱۵۶۔ ۱۱۵۷۔ ۱۱۵۸۔ ۱۱۵۹۔ ۱۱۶۰۔ ۱۱۶۱۔ ۱۱۶۲۔ ۱۱۶۳۔ ۱۱۶۴۔ ۱۱۶۵۔ ۱۱۶۶۔ ۱۱۶۷۔ ۱۱۶۸۔ ۱۱۶۹۔ ۱۱۷۰۔ ۱۱۷۱۔ ۱۱۷۲۔ ۱۱۷۳۔ ۱۱۷۴۔ ۱۱۷۵۔ ۱۱۷۶۔ ۱۱۷۷۔ ۱۱۷۸۔ ۱۱۷۹۔ ۱۱۸۰۔ ۱۱۸۱۔ ۱۱۸۲۔ ۱۱۸۳۔ ۱۱۸۴۔ ۱۱۸۵۔ ۱۱۸۶۔ ۱۱۸۷۔ ۱۱۸۸۔ ۱۱۸۹۔ ۱۱۹۰۔ ۱۱۹۱۔ ۱۱۹۲۔ ۱۱۹۳۔ ۱۱۹۴۔ ۱۱۹۵۔ ۱۱۹۶۔ ۱۱۹۷۔ ۱۱۹۸۔ ۱۱۹۹۔ ۱۲۰۰۔ ۱۲۰۱۔ ۱۲۰۲۔ ۱۲۰۳۔ ۱۲۰۴۔ ۱۲۰۵۔ ۱۲۰۶۔ ۱۲۰۷۔ ۱۲۰۸۔ ۱۲۰۹۔ ۱۲۱۰۔ ۱۲۱۱۔ ۱۲۱۲۔ ۱۲۱۳۔ ۱۲۱۴۔ ۱۲۱۵۔ ۱۲۱۶۔ ۱۲۱۷۔ ۱۲۱۸۔ ۱۲۱۹۔ ۱۲۲۰۔ ۱۲۲۱۔ ۱۲۲۲۔ ۱۲۲۳۔ ۱۲۲۴۔ ۱۲۲۵۔ ۱۲۲۶۔ ۱۲۲۷۔ ۱۲۲۸۔ ۱۲۲۹۔ ۱۲۳۰۔ ۱۲۳۱۔ ۱۲۳۲۔ ۱۲۳۳۔ ۱۲۳۴۔ ۱۲۳۵۔ ۱۲۳۶۔ ۱۲۳۷۔ ۱۲۳۸۔ ۱۲۳۹۔ ۱۲۴۰۔ ۱۲۴۱۔ ۱۲۴۲۔ ۱۲۴۳۔ ۱۲۴۴۔ ۱۲۴۵۔ ۱۲۴۶۔ ۱۲۴۷۔ ۱۲۴۸۔ ۱۲۴۹۔ ۱۲۵۰۔ ۱۲۵۱۔ ۱۲۵۲۔ ۱۲۵۳۔ ۱۲۵۴۔ ۱۲۵۵۔ ۱۲۵۶۔ ۱۲۵۷۔ ۱۲۵۸۔ ۱۲۵۹۔ ۱۲۶۰۔ ۱۲۶۱۔ ۱۲۶۲۔ ۱۲۶۳۔ ۱۲۶۴۔ ۱۲۶۵۔ ۱۲۶۶۔ ۱۲۶۷۔ ۱۲۶۸۔ ۱۲۶۹۔ ۱۲۷۰۔ ۱۲۷۱۔ ۱۲۷۲۔ ۱۲۷۳۔ ۱۲۷۴۔ ۱۲۷۵۔ ۱۲۷۶۔ ۱۲۷۷۔ ۱۲۷۸۔ ۱۲۷۹۔ ۱۲۸۰۔ ۱۲۸۱۔ ۱۲۸۲۔ ۱۲۸۳۔ ۱۲۸۴۔ ۱۲۸۵۔ ۱۲۸۶۔ ۱۲۸۷۔ ۱۲۸۸۔ ۱۲۸۹۔ ۱۲۹۰۔ ۱۲۹۱۔ ۱۲۹۲۔ ۱۲۹۳۔ ۱۲۹۴۔ ۱۲۹۵۔ ۱۲۹۶۔ ۱۲۹۷۔ ۱۲۹۸۔ ۱۲۹۹۔ ۱۳۰۰۔ ۱۳۰۱۔ ۱۳۰۲۔ ۱۳۰۳۔ ۱۳۰۴۔ ۱۳۰۵۔ ۱۳۰۶۔ ۱۳۰۷۔ ۱۳۰۸۔ ۱۳۰۹۔ ۱۳۱۰۔ ۱۳۱۱۔ ۱۳۱۲۔ ۱۳۱۳۔ ۱۳۱۴۔ ۱۳۱۵۔ ۱۳۱۶۔ ۱۳۱۷۔ ۱۳۱۸۔ ۱۳۱۹۔ ۱۳۲۰۔ ۱۳۲۱۔ ۱۳۲۲۔ ۱۳۲۳۔ ۱۳۲۴۔ ۱۳۲۵۔ ۱۳۲۶۔ ۱۳۲۷۔ ۱۳۲۸۔ ۱۳۲۹۔ ۱۳۳۰۔ ۱۳۳۱۔ ۱۳۳۲۔ ۱۳۳۳۔ ۱۳۳۴۔ ۱۳۳۵۔ ۱۳۳۶۔ ۱۳۳۷۔ ۱۳۳۸۔ ۱۳۳۹۔ ۱۳۴۰۔ ۱۳۴۱۔ ۱۳۴۲۔ ۱۳۴۳۔ ۱۳۴۴۔ ۱۳۴۵۔ ۱۳۴۶۔ ۱۳۴۷۔ ۱۳۴۸۔ ۱۳۴۹۔ ۱۳۵۰۔ ۱۳۵۱۔ ۱۳۵۲۔ ۱۳۵۳۔

معتد امقرّب اور شیر تھے! ان کے درہل میں شریک ہوا کرتے تھے انھیں اہم سمجھا
وہاں پر شور مچا دیتے تھے اور اس بات کے سامل تھے کہ آزادی کی یہ تحریک
کامیاب ہو اور انگریز اس میں ہمیشہ ہمیش کے لئے ذہنت ہو جائیں۔ مولانا نے
غدر میں دلیری اور جرات کے ساتھ علانیہ حصہ لیا، انھوں نے متعدد دوا لیا
ریاست اور رائے ہند کو اس تحریک میں شامل کرنے کی کوشش کی جس جس والی
ریاست سے ان کے ذاتی تعلقات و مراسم تھے،

۔۔۔۔۔ ۱۸۵۹ء میں مولانا فضل حق غیر آبادی کو خلیہ حکومت کی وفاداری
اور انگریزوں کے خلاف بغاوت میں شریک ہونے کے جرم میں گرفتار کر لیا گیا۔
۱۸۵۹ء کے ہنگامے میں مولانا فضل حق اور سے دلی پہنچے اور دہلی سے بعد از
خوابی بسیار اور دھپنچے جعفر تمل کی کورٹ کے برابر ہوئے۔ بعد از اس مولانا
فضل حق گرفتار ہوئے۔ بغاوت کے جرم میں اس یگانہ روزگار شخصیت پر
مقدمہ چلا۔

۱۸۵۹ء میں جب غدر کے بعد انگریزوں کا تسلط ہو گیا تو اولادگوں کے ساتھ
مولانا فضل حق پر بھی جرم بغاوت عائد کیا گیا اور جس دوام بھوود پر اسے شور کا
حکم ہوا۔

”ہماری پہلی جنگ آزادی کے ہر بلا شبہ انگریزی فوجی اور رسول افسران سے کسی
طرح قابلیت اور حب الوطنی میں کم نہیں تھے۔ جبریل بخت خاں، جبریل محمود خاں
بیگم حضرت تمل، مولانا احمد شاہ، سید لیاقت علی، مولانا فضل حق، خان بہادر
خاں، نانارادو، تانیا ٹوپی، شہزادہ فیروز شاہ جھانسی کی رائی، محمد علی خاں عرف
جی گربین وغیرہ مجاہدین کے لہڑے تھے اور اپنی اپنی جگہ بڑی فوجیوں کے لوگ تھے۔
سوربھ بونین کی سائنس اکائی کے ادارہ علوم شرقیہ کی ایک ممتاز رکن، ادا
پروٹسکا یا لکھتی ہیں:-

لے آزادی کے مجاہدین ۳۲، محمود الحسن ۳۰، روزنامہ حریت کراچی ۱۹ جولائی ۱۹۴۷ء، صفحہ نمبر ۱۰، دستان گریز
اور دفعہ ۳۲، جہاں قابل ہے صفحہ ۱۰، آزادی کی کہ ۱۰، انگریزوں کی زانیہ، سید صفی علی علیہ السلام، سہ ماہی، ۱۹۴۷ء، کراچی
جنگ آزادی، بھروسہ -

مولانا فضل حق اور شریف لائے جہاں انہوں نے انگریزوں کے خلاف ایک مسلح بغاوت کا پرچار کیا۔ ان کا خیال یہ تھا کہ وہ زمین و آسمان پر برطانوی حکومت سے مطمئن نہیں ہیں۔ اس کی بنیادی طاقت ہونے لگی۔ مولانا صوفیہ کے معاصرین اور ان کے سوانح نگاروں نے ان کے بہت سے خطوط کا ذکر کیا ہے جو انہوں نے مختلف دیانتوں کے حکمرانوں کو لکھے تھے۔ انہوں نے برطانیہ کے خلاف ایک مسلح بغاوت کا پیغام دیا تھا۔ بغاوت کے زمانے میں مولانا انگریزوں کے مخالفین کی صف میں رہے۔۔۔

مولانا فضل حق خیر آبادی کے سماجی اور سیاسی نظریات سامراجی حکومتی کے جوئے سے ملک کو آزار دہنے کی اس خواہش کے آئینہ دار تھے جو پوری قوم کے پسے میں پروان چڑھ رہی تھی۔ اس حیثیت سے ان کی جلد سرگرمیاں ہندوستان کے قومی مفاد کو پورا کرتی تھیں۔ لہ

محرم عشری صاحب کے مضمون بعنوان "مولانا فضل حق خیر آبادی اور ۱۹۵۵ء کے کافر جہاد" مضمون ماہنامہ تحریک دہلی بابت ماہ اگست ۱۹۵۶ء نے اہل علم میں کیسی غلط فہمیاں پیدا کیں اس کا اندازہ جناب امک رام کے مضمون "مولانا فضل حق خیر آبادی" مطبوعہ ماہنامہ تحریک دہلی بابت ماہ جون ۱۹۶۶ء سے لگایا جاسکتا ہے جو عشری صاحب کی تائید میں فتویٰ جہاد کے ساتھ ملحق شرکت جہاد سے بھی انکار کر بیٹھے۔

ناطقہ سر بگڑ بیان کہ اسے کیا کہئے۔

اسی قسم کی غلط فہمی کی علحاضی مندرجہ ذیل مکتوب کر رہا ہے۔

"کامی غلط فہمی پور باراشر
موردہ ۳ مارچ ۱۹۵۶ء

مسلم محرم جناب مولانا عبدالشاہ صاحب شرفی مدظلہ العالی۔ سلام و رحمت۔ بہت برسوں سے جناب سے غائبانہ تعارف ہے۔ اپنی پہلی بائبل کتاب

۱۰ پندرہ روزہ سوڈیٹ دس دہلی۔ ۱۰ جولائی ۱۹۵۶ء

ہمارے یہ دونوں بزرگ ہمیشہ غازی گفثار رہے غازی کو دارلکھمی دہلی کے ساجی
پر کھڑے ہو کر شاہ اور ان کو بریکان سیاست و جہاد حریت کا تماشہ دیکھتے رہے۔ ان کے معنوں
شباب سے ہندوستان کے دریائے جنگ آزادی میں لایوں عظیم و مد و جزر آئے مگر پانی
عافیت پسندی اور راحت آسانی کے صہارے باہر نہ نکل سکے جبکہ ہزاروں جوان مرد
اور باہمت خواتین مصائب بگڑی اور جاں سپاری کا مظاہرہ کرتے رہے۔

بنا کر دے خوش رہے بھاک و خون غلطیدن

خدا رحمت کن دایا عاشقان پاک طینت را

اس موضوع پر فضل حق خیر آبادی اور سن ستاون "مرتبہ مولانا حکیم محمد واحد برکاتی
نویں نم کراچی مطبوعہ برکات اکیڈمی کراچی ۱۹۷۷ء اور "اعتیاد حق" مرتبہ راجہ غلام محمد۔
برشائع کردہ مکتبہ قادریہ لاہور ۱۹۷۷ء والیج الاسلامی مبارکپور (خاص توجہ کی مستحق ہیں۔
یہ دونوں کتابیں ہماری بھی ماحذ ہیں۔

مقدمہ سے متعلق پوری روئے داد آپ نے پڑھ لی۔ اب الثورۃ الہندیہ کے متعلق سفلی
خیر شبہات پر بھی نظر ڈالیں۔

محترم نادم سہیل پوری اپنی کتاب "غائب نام آدم" میں اندھیرے میں تیر چلائے ہیں
جس کا خلاصہ یہ ہے کہ الثورۃ الہندیہ اور تصانیف فقہ الہندیہ کے کوٹوں اور پھسل سے لکھے
ہوئے خنجر پرزے جب مولانا عبدالحق کو مفتی غایت احمد کا کندہ دی کے ذریعے قر
وہ اپنے والد ماجد علامہ فضل حق کی ربائی کے لئے گوشاں تھے انھیں خطہ ہو گا کہ پرزے
مرتب ہو کر حکام وقت کے ہاتھ لگ گئے تو ربائی مشکل ہو گئی۔ اس لئے اس میں ترمیم
کر دی گئی ہو گی۔ لے

اس کا جواب محترم محمد ایوب قادری نے دیا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ :-

لے غائب نام آدم مسک ۱۲۔

(۱) داخل یا خارجی شواہد میں کے بغیر محض غن تجمین سے رسالہ و قصائد کو شکوک قرار دینا درست نہیں ہے۔

(۲) یہ رسالہ و قصائد مولانا عبدالحق کی زندگی میں شائع نہیں ہوئے لہذا حکومت کے خوف کی بنا پر تحریف و ترمیم کی ضرورت کیا تھی۔

(۳) اس رسالہ و قصائد میں حکومت برطانیہ پر سخت تنقید کی گئی ہے اگر حکومت کے خوف سے ترمیم کی گئی ہو تو لب و لہجہ نرم ہوتا۔

(۴) ۱۲۷۷ھ میں مفتی عنایت احمد کا کوروی رہا ہو کر گئے ایک دو ماہ بعد رسالہ اور قصائد مولانا کو پہنچے ہوں گے۔ ۱۲ صفر ۱۲۷۷ھ کو علامہ فضل حق کا وصال ہو جاتا ہے اس لئے یہ بات قرین قیاس ہے کہ مولانا عبدالحق نے علامہ کے وصال کے بعد رسالہ و قصائد کی طرف توجہ دی ہوگی۔ لہذا علامہ کی رہائی کے لئے کوشش ان کی ترتیب سے منع نہ ہوئی ہوگی بلکہ میرے خیال سے قادری صاحب کو جہاں ان دلائل کی ضرورت ہی نہ تھی۔ نام خاص۔

زبان عربی اور اس کے ادب سے ناواقف ہیں۔ علامہ کے اسلوب بیان اور طرز نگارش کو وہ خود تو کیا سمجھ سکے ہیں بڑے سے بڑا مہرسان و لغت بھی کتب لغات کی مدد کے بغیر علامہ کے مفہوم تک نہیں پہنچ سکتا۔ یہ واقعہ ہے کہ اگر کوئی ترمیم کی گئی ہو تو وہ محض میں ثبات کا بیہودہ ہوتی۔

اب خود محمد ایوب قادری صاحب کا شبہ ملاحظہ فرمائیں اسی مضمون میں لکھتے ہیں: "جو اراکندمان و نکو باریں دفتر قائم ہو چکا تھا۔ اسکول کھل چکا تھا۔ عدالتی کارروائیاں جاری تھیں۔ وہاں کے انگریز حکام کی اجازت سے تعینف و تانیف کا کام جاری تھا تو پھر کوئے سے لکھنے کا کیا قرینہ؟

مولانا مفتی عنایت احمد کا کوروی اندمان سے رہا ہو کر آئے تو اپنے ساتھ اپنی تین کتابیں بھی لائے جن میں سے تو ادب و جیب الہ اور علم الصیغہ شائع ہو کر مقبول عام ہوئیں۔ جب یہ تین کتابیں بحفاظت پہنچ گئیں تو رسالہ اور

۱۲۷۷ھ میں مولانا کی علی قدا۔ سہ ماہی رد و جنوری ۱۲۷۷ھ ص ۲۳ و ۲۴

قصائد کے پہنچنے سے کیا مانع تھا؟

کوئی بتلائے کہ ہم بست لائیں کیا؟

موصوف نے سوچا کہ نادم بیستا پوری دور کی کوڑی لاسے تو میں کیوں محروم رہوں
ایقت آشکارا کہنے کے لئے کوئی نئی بات پیدا کر لی گئی تھی۔

رسالہ و قصائد کو علم الصیغہ اور تواریخ جیب الہ اور غدر کے حالات کو
موجودہ حالات پر قیاس کرنا انہیں جیسے منظر کا کام ہو سکتا ہے۔

مولانا ابوالکلام آزاد، تعارف باقی ہندوستان میں تحریر فرماتے ہیں:-

”حال اس زمانے کا دوسرا اقصاء غدر کے حادث کا تذکرہ اور پھر ایسے شخص کی
ذہنی جیسے بزمِ بغاوت، عہدِ غریب کی سزا دی گئی تھی۔ زیادہ سے زیادہ غفلت کا
بات یقین کی جاتی تھی۔“

تو اردو ادب کی تفسیر کی جسارت بڑی ہمت چاہتی ہے جسکی قادری صاحب کے
پاس کی نہیں۔

خود لکھتے ہیں کہ تواریخ جیب الہ اور علم الصیغہ شائع ہو کر مقبول عام ہوئیں۔ یہی
بات تھی تو رسالہ و قصائد شائع ہوئے۔ کیوں شائع ہو کر مقبول عام نہ ہوئے؟ اور کیوں
ان کی محدود دس چند نقلیں خواص نے خریداں بنا کر رکھیں؟

ہر زون پر لکھ کر بھیجے میں مصلحت یہ تھی کہ اگر راہ میں کسی کے ہاتھ لگ جائیں تو
ہاتھ نہ آئے۔ اس کی ترتیب میں خلف الرشید مولانا عبدالحق جیسے فاضل کو کیا کی دقتیں،
پیش آئی ہوں گی۔ یہ وہی جلتے ہوئے گے۔ مولانا تو ”اولد بر ملا بیہ“ تھے کہ فارغ از
ہو گئے۔

ہر جہ در طبع تو نہ آید راست

تو نہ آستہ ای گو کہ خطا سست

تضہیں حرمِ آبیاری برونیت حضرت رقیہا بریلویؑ

وصفت زبشر ہم نامکن ہستی مدوح خدا جاننا
من یا ہے بچار کرت تسدن تو ہے پرکھن ہار کیا جاننا
کہی تہے بھی چشم باہل، میں نے تو کچھ بکت جاننا
لم یات تغیرک فی نظر مثل تو نہ شد پسیدہ جاننا

جگ راج کا تاج تو سے سرسو ہے تھکوتر دریا جاننا

رحمے شافع روز جزا، شد فرقہ بکرگنہ دل ما
من کو ان لوگ کا روگ لگا جن چاہے نہ آپ میں خدا
کرنا ہوں سی دن رات عالمے سانی چشمہ کوثر آ
المروج علاو البحر طغی، من بکس طوفاں ہوش ربا

مخدر ہماریں ہوں بگری ہے ہوا، ہوری نیپا لکھنا

من تیرہ نصیب سیاہ عمل، ارم ہرہ عقدہ لا یفل
نہ تو کام کی آس نہ کام کا بل، تو سے چت کو دھیر سنا کتل
اچھے چاہے تو مجھے کل، تو ہو سو کسی ہوئی یہ کشت مل
لک بدرقی لوجہ الاجل، خط مالہ مر زلف ابراجل

تو سے چندن چندر پرو کندل، رحمت کی بھڑ سا جاننا

تا چند کشم بہ فراق تو غم تاکہ خورد و نوش سرشک ام
ہزار کارج بڑھے جم جم، مدد کا ہے بسا روئی پیتم
میں تشنہ شوق ہوں تیری قسم، تپ بھرے الجتن ہے دم
انانی عطش و سحاک تم ملے گسوئے پاک ہے ابریکم

برسن ہائے دم جم جم، دو بدو بدو بھی گرا جاننا

بگشت بہ ہر دو طبع علی ایام شباب بچہ سیر نہی
اب تیرے نیت کی لاگ لگی یا چھ پران نکس جانی
جو میرے نہیں نیا میں کوئی جو روز دہاں جگہ قطعی
یا شمس نظرت الی اہلی جو بطلیب کی عرصے بگنی

تو رہے جوت کی جھل جھل جگ میں چنی مری شبنم دہر نہا

از گردش بخت بھٹا فلک ہستم درامن اماں اینک
اب جات ہی چیرا کی کک نہ وہ ٹیس پیر نہ دکھ شتک
لیکن یہ عز ہے اسی در تک ہمیں نہیں شک میں نہیں شک
یا قافلتی زیدی اجلک رحیم بر حسرت نشہ بک

مورا جہاں رہے درک رک طیبہ سے بھی نہ سنا جانا

یا شاہ خبر گرامت از ارم بادست غم فرقت
چلے دی توری کارن او سے یس کو ہے پل کوست

حسرت ہے اگر تو ہی حسرت کہ وہیں بھول گئے فرقت
وانا لکویا بیت زنجبت آں عہد حضور بارگشت

جب یاد آوت ہو ہے گزشت پرت درد اوہ میسے کاجانا

چہ کم شکر کرم تو دادا نہ دمن ارم نہ زباں بخند
دانا تو راج بڑھا ہے سوا حواں کی بھی تسک یہ دعا
نہ میں جو بھوکوٹا ہے مزا وادش میں کچھ کہ نہیں سکنا
الروح فداک فرود قوا یک شعلہ دگر بر زن عشقا

موراقن من دھن بچے مکے دیا یہ جان بھی پیا بچا جانا

عہدہ فضل حق خیر پاوری کی ہر اجزا دی بی بی
سعدیہ را اندر ام رازا کر نہیں ہر وقت امام احمد رضا